

إِنَّمَا تَجْزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
 تمہیں صرف اس کی جزا دی جائے گی جو تم کرتے تھے (۵۲-۱۶)

عقیدہ ایصالِ ثواب کی دوسری کڑی

مذکرہ

(مآئین)

محدث العصر جامع العلوم علامہ تہمتا عاوی نجیبی پھلواری رحمۃ اللہ علیہ
 (اوسا)

فقہ العصر شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب النوی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم و حواشی ————— مفتی محمد طاہر الہی

مولانا ڈاکٹر عبدالرشید عیسیٰ مدنی

(ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

سوانحی
 تاثرات

شائع کردہ

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

کھنہ پورہ - ۷۰۰۰۱ - بلاک نمبر ۱، ناظم آباد - کراچی - ۷۴۰۰۰

فون: ۶۲۱۳۴۹ - ۶۲۴۸۳۰

(جملہ حقوق محفوظ)

سلسلہ اشاعت نمبر ۲۰

اشاعت دوم

ماہ شوال ۱۴۱۷ھ ————— فروری ۱۹۹۷ء

نام کتاب ————— مذاکرہ (عقیدہ ایصال ثواب کی دوسری کڑی)

مابین علامہ تمنا عادیؒ اور

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

مرتبہ ————— نظام الدین خاں

کتابت ————— محبوب کریم صدیقی

صفحات ————— ۲۰۰ (دوسو)

تعداد کتب ————— ۶۰۰ (چھ سو)

قیمت مجلد ————— چالیس روپے (۴۰/-)

مطبع ————— روحانی ڈائجسٹ پریس ناظم آباد - کراچی

ناشر

الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

فہرست عنوانات

- ۱ پیش لفظ — نظام الدین خاں محمد عمومی ادارہ پڑا۔ ۵
- ۲ تقدیم و حواشی — مولانا طاہر الحق مفتی جامع مدینۃ العلوم کراچی۔ ۱۳
- ۳ مولانا ظفر احمد عثمانی کا مقام — علماء عصر کی نظر میں۔ ۱۷
- ۴ تاثرات بروقات — مولانا ڈاکٹر عبدالرشید عباس ندوی ۲۱
- علامہ متناعمادی پی ایچ ڈی ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ۵ دیگر مقتدر اہل علم کے تاثرات ۲۸
- مولانا اسد القادری
- مولانا جعفر شاہ پھلواری
- علامہ ڈاکٹر محمد اقبال
- حضرت شاہ سلیمان پھلواری
- ۶ علامہ متناعمادی — مجیب الرحمن شامی ایڈیٹر قومی ڈائجسٹ و ۳۰
- بہفت روزہ زندگی - لاہور
- ۷ علامہ متناعمادی ادیبوں کی نظر میں ۳۳
- علامہ نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ
- حضرت جوش ملیح آبادی
- پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبہ اردو علیگڑھ یونیورسٹی
- ڈاکٹر عبدالکبیر شادانی صدر شعبہ اردو و فارسی ڈھاکہ یونیورسٹی
- پروفیسر ڈاکٹر شوکت سبزواری مدیر اردو و لغت ترقی اردو بورڈ کراچی
- مفتی انتظام اللہ شہابی جنرل سکرٹری پاکستان اردو اکیڈمی
- پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی پروفیسر سینٹ کولمباز کالج بہار

- ۷۔ علامہ تمنا عادی کی تصانیف اور ان کے شاگرد
۳۸ ایس الرحمن ایڈوکیٹ کراچی کی مرتب کردہ۔ علامہ تمنا عادی کی
سوانح جامع العلوم سے مستفاد
- ۸۔ اصل کتاب
۴۷
- ۹۔ استفتا (سوال نامہ از ساکنان محلہ بنسی بازار ڈھاکہ)
۴۷
- ۱۰۔ مکتوب نمبر ۱ جواب استفتا (از علامہ تمنا عادی پھلواری)
۴۷
- سنت رسول و صحابہؓ کیا ہے؟
- ۱۱۔ مکتوب نمبر ۲ جواب الجواب از مولانا ظفر احمد عثمانی
۵۸
- (بالمشافہ گفتگو کی پیش کش)
- ۱۲۔ مکتوب نمبر ۳ دونوں جوابوں پر محاکمہ از مولانا عبدالوہد تھری
۶۰
- قرآن
۶۰
- قرآن وحدیث
۶۰
- سنت
۶۰
- امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ
۶۱
- حدیث سے غلط استدلال
۶۱
- جواب الجواب
۶۲
- قیاس
۶۳
- بکل شجرۃ حسنہ
۶۴
- سارے کوئی شیعہ نہیں تھے
۶۴
- حاکم اور ان کی کتاب مستدرک
۶۴
- محدثین کا فیصلہ
۶۷
- عجیب وغریب استدلال
۶۹

- ۶۹ حش ہی نے کیوں پوچھا ؟
- ۷۰ شریک کی روایت
- ۷۰ ابو الحسناء کی روایت
- ۷۱ شیعوں کی کتابوں میں ذکر
- ۷۲ _____ مکتوب نمبر ۱۳ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام علامہ تنہا عادی
- ۷۲ (خیری صاحب کی شکایت)
- ۷۳ _____ مکتوب نمبر ۱۴ مولانا عبدالواحد خیری بنام مولانا ظفر احمد عثمانی
- ۷۳ (معدرت)
- ۷۵ _____ مکتوب نمبر ۱۵ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام مولانا عبدالواحد خیری
- ۷۵ (خیری صاحب کو نصیحت)
- ۷۵ _____ مکتوب نمبر ۱۶ علامہ تنہا عادی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی
- ۷۸ _____ مکتوب نمبر ۱۷ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام علامہ تنہا عادی
- ۷۸ (میرے اور آپ کے طریقہ میں فرق - اصولی بحث)
- ۷۹ (الف) عربی قواعد کے ساتھ اصول فقہ کے قواعد کی پابندی بھی ضروری ہے۔
- ۷۹ (ب) حدیث کو قرآن کی شرح سمجھا جائے۔
- ۸۰ (۷۰) بخاری اور مسلم میں کوئی ضعیف یا موضوع حدیث موجود نہیں۔
- ۸۱ کسی حدیث کو موضوع کہنا ہر شخص کا کام نہیں۔
- ۸۱ تنقید تو ہر شخص پر مل جائے گی مگر
- ۸۲ قرآن
- ۸۲ سنت
- ۸۳ حدیث سے غلط استدلال کا جواب
- ۸۴ میری دلیل پر اعتراض

- ۸۵ پیش کردہ آیات کا جواب
- ۸۵ حضرت علیؓ کی روایت ہونے کا جواب
- ۸۵ تقویٰ سے استدلال کا جواب
- ۸۵ حضرت علیؓ کے لئے وصی ہونے کا جواب
- ۸۶ حاکم اور ان کی کتاب مستدرک
- ۸۶ شریک کی روایت
- ۸۶ فقہاء کا تقویٰ پیش نہ کرنے کا جواب
- ۸۹ مکتوب نمبر ۱۸ علامہ تمنا عمادی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی
- ۸۹ مروجہ ایصال ثواب اور قبر سستی
- ۹۱ اکابر اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کافرق (نمبر ۱)
- ۹۱ قواعد عربیہ اور اصول فقہ (نمبر ۲ اور ۳)
- ۹۲ قرآن اور حدیث (مثنوی کتاب و سنت)
- ۹۲ جو قرآن کے خلاف ہو رد کردو۔ (نمبر ۴)
- ۹۵ صرف حدیث ہی نہیں تعامل صحابہؓ بھی حجت ہے۔ (نمبر ۵)
- ۹۵ بخاری کے راوی۔
- ۹۵ احادیث کے لئے قرآن کے مطابق ہونا شرط ہے۔ (نمبر ۱۰)
- ۹۵ روایت پرستی۔ اصول ترمذی اور ابوداؤد (نمبر ۱۱ اور ۱۲)
- ۹۶ صحت حدیث کا مطلب (نمبر ۱۳)
- ۹۶ لاریب فیہ صرف قرآن ہے (نمبر ۱۴)
- ۹۶ محدثین کا مقابلہ کرنا۔ (نمبر ۱۵)
- ۹۶ قرآن کی تاویل یا حدیث کی تاویل (نمبر ۱۶)
- ۹۸ قرآن کی حدیثی شرح۔ (نمبر ۱۹)

- ۱۰۰۔ فدینا ہندج عظیم (نمبر ۲۱ اور ۲۲)
- ۱۰۱۔ من سے کیا مراد ہے؟ (۲۳)
- ۱۰۸۔ تقویٰ اور ثواب - (نمبر ۲۹)
- ۱۰۹۔ دعا کا انکار نہیں ہے۔
- ۱۱۰۔ نیابت اور بدلیت (نمبر ۳)
- ۱۱۳۔ مستدرک حاکم
- ۱۱۶۔ شیعہ اور رافضی کا فرق
- ۱۲۰۔ عبدالرزاق بن ہمام
- ۱۲۲۔ مکتوب نمبر ۱۱۔ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام علامہ تمنا عادی
- ۱۲۳۔ مکتوب نمبر ۱۱۔ علامہ تمنا عادی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی
- ۱۲۳۔ میرا طرز عمل فی السائل
- ۱۲۳۔ میں حنفی ہوں۔
- ۱۲۳۔ گفتگو زبانِ نہیں تحریری
- ۱۲۵۔ مکتوب نمبر ۱۲۔ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام علامہ تمنا عادی
- ۱۲۵۔ درشتی
- ۱۲۸۔ صلہ
- ۱۳۳۔ اہل بدعت کی دلیل (نمبر ۲۹)
- ۱۳۷۔ مکتوب نمبر ۱۳۔ علامہ تمنا عادی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی
- ۱۳۷۔ الجواب
- ۱۳۸۔ اجتہاد شہرخص پر حسب استطاعت فرض ہے۔
- ۱۳۸۔ سیوطی سے غلط سوال (نمبر ۴)
- ۱۳۹۔ امتحان جانیین (نمبر ۵)
- ۱۳۹۔ اکابر سلف (نمبر ۶)

۱۲۰	ایک ضروری فروگزاشت	
۱۲۰	حدیث کے شرح قرآن ہونے کا صحیح مطلب	
۱۲۰	فہم قرآن حدیث پر موقوف نہیں۔	
۱۲۰	قواعد عربیہ اور حدیث میں فرق (نمبر ۸)	
۱۲۱	تلقی امت (نمبر ۸)	
۱۲۲	عبارة واقتضاء النص (نمبر ۹)	
۱۲۳	مفہوم قرآن بھی محفوظ ہے؟ (نمبر ۱۲)	
۱۲۳	حدیث عربیت میں حجت نہیں (نمبر ۱۳)	
۱۲۵	بالغ نظر نہ ہونے کا جواب ایک مثال سے (نمبر ۱۵)	
۱۲۵	ائمہ کے اتفاق سے اختلاف کی مثال (نمبر ۱۵)	
۱۲۶	محدثین کی ایک اصولی غلطی	
۱۲۸	وہ جواب جو اہل حدیث اہل فقہ کو دیتے ہیں۔	
۱۲۹	لغات اور اسماء الرجال میں فرق	
۱۲۹	اصل بحث	
۱۶۱	عقیقہ کا جواب	
۱۶۰	خطرناک محدثین	
۱۶۱	ابوداؤد اور موضوع حدیث (نمبر ۳۱)	
۱۶۵	اصولی بحث کیسے طے ہو؟ (نمبر ۳۹)	
۱۶۶	مکتوب نمبر ۱۵ مولانا ظفر احمد عثمانی بنام علامہ تمنا عیادی	۲۳
۱۶۶	مکتوب نمبر ۱۵ علامہ تمنا عیادی بنام مولانا ظفر احمد عثمانی	۲۴
۱۶۶	لکم دینکم لکھنا جائز نہیں	
۱۶۶	اختتامی اشعار	
۱۶۹	ضمیمہ	۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

یہ کوئی ستیر ۱۹۵۷ء (ذی الحج ۱۳۷۷ھ) کی بات ہے کہ ابالیان محلہ منی بازار ڈھاکہ (سابقہ مشرقی پاکستان و حال جنگہ دیش) نے علماء اسلام سے ایک سوال دریافت کیا تھا ”کیا مُردوں کی طرف سے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے) قربانی کرنا قرآن و سنت سے ثابت اور جائز ہے؟ اور یہ کہ ائمہ مجتہدین، خصوصاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں شاگردان خاص (امام ابو یوسف اور امام محمدؒ) کا اس بارے میں کیا فتویٰ تھا؟“

۱۹۵۷ء میں برصغیر کی تقسیم کے نتیجے میں ہندوستانی مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نے پاکستان کے مشرقی اور مغربی خطوں میں نقل مکانی کی۔ ان میں سرکاری ملازمین کے علاوہ تاجر، اہل حرفہ اور صاحب علم و دانش بھی شامل تھے۔ علماء کے طبقہ سے علامہ تمنا عمادی پھلواری اور مولانا ظفر احمد عثمانی ڈھاکہ چلے آئے۔ جب یہ فتوے علامہ تمنا عمادی کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے ایک طویل مکتوب میں سیر حاصل جواب مرحمت فرما دیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کو جب اس جواب فتوے کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کا جواب الجواب تحریر فرمایا۔ اور اس طرح یہ تاریخی مذاکرہ شروع ہوا۔ پندرہ خطوط پر مشتمل یہ مذاکرہ مارچ ۱۹۵۷ء کو ختم ہوا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے آخری خط کو یہ شعر لکھ کر

”گفتگو آئین درویشی نبود ورنہ بالو ما جرابا داشتیم“

ختم کر دیا۔ اور یہ کہہ کہ آپ میں اور مجھ میں اصولی اختلاف ہے۔ اس لئے میں اس

مکاتبت کو ختم کر رہا ہوں۔

اس مذاکرہ کے شائع کرنے کی نوبت نہ آتی مگر یہ حسن اتفاق ہی کہنے کے علامہ حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی نے اپنے مقالے ”عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں“ کے صفحہ ۱۹۵ پر اس مذاکرہ (مناظرہ) کی نشاندہی کر دی۔ ان کی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہمارے پاس خطوط کے انبار لگ گئے کہ اس مراسلت کو شائع کیا جائے۔ مولانا طاہر کئی کے ہم احسان مند ہیں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس خط و کتابت کا اصل مسودہ ہمیں مہیا کیا بلکہ انھوں نے اس کی ترتیب و تہذیب میں بھی بڑی مدد فرمائی اور علامہ تمنا عبادی اور مولانا ظفر احمد عثمانی سے متعلق بیشتر مواد بھی فراہم کیا۔

اس مذاکرہ کی اشاعت زیادہ سودمند نہ ہوتی اگر اس میں دے گئے قرآن و حدیث، عربی اشعار اور چاشنی کے لئے فارسی اشعار جو اس میں موقع موقع سے برجستہ استعمال کئے گئے ہیں، کا ترجمہ اور تشریح شامل نہ کی جاتی اس لئے اس کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں ان تمام عربی اور فارسی عبارتوں کے تراجم پیش کر دئے ہیں۔

مکتوبات کے متن میں جو مقامات وضاحت طلب تھے ان کی تشریح کو اسی صفحہ کے حاشیہ میں اس نشان (۶) کے ساتھ درج کر دی گئی ہے۔ البتہ جو تراجم ضمیمہ میں دئے گئے ہیں ان کے لئے متن میں یہ نشان (ھ) دیا گیا ہے اور ان کی نمبر شماری مسلسل ہے۔ یعنی ص ۱ سے ۲ تک۔ اور یہ طریقہ قاری کی سہولت کے لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ متن میں حاشیہ کے نشان و نمبر اور ضمیمہ کے نشان و نمبر میں ایک واضح استیلا نہ رہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی کے خطوط میں اکثر ”الح“ کا اشارہ آیا ہے جو ”الی آخرہ“ کا مخفف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جس عبارت کا ٹکڑہ یہاں دیا ہے اس کے بعد بھی عبارت جاری ہے اور یہ کہ ہم نے اس عبارت میں کھرف اساحصہ لیا ہے جس پر گفتگو کرنی ہے۔

اس مجموعے میں علمائے کرام کے ناموں کے ساتھ لفظ ”مولانا“ کا استعمال

کثرت سے آیا ہے۔ ہمارے نزدیک مولانا صرف اللہ ہی کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ کسی غیر اللہ کے لئے نہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اللہ مولانا فصرنا علی القوم الکافرین“ (آپ ہی ہمارے مولا ہیں کافروں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرمائیے) اس سلسلہ میں ہمارا کتابچہ ”اسلام میں حفظ مراتب“ کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں ہوگا راولپنڈی میں ہمارے ایک محسن جناب محمد امتیاز (اوران کے رفقاء) ہیں جو دین کی ہماری اس دعوت میں دے دے مدد و معاون رہتے ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا فاسد ہوگا۔ اس کتاب کی اشاعت میں ان کا تعاون بڑا حوصلہ افزا رہا ہے۔ امید ہے کہ زندہ بھی وہ اسی طرح اپنا دست تعاون دراز رکھیں گے۔

زیر نظر مذکورہ کے مباحث اور علامہ حبیب الرحمن صدیقی کا نڈھلوی کا مقالہ ”عقیدۃ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں“ کے مطالعہ کے بعد یہ بات نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ اسلام میں مروجہ ایصال ثواب کا کوئی نظریہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ قرآن کی نظر میں ثواب کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا۔

مردوں کا حق جو اللہ نے زندوں پر رکھا ہے وہ دعا و مغفرت ہے اور قرآن سے صرف یہی ثابت ہے۔ اس سے بہتر دعا مسنونہ اور ایصال ثواب کیا ہو سکتا ہے۔ جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّتِنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْشَاِنَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِتًّا فَاَحْيِهِ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِتًّا فَمَوْتُهُ عَلٰى الْاِيْمَانِ ۝

(ترجمہ) اے اللہ بخش دے ہمارے ہر زندہ کو اور ہمارے ہر مردہ کو، اور ہمارے ہر حاضر کو، ہمارے ہر غائب کو، اور ہمارے ہر چھوٹے کو اور ہمارے ہر بڑے کو، اور ہمارے ہر مرد کو اور ہماری ہر عورت کو۔ اے اللہ تو ہم میں سے جس کو زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے تو اس کو ایمان پر موت دے۔

اس دعائیں یہ بات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ بخشش اور مغفرت کا ذکر پہلے زندوں سے شروع کیا گیا ہے، جو مر گیا وہ تو اللہ کے حضور پہنچ گیا اب اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے، لیکن ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ان کے لئے بھی اللہ کے حضور مغفرت کی دعا کریں۔ علامہ تمت عبادی کی سوانح حیات تو جناب انیس الرحمن ایڈوائٹ نے مرتب کی ہے جس سے اقتباس اس مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ کی شخصیت پر چند تاثرات جو برصغیر کے نامور علماء، ادباء، شعرا اور اہل علم نے قلم بند کئے ہیں وہ بھی قارئین کی دلچسپی اور افادیت کی خاطر شامل کئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ علامہ تمت عبادی کی شخصیت کو سمجھنے میں نشان راہ کا کام دے گا۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد علامہ کراچی تشریف لے آئے تھے۔ یہیں مختصر علالت کے بعد ان کا انتقال نومبر ۱۹۷۲ء میں ہو گیا اور آپ سو سائٹی کے قبرستان میں آسودہ خواب ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

نظام الدین خاں معتمد عمومی

علامہ حبیب الرحمن صدیقی کا ندھلوی انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ہم اراکین ”الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ“ انتہائی صدمہ اور گہرے رنج و غم کے ساتھ اپنے قارئین کو مطلع کرتے ہیں کہ علامہ موسوف بہ امالہمی بروز پیر بتاریخ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۹۱ء اس جہان فانی سے رخصت ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مروجہ ایک بلند پایہ محقق، نقاد، ماہر تاریخ اسلام، مفسر قرآن اور فاضل رجال میں عمیق دست گاہ رکھتے تھے۔ آپ نے فن حدیث کو ایک نئی جہت بخشنی اور روایت میں روایت اور فاضل رجال سے تحقیق میں عظیم کارنامہ انجام دیا اس کے باوجود انھوں نے اپنی ساری زندگی بڑی عسرت و تنگ دستی میں بسر کی اور دین کے معاملہ میں اصولوں پر کبھی سبوتاہ بازی نہیں کی، بات کو حق سمجھا اس پر ٹوٹ کر مقابلہ کیا۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ ”نظر مذکورہ“ جو ایصال ثواب ہی کی ایک کڑی ہے ان کی زندگی میں ہی زیور طیانت سے آراستہ ہو جائے مگر افسوس کہ ان کی زندگی نے وفاداری کی اور اس مذکورہ کی اشاعت سے قبل ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا کرے۔ آمین ثم آمین

نظام الدین خاں معتمد عمومی

تقدیم

مولانا طاہر نکی۔ صدر المرکز القرآنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کافی عرصہ ہوا، علامہ تمتا عیادی کا ایک مضمون ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوا۔ جس میں ایصالِ ثواب کے متعلق قرآن کریم کا نقطہ نظر واضح کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں الفرقان کے مدیر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا مضمون شائع ہوا جو کتابی شکل میں سید بک انجینیئر / اے، کریم سینٹر صدر کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں مولانا نعمانی نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں جو دلائل دئے ان سے قطع نظر، ان کا یہ اعتراف حق خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ مولانا اپنے مضمون کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں :

”یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی رو سے ایصالِ ثواب کی ہرگز ہرگز وہ اہمیت ثابت نہیں جو اس کو آجکل نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں نے دے رکھی ہے، ہمیشہ کے لئے ہر چیز کا وہی مقام رہنا چاہئے جس میں عہد نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں اس کو رکھا گیا تھا۔ اب کیفیت یہ ہے کہ ”ایصالِ ثواب“ مسلمانوں کا قریباً آدھا دین بن کر رہ گیا ہے۔ دین کے سیکڑوں مہمات سے انھیں وہ دلچسپی نہیں جو بزرگوں اور عریضوں قریبوں کے ایصالِ ثواب سے ہے۔ عوام کے علاوہ بہت سے وہ بھی جو خواص سمجھے جاتے ہیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ایصالِ ثواب کے اصول ہی سے انکار کا جو رجحان زمانہ حال کے بہت سے نئے طرز کے پڑھ لکھے مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ ایصالِ ثواب کا لہ مولانا کا اشارہ غالباً سرسید مرحوم اور ان کے ہنواؤں کی طرف سے جو مرحومین کے لئے دعا کی ضرورت کے بھی قائل نہیں ہیں۔ (طاہر)

اس افراط اور غلو ہی کا رد عمل ہے۔ اس لئے زیادہ توجہ کے قابل اور زیادہ اصلاح کا محتج ایصالِ ثواب میں غلو کرنے والوں ہی کا طرز عمل ہے۔ کیونکہ انھیں کا افراط اس تفریط (انکار) کا سبب بن رہا ہے۔ (ص ۷۸)

مولانا کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو

”ایصالِ ثواب کی بنیاد پر تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی، گیارھویں، بارھویں، برسی، عرس، جمعراتی، فاتحہ وغیرہ رسوم کی شکل میں جو ایک مستقل شریعت“ اہل ہوئی وہو س نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھ تراش لی ہے ان کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان تحرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔“

علامہ تمنا عاوی مرحوم کا نقطہ نظریہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق قرآن مجید سے زیادہ قطعی و یقینی اور لائبرائی فیہ چیز مسلمانوں کے پاس کوئی نہیں ہے اور قرآن مجید نے مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا صرف ایک ہی طریقہ بتایا ہے اور وہ ہے دُعا۔ عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ میں اسی کا رواج تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس قطعی اور یقینی طریقہ پر ہی کاربند رہنا چاہئے جو قرآن مجید، سنتِ رسولؐ اور سنتِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ علامہ تمنا اپنے مراسلہ میں لکھتے ہیں:

”مولانا دعا کے علاوہ باقی ذرائع سے ایصالِ ثواب ہی کا فلسفہ ہے جس کے سہارے تمام قبر پرستیاں قائم ہیں، ضرورت اس کی ہے کہ اگر کوئی مباح چیز بھی ایسی ہو جو موصل الی الحرام (حرام تک پہنچانے والی) بن گئی ہے تو اس میں نفسہ مباح چیز کو قبیح وغیرہ (دوسرے اسباب کی بنا پر ناپسندیدہ) ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیدیا جائے۔ فقہاء کا یہ مسلمہ اصول شریعت ہے کہ مَسَدًا لِلذَّيْعَةِ (غلط راہوں کو بند کرنے کے لئے) مباح چیزوں پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔“

ہمیں امید ہے کہ دونوں طرف کے علماء کرام کی ان دردمندانہ تحریروں کو دیکھ کر

تاریخ کرام بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بقول مولانا نعمانی ایصالِ ثواب کے نام سے جو ایک مستقل شریعت قائم ہو چکی ہے اس کو متہدم کرنے کا واحد طریقہ وہی ہے جس کی طرف علامہ تمنا دعوت دے رہے ہیں کہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریقہ ایصالِ ثواب یعنی دعا مغفرت پر مضبوطی سے کاربند ہوا جائے اور باقی تمام طریقوں سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس تقدیم کے بعد زیرِ نظر مذاکرہ کے دونوں حضرات کے حالات زندگی اور ان کے متعلق دوسرے اہل علم کی آراء پیش کی جا رہی ہیں۔ پہلے مولانا ظفر احمد عثمانی اور اس کے بعد علامہ تمنا عمادی۔

علامہ تمنا عمادی کو ان کے مخالفین نے عام طور پر منکر حدیث مشہور کر رکھا ہے اس سلسلہ میں برصغیر کے ایک نہایت اہم مذہبی مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی ایک تحریر پیش کی جا رہی ہے جو ماہنامہ فارانِ کراچی میں شائع ہوئی تھی جس سے اس پروپیگنڈہ کی تردید بھی ہوگی اور ایک مخالف خیالات رکھنے والے صاحب علم کی طرف سے علامہ کی عظمت کا اعتراف بھی سامنے آجائے گا۔

علامہ تمنا عمادی کے خاندانی پیر پرستانہ ماحول اور اس وقت کے معاشرے کو دیکھتے ہوئے جہاں وہ قسم کی سہولتیں حاصل کر سکتے تھے انھوں نے صرف اپنے نظریات کی خاطر اور اللہ کو راضی رکھنے کے لئے جو قربانیاں دیں ان کی بناء پر وہ ان اشعار کا مکمل مصداق نظر آتے ہیں جو ایک عرب شاعر نے تو اپنے محبوب کے لئے لکھے تھے مگر علامہ تمنا کا محبوب۔ چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اس لئے ان کا مخاطب اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہوئے ان اشعار کو بڑھئے۔

فَلْيَتَّكِفُ مَخْلُوقًا وَالحَيَاةَ مَرِيرَةً ۖ وَلَسْتَ تَرْضَىٰ وَالْأَنَامُ غَضَابَ
 کاش تو میرے لئے شیریں ہو جائے پھر کوئی پرواہ نہیں اگر پوری زندگی تلخ گذرے اور کاش
 تو راضی رہے پھر چاہے تمام لوگ بھی ناراض ہو جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔

وَلَيْتَ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ عَاثِرٌ ۖ وَبَيْنِي وَبَيْنَ الْعَالَمِينَ خَرَابٌ
 اور کاش میرے اور تیرے درمیان جو تعلق ہے وہ یا قی رہے تو پھر کوئی پرواہ نہیں
 اگر میرے اور تمام دنیا کے تعلقات خراب رہیں۔
 اور پھر ان کے متعلق حقیقی رائے قائم کیجئے۔

طاہر الملکی

مولانا ظفر احمد عثمانی کا مقام علماء عصر کی نظر میں

(۱) — مختصر حالات زندگی —

مولانا ظفر احمد عثمانی (مرحوم) نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کی عظیم شخصیات میں سے تھے۔ وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے تھے۔ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا انتقال صغرت ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے مولانا تھانوی (ماموں) ان کو اپنے گھر لے آئے اور ان کی تعلیم و تربیت اپنی سرپرستی میں فرمائی۔ تحصیل علم کے بعد آپ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں آپ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے صدر ہو گئے۔ لیکن شیعہ ائمہ اس عہدے سے سبکدوش ہو کر مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کی سرپرستی فرمائی۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد آپ مغربی پاکستان چلے آئے اور دارالعلوم ندوۃ العالمیہ (سندھ) سے منسلک ہو گئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کی عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کے سرپرست اور تبلیغی نصاب کے مصنف مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم سرگودھا کے اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے، نیز شیخ الحدیث مولانا بدر عالم میرٹھی مؤلف ترجمان السنۃ کے استاد اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے مرشد تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان کی تائید کے لئے جمعیت علماء ہند کے مقابلے پر جمعیت علماء اسلام کا سنگ بنیاد رکھا اور آپ ہی کے اصرار پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی صدارت قبول فرمائی۔ پھر سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے رفرنڈم کے سلسلہ میں آپ نے اور سرحد کے رفرنڈم کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے جو خدمات انجام دیں وہ اس قدر اہمیت کی حامل تھیں کہ جب پاکستان وجود میں آیا تو اعتراف خدمت کے طور پر قائد اعظم محمد علی جناح نے آپ کے دست مبارک سے

مشرقی پاکستان میں (بتوسط جناب ناظم الدین وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان) اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے دست مبارک سے مغربی پاکستان میں رسم پرہم کشائی ادا کرائی

(۲) — اعلیٰ السنن پر علماء کی آراء

مولانا ظفر احمد عثمانی نے فقہ حنفی کے اصولوں پر مبنی حدیث کی ایک نہایت اہم کتاب ”اعلاء السنن“ کے نام سے بیس جلدوں پر محیط عربی میں تحریر فرمائی جسکی اہمیت کا اندازہ درج ذیل چند جید علماء کرام کے تاثرات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ خلافت عثمانیہ کے سب سے بڑے مذہبی عہدے شیخ الاسلام کے آخری وکیل علامہ زاہد الکوثریؒ جو خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد استنبول سے مصر چلے آئے تھے اس کتاب کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے اپنے مقالے میں جو الفاظ لکھے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے۔ ”اس کتاب کے مؤلف کی ذہانت و محنت دیکھ کر میں حیران و ششدر ہوں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس زمانے میں بھی کوئی شخص اس قدر غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہادرجہ کا رشک ہے۔ مردوں کی ہمت اور بہادروں کی الواعزمی اسی قسم کے عظیم فکری تسلح پیدا کرتی ہے۔“ (مقالات الکوثری مطبوعہ مصر)

۲ — شام کے عالم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ

”اعلاء السنن کی پہلی جلد حنفی اصولوں کے مطابق حدیث کے قواعد پر پہلی کتاب ہے۔ بارہ صدیوں میں کوئی حنفی اتنا بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکا۔“
موصوف نے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ایڈٹ کر کے ”قواعد علوم حدیث“ کے نام سے شائع کیا ہے۔

۳ — مولانا اشرف علی تھانوی نے ارشاد فرمایا

علماء احناف پر امام ابو حنیفہ کا بارہ سو سال سے جو قرض چلا آ رہا تھا الحمد للہ اس کتاب کی وجہ سے وہ ادا ہو گیا۔ میرا بھانجہ محمد رشید علوم دین کا سرچشمہ اور طالبانِ حق کا

پیشوا ہے۔ وہ اس دور کا امام احمد ہے۔

(سیرۃ عثمانی مرتبہ حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صفحہ ۷۷، ۷۸، ۷۹ اور ۸۰)

۴۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

جیسی عظیم شخصیت پر بھی مولانا عثمانی کی کتاب اعلاء السنن کی عظمت و اہمیت کا اتنا اثر تھا کہ انھوں نے اپنی عربی کتاب "فتح الملہم شرح مسلم" میں جا بجا اس کتاب کے حوالے اور اقتباسات پیش کئے ہیں۔ (سیرۃ عثمانی ص ۷۷)

۵۔ مولانا محمد یوسف بنوری (جامع بنوری ٹاؤن کراچی)

کے بانی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر) اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ان کے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ "اعلاء السنن کا مقدمہ اصول حدیث ایک ایسی بے مثل کتاب ہے کہ عقل حیران ہے" (سیرۃ عثمانی صفحہ ۷۷)

۳۔ علامہ ظفر احمد عثمانی کی وفات پر علماء دین کے تاثرات

۱۔ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا عثمانی مرحوم کو علوم فقہ و حدیث میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ عربی اور فارسی میں ان کی ادبی قوت بے مثال تھی۔ وہ عربی کے عظیم شاعر تھے۔ اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل محدث، مدبر اور علوم دینیہ کے جامع ترین عالم کہاں پیدا ہوں گے؟ ان کی موت تمام عالم اسلام کی موت ہے۔ (سیرت عثمانی ص ۱۵)

۲۔ مفتی محمد شفیع سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند و بانی دارالعلوم

کونرنگی۔ کراچی

حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل ہستیاں کہیں قرون میں پیدا ہوتی ہیں۔ (سیرۃ عثمانی ص ۱۲)

۳۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی

مولانا ظفر احمد عثمانی ایک عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ ان کی وفات سے تمام

عالم اسلام کے اہل علم کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ (سیرۃ عثمانی ص ۱۵۳)

۴۔ ————— مولانا احتشام الحق تمھانوی

حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے علمی اور دینی حلقے یتیم ہو گئے۔ وہ برصغیر پاک و ہند میں اسلاف کی یادگار اور ”استاذ الملک“ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے پاکستان اپنے مذہبی اور دینی، بائی و سرپرست سے محروم ہو گیا۔
(سیرۃ عثمانی ص ۱۴۹)

مُتذوالہ یار کے دوران قیام آپ بیمار ہو گئے۔ یہ سلسلہء کی بات ہے۔ بیماری نے ایسی شدت اختیار کی کہ آپ بغرض علاج و آرام اپنے بڑے صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی کے پاس کمرہء شریف لے آئے۔ یہاں ۸ دسمبر ۱۹۴۷ء بروز اتوار اپنی جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور پاپوش نگر کا قبرستان آپ کی آخری آرام گاہ ٹھہرا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور مرتبہ سے سرفراز فرمائے آمین۔

تأثرات بروفات

علامہ تمنا عمادی مجیبی

مولانا ڈاکٹر عبدالرشید عیاس ندوی، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی استاد فلسفہ
لسانیات، ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جده مشرق (موراکلیات)، رابطہ عالم اسلامی
مکہ مکرمہ۔ حال ناظم تعلیمات ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

یہ صغیر ہندو پاک کے ایک مقتدر عالم دین، وسیع النظر محقق اور اردو
فارسی کے بلند پایہ ادیب و شاعر مولانا محی الدین تمنا ۸۷ سال کی عمر میں گزشتہ ماہ
وفات پائی۔

وہ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز قصبہ پھلتواری کے رہنے والے تھے، اور ایک ایسے
علمی و دینی خاندان کے رکن تھے۔ جہاں کچھ اوپر دو سو سال سے علم و شیخت کا سلسلہ
قائم ہے، ان کو فارسی اور فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان
ندوی نے اپنے ایک مقالہ میں بہار کی باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے، اس میں
مولانا عمادی مجیبی کا تذکرہ اسی حیثیت سے کیا ہے، یہ مقالہ سید صاحب کے مجموعہ
مقالات نقوش سلیمانی میں موجود ہے۔ مولانا عمادی مجیبی بہت ہی ذہین، اعلیٰ درجہ
کے طبائع اور نکتہ سنج تھے، انھوں نے درس نظامی کی تکمیل اپنے والد اور خاندان کے دوسرے
بزرگوں مولانا حکیم علی نعمت اور مولانا محمد منظور احمد سے کی تھی، اور کچھ عرصہ تک متوسط کی
کتابوں کا درس بھی دیا تھا، ان کے والد مولانا شاہ نذیر الحق فائز ایک وسیع الاستعداد
لام خود علامہ تمنا کے ارشاد کے مطابق اور علامہ کشاگر مولانا اسد القادری کی تحریر کے مطابق
درس و تدریس کا زمانہ چودہ پندرہ سال پر محیط ہے۔ اور اس دوران ابتدائی کتابوں
سے انتہائی کتابوں تک سب کا درس دیا۔ (ظاہر)

عالم تھے۔ فارسی میں فنکار سخن کرتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ پرو فیسڈاکٹر افضل امام صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ مولانا عمادی کا ابتدائی تعارف بھی ایک شاعر کی حیثیت سے ہوا، ان کی شاعری زیادہ تر بلکہ تمام تر نعت نبوی پر مشتمل تھی، وہ فارسی اور اردو میں پرجوش اور پر کیف نعتیں کہتے تھے۔ نعتوں کے ضمن میں اصلاح و معظمت کے مضمون بھی بڑی خوبی سے نظم کرتے، ان کے شیخ طریقت اور استاد شاہ رشید الحق عمادی سجادہ نشین خالقاہ عمادیہ پٹنہ، جو ان کے آبائی رشتہ سے چچا بھی تھے۔ مولانا تمنا عمادی کو "حسان الہند" کہا کرتے تھے، چنانچہ ان کی نظموں کے ابتدائی مجموعے "حسان الہند علامہ تمنا عمادی عجیبی پھلواری" کے نام سے شائع ہوا کرتے تھے انہیں کہ ان سطور کی تحریر کے وقت ان کے اشعار کا کوئی مجموعہ نہیں ہے جو نمونہ کے طور پر پیش کیا جاسکے۔ البتہ چند متفرق اشعار جو حافظے کے گوشوں میں پراگندہ پڑنے ہوئے ہیں ان کا یہاں درج کرنا مناسب نہ ہوگا۔

حضرت جابر بن سمرہ کی ایک روایت شامل ترمذی میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مینی چادروں میں ملبوس دیکھ رہے تھے تب بھی وہ چاند کو دیکھتے اور کہتے کہ مجھ کو حضور انور چاند سے زیادہ خوبصورت نظر آ رہے تھے اس واقعہ کو مولانا تمنا عمادی نے نظم کیا تھا، اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔

رات بھر کیوں تجھے چاند میں دیکھا ہی کروں

ان کی صورت سے بہت مستی ہے صورت تیری

شاعری ان کے فن عروض میں ماہرانہ دستگاہ کا نتیجہ تھی۔ مگر پھر بھی اکثر اشعار

سلیس اور رواں ہوتے تھے مثلاً ایک نظم کا پہلا شعر ہے۔

شیوہ احباب جدا، شکوہ اغیار جدا

میرے افسانے کے ہیں دو باب، ہر اک باب جدا

یہ مصرعہ اہل مضمون نگار کے مہلک ہے کچھ نہ کچھ تاویا شاید اصل مصرعوں ہو۔ "شکوہ غریب جدا، شکوہ احباب جدا"

ان کی شاعری کا اصلی رنگ فارسی میں کھلتا تھا، ایک مشہور زمین میں ان کے یہ دو شعر سنئے۔

حاشا کہ دل از ناوک چنان گلہ دارد ؛ برباد دسر لئے کز مہماں گلہ دارد

دیوانہ بکار است چہ دادند ز دستش ؛ داماں گلہ دارد کہ گریساں گلہ دارد

مولانا تمنا عسادی کے شاگردوں کی تعداد خاصی تھی جن میں بعض بہت کامیاب

شعرا بھی رہے ہیں جیسے نجم، ارمان اور شفیق تمنائی پھلواری، ان کے علاوہ خاندان

کے اکثر و بیشتر نوجوان جن کے اندر شاعری کی امنگ پیدا ہوئی، مولانا سے ہی

رجوع کرتے تھے۔ مگر شعر و ادب سے دلچسپی جوانی ہی کی عمر میں کم ہو گئی تھی، علمی و

تحقیقی مصروفیات نے اس ذوق پر غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن شعر و ادب سے وہ

کلیتہً مستغنی نہیں ہوئے تھے، اپنے وسیع اور عالی شان مکان کا نام انھوں نے ”دارالادب“

ہی رکھا تھا جو ان کی ہجرت پاکستان کے بعد دوسروں کے قبضے میں آیا مگر اس کے

دروازوں کا کتبہ اب بھی باقی ہے۔

وہ خاندانی صوفی تھے، تصوف کی گودوں میں پلے تھے، ان کے بھراجمد (چٹی پشت

کے دادا) حضرت تلج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے اخلاف کی

دو خانقاہیں پھلواری اور پٹنہ میں موجود ہیں۔ ان کی خانقاہوں کے ”رسوم و آداب“

نہ خالص دیوبندی طرز کے ہیں نہ بریلوی انداز کے، ان دونوں کے درمیان ایک معتدل

اور متوسط انداز کی رسمیں وہاں رائج ہیں جن میں رسم سماع بھی شامل ہے۔ مولانا تمنا

عمادی ان مروجہ مراسم تصوف سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ذکر، شغل، مرقبہ، قبور سے لے کر

حال قال میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان مراسم سے دل برداشتہ ہو گئے

بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گئے۔ اس تبدیلی کا سبب خواہ کتاب و سنت کے مطالعہ کا خاص

انداز رہا ہو یا کوئی دوسرا نفسیاتی سبب اس کا تعین دشوار ہے۔ بہر حال یہ باتیں رامنہ

لہ خود علامہ تمنائے ارشاد کے مطابق (جیسا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام خط میں انھوں نے تحریر کیا ہے) تصوف

اور اس کی رسوم علامہ کے بعد کی وجہ کتابت، سیر رسول اور سیر اصحاب رسول لکھنا وغیرہ نیا نہ تھا۔

ورنہ ظاہر ہے ایک خاندانی پیر گھرانے کے فرد کے لئے صوفیانہ رسوم سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ (ملاحظہ ہو)

کے وجود سے پہلے کی ہیں۔ اس لئے ان پر رائے زنی آسان نہیں ہے کہ تصوف سے انحراف و انکار کا باعث کیا تھا۔ البتہ جو چیز ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھی اور سنی وہ یہ تھی کہ مولانا تصوف، خانقاہ اور خانقاہیت کے شدید منکر تھے۔ وہ اپنے گھر پر ہر جمعہ کو درس قرآن کا جلسہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم سے ان کو شغف تھا، عربی لغت و نحو پر ان کو عبور کامل تھا تفسیروں پر نظر تھی۔ تصوف پر جب وہ نیکر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ

سہ لذت اس بادہ ندانی بخدا تانہ جیشی

تصوف کے انکار سے ان کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنی عمر میں بار بار رائے انہیں بدلی۔ یہی ایک تیدیلی تھی جو اول و آخر ہوئی مگر اس کے نتائج بہت دور رس اور بعد میں تکلیف دہ حد تک غلو کی شکل میں نمایاں ہوئے۔ پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ وہ تحقیق میں تقلید سے آزاد ہو گئے وہ مسائل میں تحقیق کے وقت براہ راست قرآن و احادیث اور زیادہ تر قرآن کریم سے استنباط کرتے۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے پیرو بزرگوں کے اقوال ان کے لئے دیس کا درجہ نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقالات میں حوالے کبھی ثانوی مآخذ

(SECONDARY SOURCES) کے نہیں دیتے تھے۔ انکار تصوف کا دوسرا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تصوف نے "سلسلۃ الذہب" سے ان کے اندر ایک کد پیدا ہو گئی اور متاظرانہ جوش میں وہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور خاندان رسالت کے افراد پر اس طرح تنقید کرتے جس طرح شیعہ سنی مناظرہ کرنے والے بعض اہل سنت علما کرتے ہیں بلکہ ان سے بھی دو قدم آگے

یہ یہ نتیجہ تو بہت مبارک تھا اسے "تکلیف دہ حد تک غلو" کہتا بڑی زیادتی ہے۔ تحقیق حق میں اگر کوئی شخص اپنے خاندانی یا علمی اکابر یا فرقہ کی تقلید سے آزاد نہ ہو تو وہ تحقیق کر ہی نہیں سکتا۔ (ظاہر)

۳۔ علامہ متنا خود محترم مقالہ نگار کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے تھے یعنی ہندی محاورہ کے مطابق سید تھے لہذا حضرت علیؑ اور حضرت حسینؑ ان کے جد امجد تھے۔ پھر صحابی تھے اور علامہ کا مسلک تو ازاول تا آخر اسوہ صحابہ کی تعمیل تھا جسے وہ قرآنی اصطلاح میں سبیل المؤمنین کہا کرتے تھے اور اس عنوان پر انھوں نے باقاعدہ ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ لہذا اگر وہ صحابہ کرام کی اکثریت کے مقابل میں اپنے اجداد کی ایک آدھ خطا اجتہادی کا اعتراف کرتے تھے تو یہ تو ان کی حق شناسی کا بہت بڑا ثبوت ہے نہ کہ تکلیف دہ حد تک غلو کا

غالباً یہی رگ تھی جس نے ان کے قلم سے محمود عباسی کے ان خرافات کی بھی تائید کرا دی۔ جن پر تحقیق کا لیل علم پر ایک بدترین ہمت ہے جس میں کھلا دجل، عبارتوں کی قطع و برید، غلط انتساب سب کچھ ہے۔

وہ حدیث کے منکر نہیں تھے۔ یہ ان پر اتہام ہے۔ وہ نام نہاد اہل قرآن کی طرح علم حدیث سے کورے نہیں تھے۔ بلکہ رجال احادیث پر ان کا اتنا بڑا کام ہے جس کی نظر بہت سے شیخ الحدیثوں کے یہاں نہیں مل سکتی، وہ صرف یہ کہا کرتے تھے کہ حدیثیں قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتیں اور جو حدیثیں نص قرآن سے متعارض ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہو سکتیں۔ مگر ہندو پاک کے اس گروہ نے جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے، مولانا کی تحریروں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ احادیث کے متون اور رجال سند کی بحثیں جن کا جائزہ لینا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس کام کو مولانا عبادی انجام دیا کرتے تھے اس میں ان کی تائید کے پہلو مل جاتے، اُس کو اجاگر کر کے پیش کرتے، اس طبقہ کے اس طرز عمل نے مولانا کو کوئی نقصان پہنچائے۔ ایک طرف تو مدارس کے علمائے ان کو بھی

(بقیہ صفحہ ۲۴ کا شام) اگر اہل المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ حواری رسول حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی خطا اجتہادی پر زور دیتا اور اس کا پرہ پیگندہ کرتا بلکہ اسے عقیدہ بتالینا جرم نہیں ہے تو حضرت علیؓ و حضرت حسینؓ کی کسی خطا اجتہادی کا قائل ہونا جرم کیوں ہو؟ کیا اہل المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حواری رسول حضرت زبیرؓ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ کرنے والے بھی ”تکلیف دہ حد تک غلو“ کے مرتکب کہلائیں گے یا ان کے خطا اجتہادی کا تذکرہ کرنا جرم نہیں ہے؟ حضرت اگر اصول ہو تو سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ ورنہ صحابہ کرام میں سے کچھ کے لئے معیار جدا ہو، اور کچھ دوسروں کے لئے جدا معیار ہو یہ طرز عمل اصول اور عدل کے خلاف ہے اور فی الحقیقت ”تکلیف دہ حد تک غلو“ یہ طرز عمل ہے نہ کہ علامہ متاکی اصول پسندی جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ (طاہر) ملہ عمر مقالہ نگار کا یہ فیصلہ بھی انتہا پسندانہ ہے۔ عیاسی مرحوم کی یہ کتاب نہ اس قدر بری ہے جیسا کہ مقالہ نگار کا ارشاد ہے۔ نہ ایسی غیر معمولی جیسا کہ اس کتاب کے معتقدین سمجھتے ہیں۔ اگر محترم مقالہ نگار اس کتاب کو اس حد تک بدترین سمجھتے ہیں تو انھیں کسی مختصر مقالہ ہی میں ہی اس کتاب کی علمی تنقید کرنی چاہیے نہ جہ بانی انداز کے الزامات نامناسب ہیں۔

پر تیز جیسا مدعی علم سمجھ لیا اس لئے ان کی باتوں کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا اور کبھی ان کا نام بھی لیا تو اسی انداز سے جس طرح پروریز صاحب کا نام تحقیر و استخفاف کے ساتھ علمی و دینی حلقوں میں لیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ابن محمود عباسیوں، پروریوں اور اہل قرآنوں نے مولانا تمنا کی مکمل بات سامنے نہیں آنے دی۔ چند ماہ پہلے ماہ نامہ فاران میں مولانا تمنا کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اس منظومیت کا اظہار کیا تھا۔

عالم باعمل | بہر حال اپنے "موتی" کا ذکر خیر کرنا چاہئے، ان کی خاص بات جس کی شہادت ان کے انتقال کے بعد دی جاسکتی ہے اور جس کی شہادت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ وہ مخلص اور سچے مسلمان تھے، انھوں نے جو کچھ لکھا اور کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی اور ان کی تحقیق کا نتیجہ تھا، انھوں نے اپنے نظریہ کے تحت (کسی یافت کے لئے نہیں) اپنا جاجایا گھر، نیک نامی اور عزت کی زندگی، خوشحالی اور فارغ البالی کی معیشت کو چھوڑ کر — مشرقی پاکستان میں ہجرت کی، اپنے اعزہ اور خاندان کے افراد جن کی بے پناہ محبت ان کے دل میں تھی اور جن کے نارک سے نازک جذبات کا وہ احترام کرتے تھے، ان سب کی بے رخی مولیٰ، ان کے اخلاص و صداقت کا ایک نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ایسے خاندان میں کر دی جس کو بہار کی ہندوانہ معاشرت سے متاثر مسلم معاشرہ کسی اعتبار سے پست سمجھتا تھا، اور خاص طور سے "پھلواری" کے مشائخ کا خاندان جو اس کو "ناک کٹانے" کے مرادف سمجھتا تھا، وہاں انھوں نے کسی تنقید کی پروا نہ کی، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ اقدام وہی کر سکتا تھا جس کو اپنے عقائد پر اطمینان کامل ہو، یوں وعظ کہنا اور مضمون لکھ دینا آسان ہے مگر عملی اقدام وہی کر سکتے ہیں جو اولوالعزم ہوں !

ان کا دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ عمر بھر ایک تھکنے والے محنتی طالب علم رہے۔ اپنے ہوش سنبھالتے سے لے کر بستر مرگ تک جبکہ ان کو اپنی موت صاف نظر آرہی تھی علمی تحقیق و جستجو میں مصروف رہے، راقم الحروف کے پاس ان کا آخری خط نومبر کی کسی تاریخ کا ہے انتقال سے

دس پندرہ روز پہلے لکھا تھا۔ اس کی ابتداء اس طرح کی تھی کہ یہ خط اپنے بستر مرگ سے لکھ رہا ہوں، اس خط میں بھی قرآن کریم کے چند الفاظ اور ان کی تعبیر پر تحقیقات کا مفصل ذکر تھا۔ ان کے اس خط کو بڑھ کر مجھے ایک بزرگ عالم کا واقعہ یاد آیا کہ انھوں نے اپنے آخری لمحات زندگی میں کسی سے فرائض کے ایک مسئلہ کو دریافت کیا، لوگوں نے کہا یہ آپ کا آخری وقت ہے اس وقت آپ یہ معلوم کر کے کیا کریں گے انھوں نے جواب دیا کہ کسی شے سے واقف ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل رہ کر مروں !

مولانا تمت اعادای مجیبی ^{۱۳۵۷ھ} میں ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے اور ^{۱۳۹۲ھ} میں کراچی میں مسافرانہ سیکسی کی حالت میں فوت ہوئے حق تعالیٰ جل شانہ کی شان رحمت جو مغفرت کے لئے یہاں ڈھونڈتی ہے ان کو بخش دے۔ (آمین)

دیگر مقتدر اہل علم کے تاثرات

مولانا اسد القادری

گل کہوں، بلبل کہوں۔ گلشن کہوں یا باغیاں
تو سبھی کچھ ہے کہوں میں کیا تجھے اے جانِ جاں

مفسر، محدث، فقیہ، ادیب و شاعر، جامع العلوم و حید العصر، مولانا تہنمادی
مجیبی کی شخصیت اس قدر جامع الکمالات، جامع الحیثیات اور جامع الجہات ہے کہ فی الحقیقت
اپنی مثال نہیں رکھتی۔

چودہ سال تک بخاری و مسلم، بیضاوی و کشاف اور حماسہ و متنبی جیسی کتابیں
پر پڑھاتے رہے۔ میرزا ہد، ملا جلال اور صدرا وغیرہ فلسفہ و منطق کی معرکہ الاراکتوں پر
اس قدر بلند پایہ حواشی و شروح لکھیں کہ اکابر علمائے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ دیوان
امراء القیس و مقامات کی شرح لکھی، عربی صرف و نحو پر محققانہ کتاب لکھی، اردو فارسی
اور عربی گرامر پر ایسا عبور شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ علم عروض و قوافی میں امام وقت۔
تفسیر و تنقید احادیث میں وسیع النظر ماہر، قرآن مجید کے مشہور مفسر، پھر عربی فارسی
اردو شاعری میں استادانہ مہارت رکھنے والا اگر صرف ایک آدمی آپ ڈھونڈیں تو حضرت
استاد ممدوح کے سوا اور کوئی ہند و پاک کی وسیع آبادی میں آپ کو نہ ملے گا۔ شاعر کے
الفاظ میں سچ آپ نے بہرہ ہیں جو معتقد میر نہیں

مولانا جعفر شاہ پھلواروی جنہوں نے علامہ سے بہت استفادہ کیا ہے بلکہ
علامہ کے سوانح نگار جناب انیس الرحمن ایڈوکیٹ نے تو انہیں باقاعدہ مولانا کے شاگردوں
میں شمار کیا ہے، کہا کرتے تھے کہ مجھے پیر پرستی اور اکابر پرستی کی دلدل سے نکال کر سبیل المومنین
(راہ صحابہ) پر ڈالنے والے علامہ تھے۔

علامہ اقبال کی فرمائش پر جب علامہ تمتا عمادی نے انتظار
مہدی و مسیح کی روایات پر فن اسماء الرجال کی رو سے تنقید کی تو علامہ اقبال
بہت متاثر ہوئے اور مولانا عرشی امرتسری سے (جن کی وساطت سے علامہ اقبال نے
ان روایات پر تبصرے کئے علامہ تمتا سے فرمائش کی تھی) فرمایا کہ میرا خیال ہے علامہ
ابن حجر عسقلانی کے بعد سے اتنا بڑا ماہر فن اسماء الرجال کوئی عالم نہیں ہوا جیسا کہ علامہ
تمتا عمادی ہیں۔ (جس کو) عرصہ چھ سو سال کا ہوتا ہے۔

حضرت شاہ سلیمان پھلواری نے علامہ تمتا کی مہارت حدیث پر تبصرہ کرتے
ہوئے فرمایا کہ دس شیوخ حدیث یک جا کئے جائیں تو مولانا تمتا جیتے ہیں۔

علامہ تمنا عادی سے انٹرویو

از مجیب الرحمن شامی (ایڈیٹر قومی ڈائجسٹ و ہفت روزہ زندگی)

اگر یہ سچ ہے کہ مکان کی عزت اور عظمت ملکین سے ہوتی ہے تو پھر اس شہر کراچی میں ہی نہیں پورے برصغیر پاک و ہند میں معدودے چند مکان ہی "ال عمران" کی طرح باعزت اور با عظمت ہوں گے۔ بظاہر تو عمران بھی شرف آباد کا ایک خوبصورت سامکان ہے بالکل دوسرے مکانوں کی طرح۔ لیکن اس کے کمین اس ذات ستودہ صفات کے معنوی اور حقیقی جانشین ہیں جس کے انوار ذہنی اور روحانی کی بارش ایک مدت تک پورے برصغیر کو احاطہ کر رہی۔ حضرت شاہ سلیمان پھلواری ہماری ملی تاریخ کے ان نامور سپوتوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے دم سے ایک دنیا سے اندھیر دور ہوا..... اسی عمران میں آجکل ایک تراسی سالہ بزرگ علامہ تمنا عادی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ علامہ بھی پھلواری کے اس نامور خاندان کے ہی چشم و چراغ اور حضرت شاہ سلیمان پھلواری کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے چالاکام میں سکونت اختیار کی لیکن گاہے گاہے وہ کراچی تشریف لاتے رہتے ہیں۔ علامہ تمنا کے نام سے ایک دنیا واقف ہے۔ ان کے علم و فضل سے انکار ممکن ہی نہیں۔ صوبہ بہار میں انھوں نے پہلی مسلم لیگ قائم کی تھی اور اس کے بعد تو تحریک پاکستان کے لئے تن من دھن سب کچھ وقف کر دیا۔ جمعیتہ علماء ہند سے معرکے ہوئے اور متحد قومیت کے ثبت کو پاش پاش کرنے میں انھوں نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔

لہذا یہ ناکراچی میں اس مکان کا ہے جہاں مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواری کی صاحبزادی اور مولانا شاہ سلیمان پھلواری کی پوتی رہتی ہیں۔ اور جہاں علامہ تمنا عادی ڈھاکہ سے تشریف لا کر کئی ماہ قیام پذیر تھے۔ اور ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کے لئے علمی کام کر رہے تھے۔ علامہ تمنا کی وجہ سے مولانا عبد العزیز مہنتی اور دوسرے اکابر اہل علم کا یہاں ہر وقت آنا جانا رہتا تھا۔

علامہ تمنا بابائے صحافت الحلاج مولانا اکرم خاں صاحب کے پرنے رفیق ہیں۔ ان سے مولانا اکرم خاں کی دوستی

عزیر نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی باتیں

مولانا اکرم خاں نے بغفلہ عمر کے ستر سال میں قدم رکھا تو میں نے سوچا کہ چلنے علامہ تمنا کے حضور پہنچ کر کچھ مولانا اکرم خاں کی زندگی کے نشیب و فراز کے متعلق ہی گفتگو کی جائے۔ میں نے یہ تمنا مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے سامنے رکھی (جو رشتہ میں علامہ تمنا کے پوتے ہیں) تو وہ اپنے مخصوص انداز میں ”خوب بہت خوب“ کا نعرہ لگاتے مجھے مولانا تمنا ندوی کے پاس لے گئے۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے ایک ٹیکوں سے ٹیک لگائے علامہ تمنا تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ مولانا کچھ بولے جارہے تھے اور وہ نوجوان لکھتا جا رہا تھا۔ چاروں طرف عربی اور فارسی کی موٹی موٹی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ اگرچہ علامہ کی نظر بھی خاصی کمزور ہو چکی ہے اور سنتے بھی بہت ادبچا ہیں۔ اس کے باوجود تحقیق و تالیف کا مشغلہ جاری ہے۔ (اس کے بعد مولانا اکرم خاں کے متعلق علامہ تمنا سے گفتگو کی تفصیل ہے جسے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں، آخر میں شامی صاحب لکھتے ہیں:-)

۱۔ جس وقت شامی صاحب مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے ہمراہ علامہ سے انٹرویو لینے آئے تھے اس وقت علامہ اپنی ایک کتاب ”تنقید لغات القرآن“ کا مسودہ راقم کو املا کر رہے تھے۔ اس کتاب میں علامہ مرحوم نے پروریز صاحب کے اس نقطہ نظر پر سخت تنقید فرمائی ہے کہ وہ اسلامی اصطلاحات کا مفہوم بھی لغات سے متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو درست نہیں، اصطلاحات کا صحیح مفہوم وہی ہے جو تعامل کے ذریعہ عہد نبوی سے آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہی نقطہ نظر علامہ فراہی اور خود پروریز صاحب استاد مولانا اسلم جے راجپوری کا بھی ہے۔

علامہ تمنا ادیبوں کی نظر میں

علامہ تمنا مرحوم نے سر علی امام کی فرمائش پر شوق سندیلوی کی کتاب اصلاح سخن پر تنقید لکھی جو ایضاً سخن کے نام سے ڈھائی سو سے زیادہ صفحات میں کئی مرتبہ شائع ہوئی اس پر اہل نظر ادبا اور شعرا نے جو خراج عقیدت پیش کیا اس کی چند جھلکیاں دوسرے ادیشن (۱۹۶۱ء) سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

شوق سندیلوی کی اصلاح سخن تو محض ایک تفسیر تھا، لیکن مولانا تمنا عادی نے جو اپنے فضل و کمال و جامعیت علوم کے لحاظ سے اس وقت اپنا جواب نہیں رکھتے، ایضاً سخن لکھ کر اسے فن میں تبدیل کر دیا۔

یہ شوق کی غزل میں کوئی خاص بات تھی، نہ اس کی اصلاحوں میں۔ لیکن مولانا تمنا عادی نے یہ سلسلہ تشریح و تنقید سیکڑوں لغوی، لسانی، فنی نکات ایسے پیش کر دیے کہ کتاب ایک عالمانہ تصنیف بن گئی۔ سچ ہے جو بھی پارس پتھر کو چھوئے تو وہ بھی سونا بن جاتا ہے۔ ۲۶۵

۲۔ حضرت جوش ملیح آبادی

حضرت مولانا تمنا عادی کی کتاب ”ایضاً سخن“ کے سرسری مطالع سے میں جس تعجب انگیز مسرت سے دوچار ہوا، اس کی شرح نہیں کی جاسکتی۔

یہ فیصلہ کر کے میں بہت ادا اس اور بابوس تھا کہ اب شعروادب اور لسانیات کے مقامات و نکات سے یہ عصر، یک سرخالی اور بیگاہ ہو چکا ہے اور

”آں قدر بے شکست و آں ساقی نہ مانہ“

کے بعد زبان و ادب کی وادی پر اس قدر گھپ اندھیرا چھا چکا ہے کہ اس گوشے سے اب کوئی کرن پھوٹ نہیں سکے گی۔

لیکن جس وقت اس کتاب کو کہیں کہیں سے پڑھا میری آنکھیں روشن ہو گئیں
اور تہایت خوشی کے ساتھ کہنا پڑا کہ

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری تمنا ہے کہ حضرت تمنا کے سے ماہر زبان و فن، تادیر تندرست اور زندہ رہیں
اور اسی کے دوش بدوش میری یہ آرزو بھی ہے کہ وہ سجادے سے دور ہو کر پھر ایک بار
مسند ادب پر جلوہ افروز ہو جائیں اور ادب اردو کے مطلع کو دوبارہ جگمگا دیں۔

مرت سہل انھیں جانو، پھر تاپے فلک یروں

تب خاک کے پر دے سے انسان نکلے ہیں (۲۶۹)

۳۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

ایضاح سخن کا ایک نسخہ صادر ہوا۔ عزت افزائی کا شکر گزار ہوں۔

..... فن شعر آپ کو جو عبور ہے اس پر اعتقاد نہ رکھنے والا ”آپ بے بہرہ ہے“ آپ
ایسے کامل الفن اب بہت کم ملیں گے، گو یہ خرچ تحسین وہ پیش کر رہا ہے جو شاعری کے
فن میں کورا ہے۔

میرا کچھ اس طرح کا خیال ہے کہ ایضاح سخن سے آجکل کے طلبہ نہیں بلکہ ان کے
والدین اور اساتذہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ ایسے والدین اور اساتذہ رہ بھی گئے
ہوں جو فن کے غوامض سے بہرہ یاب ہوں۔ یوں تو ان دنوں والدین اور اساتذہ
سے زیادہ ارزاں متاع شاید ہی کوئی اور ہو۔

میں آپ کے بحر علمی کا جتنا قائل ہوں اتنا ہی اس پر شرمندہ اور متاسف
ہوں کہ آپ نے اس کتاب پر اتنا قیمتی وقت اور بے بہا استعداد صرف کی.....
البتہ آپ نے اس سلسلہ میں جو نکات فن، زبان اور اس کے متعلقات بیان کر دیے
ہیں وہ ہر اعتبار سے نہایت قابل قدر ہیں جس کے لئے خدمت گزارانِ شعر و
ادب آپ کے احسان مند نہیں گے۔ (مشت)

۴ ڈاکٹر عندلیب شادانی (صدر شعبہ اردو، فارسی، ڈھاکہ یونیورسٹی)
ایضاح سخن بظاہر شوقِ سندیلوی کی اصلاح سخن پر تبصرہ ہے لیکن درحقیقت
یہ دلچسپ کتاب تخلیقی ادب کا مرتبہ رکھتی ہے۔ فن و شعروادب کے کتنے ہی مسائل
اس خوبی اور شرح و بسط کے ساتھ معرضِ تحریر میں آئے ہیں کہ بے اختیار آفرین کہنے کو
جی چاہتا ہے۔

..... اصلاحِ شعر کے موضوع پر اردو میں اور بھی کئی کتابیں موجود ہیں لیکن
ایضاح سخن میں جس طرح داد سخن دی گئی ہے اس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے
ملے گی۔ (۲۶۳)

علامہ تھنا کہ ہیں اک علم کا دریا	واقف نہیں کون آپے ادنیٰ ہو کہ علی
اخلاق میں اطوار میں تقویٰ میں عمل میں	ذات ان کی نمونہ ہے بزرگانِ سلف کا
کل عمر ہی گوزین کی خدمت میں لگا دی	دنیا میں صلہ اس کا کسی سے نہیں چاہا
لکھنے بہارتِ مسائل پہ بہت کچھ	آسان نہیں جملہ تصانیف کا احصا
بھٹکانہ کسی تنگی اسبابِ معیشت	مسائل نہ ہوا غیر سے اللہ کا یہ بند
گو شاعری ہے آپ کے رتبہ سے فروتر	جاتا ہے ادھر سے بھی دہنِ فیض کو رستا

اس رنگ میں بھی اپنے حریفوں سے ہے ممتاز

استادِ گراں مایہ، گراں پایہ تمنا (۲۶۴)

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر شوکت سبزواری - (مدیر اردو لغت ترقی اردو بورڈ کراچی)

قدیم و جدید کی آویزش یوں تو قدیم زمانہ سے ہے اور ہر عہد میں جدید کو قدیم کے
مقابلے میں "لذیذ" سمجھا گیا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں جدید نے یورش کر کے قدیم کو
تہس نہس کر لے کی جو آخری کوشش کی ہے وہ اب مجھ سچل ہوتی نظر آتی ہے۔ جدید علوم
و فنون ابھر رہے ہیں۔ قدیم مٹنے جا رہے ہیں۔ جدید تنقیدی نقطہ نگاہ کی چمک قدیم
انداز فکر و نظر کو ماندر رہی ہے اور اب یہ کیفیت ہے کہ قدیم علوم کے ماہر اور قدیم فنون کے
حامل جو محققانہ انداز فکر کے ساتھ گہری تحلیلی نظر بھی رکھتے ہوں اٹال خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اور یادگار زمانہ سمجھے جاتے ہیں۔ میرے محترم بزرگ مولانا تمنا عادی حوَسَّہ اللہم منْ شَیْءَ الدُّعَاوِی اُنْھیں یادگار روزگار میں سے ہیں وہ بقیۃ السلف ہی ہیں "بقیۃ المغنمات" بھی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے۔ آمین

مولانا مدظلہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ بہت سی علمی، فنی، ادبی کتب و رسائل کے جن کا پایۂ نقد و تحقیق بہت بلند ہے، مصنف ہیں۔ ان کی لذیذ تصنیف "ایضاح سخن" اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں مولانا مدظلہ نے شوقِ سندیلوی کی کتاب اصلاح سخن کی اصلاحات پر ناقدانہ نظر ڈال کر ان کی استادانہ شرح و تنقید کی ہے۔ ہمتا بہت سے علمی و ادبی اور لغوی مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ مولانا مدظلہ نے دقت نظر اور علمی تجربے کام لے کر جس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے اس کی تحقیق و تنقید کا حق ادا کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اس کی جزا اور خیرہ الجزا عطا فرمائے۔ آمین (ص ۲۷۷)

۶۔ مفتی انتظام اللہ شہابی۔ جنرل سکرٹری پاکستان اردو اکیڈمی

ایضاح سخن ایک صاحب فضل و کمال بزرگ کا علمی و فنی محاکمہ ہے جن کی علمی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ علامہ تمنا عادی مدظلہ کی مذہبی اور ادبی تصانیف ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں۔ جناب کے علمی تجربہ کا میں عرصہ سے معترف ہوں۔ ایضاح سخن کے مطالعہ سے واضح ہوا کہ علامہ مددوح کو شاعرانہ بصیرت اور فنِ شعر کی مہارت میں بھی یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ معاصر شعراء کی اصلاح کو فن کے اعتبار سے غیر جانبدارانہ طور سے جانچا پرکھا اور ان امور کی نشان دہی کی ہے جہاں کلام ہو سکتا ہے۔

شعرو شاعری کے سلسلہ میں ایضاح سخن اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ سخن سخنوں اور سخنوروں کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ اس کتاب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ اس میں تعلیٰ اور کج بحثی نہیں ہے۔ (ص ۲۷۷)

۷۔ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی۔ سابق پروفیسر سینٹ کولمباڈ کالج بہار۔

ایضاح سخن مولانا تمنا عادی پھلواروی کی اس تصنیف کی جدید اشاعت ہے جو آج

چالیس سال پیشتر شوقِ سندیلوی کی ایک غزل پر اساتذہ عصر کی اصلاحاتِ برتنیدی تبصرہ کے طور پر لکھی گئی تھی۔۔۔۔۔ مولانا نے قریب قریب ہر علمی جولانگہ میں جولانی دکھائی ہے، وہ عروضی و نحو کی بھی ہیں۔ ایک نغز گو شاعر بھی اور محققِ علوم و فنون بھی مگر اب ان کی منزل ادبیات سے بلند تر ہے اور وہ دینیات کے مردِ میداں ہیں۔ بالخصوص علم الرجال میں ان کی نظیر ہند و پاکستان میں نظر نہیں آتی۔ ان کا تفنن طبع اور تنوع ذوق مولانا شبلی مرحوم کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اللہ امت کو ان کی تحقیقات سے مستفیض رکھنے کے لئے انھیں تادیر بخیر و عافیت سلامت رکھے۔ (۲۶۴)

علامہ تناکا کی سوانح میں ہے کہ پھلواری کی ابتدائی تعلیم میں سید سلیمان ندوی اور علامہ تناکا ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں، اس کے بعد سید سلیمان توندو لکھنؤ چلے آئے اور علامہ نے دینی تعلیم کی تکمیل تو پھلواری ہی میں کی لیکن شاعری میں وہ علامہ شبلی سے مستفید ہوئے۔ اس طرح وہ اپنے تفنن طبع اور تنوع ذوق کے اعتبار سے تو علامہ شبلی کا پر تو کمال ہیں ہی، شعر و سخن میں باقاعدہ علامہ شبلی کے شاگرد ہیں۔ (طاہر)

علامہ تمثا کی تصانیف اور ان کے شاگرد

جناب انیس الرحمن ایڈوکیٹ ہائی کورٹ کی مرتب کردہ علامہ تمثا کی

سوانح جامع العلوم سے مستفاد

کتاب جامع العلوم کے مطابق علامہ تمثا عمادی مرحوم کی کتابوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ کتابیں یا مضامین جو مطبوعہ ہیں اور کسی کتب فروش کے ہاں یا کسی لائبریری میں

انھیں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) جو مطبوعہ ہیں مگر نایاب ہیں۔

(۳) جو غیر مطبوعہ ہیں۔

نمبر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) جمع القرآن | اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاغذ اور چمڑوں پر کتابی

شکل میں لکھا جا چکا تھا، اس کے برخلاف جن روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم

صدیق اکبر کے زمانہ میں یا حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں جمع کیا گیا، وہ سب گھڑی

ہوئی ہیں اور ان سب کا منبع حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری ہیں جو مسلک

شیعہ تھے۔

اسی کتاب میں "استوانۃ المصحف" والا مضمون بھی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مسجود نبوی کا

وہ ستون جس کے پاس عام مسلمانوں کے نقل کرنے کے لئے سرکاری مصحف نبوی

رکھا رہتا تھا، عہد نبوی ہی میں "مصحف والا ستون" کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔

اسی کتاب میں ایک مقالہ اس پر بھی ہے کہ "قرآن کریم روایات کے آئینہ میں"

کس طرح پیش کیا گیا ہے۔ اب یہ کتاب اس ادارہ نے شائع کر دی ہے۔

(۲) **اعجاز القرآن و اختلاف قراءات** | اس کتاب میں قرآن کریم کا سب سے بڑا اور عام فہم اعجاز اس کے محفوظ ہونے کو بتایا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ تاریخ مصحف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قصہ زید و زینب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مجاہد حدیث کے تحت مثلہ معنہ پر تنقید ہے۔ مسند احمد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مخاذنفیر کے تحت آیۃ تلبیز آیۃ ولایت، سورہ تحریم و ایلاء النبی روایت افک اور جاوود کی روایات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مخاذ قراءات کے تحت قرابہ کے حالات اور نقطوں کی ایجاد پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی اسی ادارے نے دوبارہ شائع کر دی ہے۔

(۳) **حدیث کے مدون اول ابن شہاب زہری** | اس کتاب میں ان دونوں حضرات کی سوانح اور ان کے ایسے تاریخ و تفسیر کے مدون اول بن جریر طبری کا رناموں کا تعارف کرایا گیا ہے جو انکشاف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بھی اسی ادارے سے شائع ہو چکی ہے۔

(۴) **انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت** | اس کتاب میں علامہ تمنا نے علامہ اقبال کی فرمائش پر مہدی و مسیح کی روایات پر تنقید کی ہے اور انھیں قرآن کی روشنی میں پرکھا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی ادارے سے دوبارہ شائع ہو چکی ہے۔

(۵) **ایصال ثواب** | یہ چھوٹا سا کتابچہ ہے جس میں مردہ ایصال ثواب پر تنقید کی گئی ہے۔ (اسے الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی نے شائع کر دیا ہے۔)

(۶) **ایصال ثواب (مذاکرہ)** | اس کتاب میں علامہ تمنا اور مولانا طفر احمد عثمانی کے درمیان ایصال ثواب کے جواز و عدم جواز پر جو تحریری مباحثہ ہوا تھا اس کی تفصیل ہے۔ (یہ کتاب حاضر ہے۔)

(۸) القصیدۃ الزہراء

یہ کتاب کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں عبد عثمانؓ و علیؓ اور معاویہؓ کے متنازعہ تاریخی معاملات پر قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں نظر ڈالی گئی ہے۔ شروع میں طویل نثری دیباچہ ہے جس میں جنگ جمل و صفین و کربلا پر نہایت اعتدال و توازن کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب جناب محمود احمد صاحب اپنے مکتبہ محمود سے شائع کی ہے۔ یہ ایک بہتر اور نظم و حصوں میں اہل ادارہ نے شائع کر دی ہے۔

(۹) القصیدۃ العظمیٰ | یہ قصیدہ زہراؓ کی تلخیص ہے جسے مشہور شاعر جناب عبدالعزیز خالد صاحب کے لئے لکھا گیا تھا۔

(۹) سبیل المؤمنین

اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت وہی ہے جس پر صحابہ کرامؓ عمل پیرا رہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے تعامل صحابہؓ (سبیل المؤمنین) کو تحجت قرار دیا ہے۔ اور اس راہ سے جدا رہنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ یہ کتاب بھی دوبارہ اس ادارہ سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۰) اختلاف امت | اس میں بتایا گیا ہے کہ اصول و عقائد میں اختلاف امت کے لئے رحمت نہیں ہے بلکہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اور اختلاف رحمت ہے یا رحمت امتی رحمت والی روایت گھڑی ہوئی اور جعلی ہے۔ یہ کتاب بھی عباسی

صاحب نے اپنے مکتبہ سے شائع کی تھی۔ اب اس ادارے نے دوبارہ شائع کر دی ہے۔

دوسری قسم کی کتابیں | علامہ تناکا وہ کتابیں جو اگرچہ کبھی طبع ہوئی تھیں مگر اب نایاب ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱۱) مثنوی کتاب و سنت

جس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا باہمی تعلق واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم اصل ہے سب سے پہلے اس پر توجہ ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اس کی شرح (سنت رسول و صحابہؓ) پر نظر ڈالنی چاہئے۔ سنت کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی قرآن کریم ہے۔ نہ کہ اس کے برعکس قرآن کو پرکھنے کا معیار سنت ہو۔ قرآن کریم سنت پر قاضی و حاکم ہے نہ کہ حدیث و قرآن پر قاضی و حاکم ہو۔ جیسا کہ بہت سے گستاخ روایت پرست کہتے ہیں۔ وغیرہ ایک

اشعار پر مشتمل فارسی مثنوی ہے۔

(۱۲) **مثنوی مذہب و عقل** | اس میں مذہب و عقل کی جنگ کی تفصیل اور اس کا قطعی فیصلہ دکھایا گیا ہے۔ چار سو فارسی اشعار کی

یہ مثنوی کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف نے شائع کی تھی۔

(۱۳) **مثنوی معاش و معاد** | اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی اتنی ہی قطعی و یقینی ہے جتنا دو پہر کے وقت روشن

آفتاب۔ بغیر عقائد صحیحہ، عبادات، صادقہ اور اعمال صالحہ کے نجات آخرت غیر ممکن ہے۔ تنازع و غیرہ پر بھی مکمل بحث ہے۔ یہ آٹھ سو فارسی اشعار کی مثنوی بھی کتب خانہ اشرفیہ نے شائع کی تھی۔

(۱۴) **محکم و متشابہ** | قرآنی ارشاد محکمات و متشابہات کی توضیح کی گئی ہے اور عرفان نفس و عرفان رب یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ

عَرَفَ رَبَّهُ کی مغالطہ آمیز تشریحوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ کتب خانہ اشرفیہ نے شائع ہوئی۔

(۱۵) **ہدایت و اضلال** | یعنی بھلائی من یشاء اور بُھلائی من یشاء کی نہایت مفصل اور واضح تشریح۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ

(۱۶) **اصول خمسہ** | وہ پانچ اسلامی اصول جن سے فرقہ پرور علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ ناشر کتب خانہ اشرفیہ۔

(۱۷) **الدین الیقین** | اسلام کے بنیادی اصولوں کا تعارف۔

شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۱۸) **جہالت کفرہ** | دنیا کے بنانے والے (اللہ) اور یوم الحساب (آخرت) کا انکار کرنے والے دہریوں کا جہل مرکب (نہ جاننے کے باوجود

بمہ دانی کا دعویٰ) شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۱۹) **حقیقت التقویٰ** | تقویٰ نام ہے خلوص کا۔ اور بغیر خلوص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۰) حقیقت الصوم | خلوص پیدا کرنے اور ریاکاری ختم کرنے کی سالانہ کوشش روزہ ہے۔ مگر شیطان کے غلاموں نے اسے بھی ریاکاری کا

ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس لئے اس سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کیا کیا شرطیں ہیں۔ ان کی تفصیل۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ۔ پھلواری شریف۔

(۲۱) جوہر الصرف | فن صرف کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف

(۲۲) روح النحو | نحو کے بنیادی اور ضروری قواعد پر مشتمل ایک نئے انداز کی کتاب۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف۔

(۲۳) جوہر الادب | قرآن کریم اور صحیح احادیث کے جملوں پر مشتمل عربی ریڈر۔ شائع کردہ کتب خانہ اشرفیہ پھلواری شریف۔

(۲۴) ایضاح سخن | اردو ادب پر ایک نہایت بلند پایہ تنقیدی کتاب جس کا دوسرا ایڈیشن نواب گنج ڈھاکہ سے شائع ہوا۔

(۲۵) افعال مرکبہ | اردو گرامر کی کسی کتاب میں بھی افعال مرکبہ پر اس قدر سیر حاصل بحث نہیں ملے گی جتنی ۷-۱۰ صفحات کی اس

کتاب میں ہے۔ اس میں افعال مرکبہ کے علاوہ افعال متصلہ اور افعال کی ضرب کبیرہ صرف صغیر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے مکتبہ سوسائٹی مسلم لیگ کو اٹریز ناظم آباد کراچی نے شائع کیا ہے۔

(۲۶) الطلاق مرتان | تقریباً دو سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کے طریقہ طلاق پر صرفی، نحوی، لغوی، ادبی اور فقہی

ہر اعتبار سے بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نواب گنج ڈھاکہ ۷ سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتبہ دوست ایجوکیشن لایون نے شائع کر دی ہے۔

(۲۷) نماز پنجگانہ اور قرآن کریم | پنجگانہ کی تائید میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۲۸) دُرّ ثمن | ملک سین لونڈی اور غلاموں کے متعلق قرآنی ارشادات کی تشریح مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔

(۲۹) تحفہ اہل بہا کی کتاب، مکتبہ البیان امرتسر نے شائع کی۔
بہائیوں کے سوالات کے جوابات پر مشتمل تقریباً دو سو صفحات

(۳۰) انسان اور اسلام عنوانات پر اسلامی احکامات کا مجموعہ۔
تخلیق انسانی اور حیات انسانی کے مختلف

(۳۱) حضرت خدیجہ الکبریٰ اور صلۃ اللہ علیہ وسلم چالیس نہیں اٹھائیں
حضرت عائشہ صدیقہ

سال تھی۔ حضرت خدیجہ کی درقہ والی روایت
کی حقیقت۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر بوقت نکاح از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت
افک اور روایت ایلاہ و تحریم کی حقیقت۔ کراچی سے شائع ہوئی۔

(۳۲) بنات النبی یہ کتابچہ خاتون پاکستان کراچی کے
رسول نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳۳) وصیت و وراثت دار القرآن نسبت روڈ لاہور سے شائع
ہوئی۔ اس میں لا وصیتہ لوارث والی روایت

پر تنقید کی گئی ہے۔

(۳۴) مختلف مقالات و مضامین جو ہندو پاکستان کے مختلف
رسائل میں شائع ہوئے۔

تیسری قسم کی کتابیں جو غیر مطبوعہ ہیں اور ان کا تذکرہ
علامہ تمنا کے مختلف مضامین میں آیا ہے۔

(۳۵) الکلالہ جس میں قرآن مجید کی آیت کلالہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۳۶) البدعہ بدعت کیا ہے اور کیا نہیں، اس پر شران و سنت کی
روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

(۳۷) القول الصواب فی ایصال الثواب مولانا محمد منظور نحانی اور بعض دوسرے
اہل علم کے جواب میں ایصال ثواب

کتاب و سنت، تعامل صحابہ اور ائمہ اربعہ کے ارشادات کی روشنی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔
(۳۸) حدیث کساء | آیہ تطہیر کا قرآنی مفہوم یگاڑنے کے لئے گھڑی گئی روایت کسا
 (آل عبا کا تحقیقی تجزیہ)۔

(۳۹) رواۃ صوفیہ | اسما، الرجال کی کتابوں میں جن صوفی راویوں کا تذکرہ
 ہے ان کی تفصیل۔

(۴۰) رواۃ شیعہ | صحاح ستہ کی کتابوں میں جو جو راوی شیعہ ہیں ان کا
 تذکرہ۔

(۴۱) تنقید لغات القرآن | پرویز صاحب کی مرتب کردہ لغات القرآن کے
 مختلف مقامات کی تنقید۔

علامہ تمنا کے سوانح نگار جناب انیس الرحمن ایڈوکیٹ نے اپنی کتاب ”جامع العلوم کے صفحہ ہم پر علامہ
 بی دواور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ردیف ہر ایک رسالہ کا اور قوائی ہر ایک رسالہ کا۔
 اور ڈک ۳ پر علامہ کے صاحبزادے مولوی امام الدین فائق کی کتاب ”بحر العروص“ کا تذکرہ
 کیا ہے جو ظاہر ہے علامہ کے افادات پر مشتمل ہے۔ سوانح نگار کا کہنا ہے کہ ”یہ کتاب مکمل
 محفوظ ہے جس نے عروص جدید کی بنیاد رکھ دی ہے“

ص ۲۲ ہی پر علامہ کی ایک اور کتاب ”عرفان نفس و عرفان ادب“ کا تذکرہ کیا
 گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ سوانح نگار کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ علامہ نے عرفان نفس و عرفان ادب
 کا جملہ اپنی کتاب محکم و متشابہ کے تعارف کے طور پر اس کے شروع میں لکھا ہے۔ یا ممکن
 ہے سوانح نگار کی معلومات کے مطابق یہ کوئی مستقل علیحدہ کتاب ہو۔

قلمی مسودات | قلمی کتب کے یہ مسودات یا تو علامہ کے چھوٹے صاحبزادے کے
 ہاں چالگام میں ہوں گے جہاں علامہ رہائش پذیر تھے،

یا پھر علامہ کے داماد کے ہاں ہوں گے جو مشرقی پاکستان سے ہجرت کر کے کراچی آ گئے
 تھے اور علامہ کا انتقال انھیں کے گھر میں ہوا۔ یا کچھ مسودات وہ ہیں جو علامہ نے
 لاہوری بلاغ القرآن والے اہل قرآن حضرات کے دلائل کے جواب میں لکھے تھے۔

اور مولانا جعفر شاہ پھلواری مرحوم کے پاس تھے جو انھوں نے اپنے ایک شاگرد قاضی کفایت اللہ صاحب کے سپرد کر دیئے تھے جیسا کہ ایک ملاقات میں قاضی صاحب نے مفتی طاہر صاحب کو بتایا تھا، قاضی صاحب کا پتہ یہ ہے۔ ادارہ ندائے فرقان ۱۲۔ عالمگیر اسٹریٹ، اسلامیہ پارک لاہور ۲۵

شیعہ اور صوفی رواد کے متعلق علامہ کے مسودات کے متعلق سنا ہے کہ وہ جناب محمود احمد عباسی صاحب کے پاس تھے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ مسودات اور خود مرحوم عباسی کے حضرت علیؑ کی سوانح اور بیخ البیان وغیرہ کے متعلق کئی مسودات بالکل غائب ہیں کہا جاتا ہے کہ کوئی رضوی صاحب سنی کے روپ میں اس قدر آگے بڑھے کہ عباسی صاحب کے انتقال کے فوراً بعد محمود اکیڈمی بنا کر اس کے صدر بن گئے اور مرحوم کی جس قدر علمی وراثت تھی وہ سب غائب کر دی، حتیٰ کہ عباسی مرحوم کے واحد جسمانی وارث ان کے نواسے کے پاس بھی اب کوئی مسودہ نہیں رہا (یاد رہے کہ عباسی مرحوم کا کوئی لڑکا نہیں تھا، صرف صاحبزادی تھیں، ان سے مرحوم کے نواسے عباسی صاحب کے وارث ہوئے۔ انشاء اللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ تمنا کے شاگرد | شاعری میں تو علامہ تمنا کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے! بیضاح سخن کے آخر میں بھی علامہ کے شاگرد کئی شاعروں کے قطعات موجود ہیں جن میں وہ اپنے نام کے ساتھ تمنائی لکھتے ہیں۔

اہل علم میں جو حضرات علامہ کے سوانح نگار نے ان کے شاگرد کی حیثیت گنوائے ہیں وہ یہ ہیں۔ مولانا اسد القادری (۱۹۵۹) مولانا جعفر شاہ پھلواری (۱۹۷۹) مولانا جعفر شاہ کے بھائی مولانا غلام حسنین پھلواری (۱۹۷۹) سر فخر الدین وزیر تعلیم صوبہ بہار (جنگی عربی تعلیم کے لئے علامہ نے صرف دو نحو کی کتابیں مرتب کی تھیں) جناب عبدالعزیز پیرٹر ڈاکٹر عندلیب شادانی۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، اور بہت سے اہل علم مثلاً مولانا افتخار احمد بلخی جو کراچی یونیورسٹی میں لکچرار تھے اپنی کتاب ”انکار حدیث کا پس منظر و پیش منظر“ کی تیسری جلد میں علامہ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ میں پھلواری شریف

میں علامہ کا شاگرد درہ چکا ہوں۔ اسی طرح مفتی طاہر صاحب کے سامنے علامہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دکن کے نواب بہادر یار جنگ صاحب نے علامہ کو کئی ماہ اپنے ہاں بیت الامت میں ٹھہرا کر قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کروائے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ایک خلیفہ جو صوبہ بہار کے تھے اور اسی حوالہ سے ”صحیح بہاری“ کے نام سے ایک کتاب کے مؤلف بھی ہیں جس میں بریلوی معتقدات کی تائید پر مبنی احادیث جمع کی گئی ہیں، علامہ کے ابتدائی دور کے طلبہ میں سے تھے۔ ان کے علاوہ بھی معلوم نہیں کتنے حضرات نے علامہ کے پندرہ سالہ دور تدریس میں ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کی تفصیلات معلوم نہیں اس لئے ہم اس عنوان کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَبِهِ نَسْتَعِينُ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ يَا سَيِّدَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَعَلَىٰ آلِهِ
وَتَلْبِيَةُ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَعَلَىٰ خَيْرِ مَتَابِعِهِ أَجْمَعِينَ ۝

علمائے اسلام سے سوال

مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا
قرآن و سنت سے ثابت اور جائز ہے یا نہیں؟ اور ائمہ مجتہدین، خصوصاً امام ابوحنیفہ اور ان
کے دونوں خاص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اس بارے میں کیا فتویٰ تھا؟
السائلین

مسلمانان محلہ منشی بازار ڈھاکہ

الجواب مستعیناً بملہم الحق والصواب

اختصار اور سہولت کے خیال سے نمبر وار جواب لکھا جاتا ہے۔

۱۔ قربانی کی حقیقت قرآن سے اسی قدر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ
اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو وہ فوج کر رہے ہیں۔ انہوں نے اسکو اللہ کا حکم سمجھ کر بیٹے کو
اپنے خواب اور جو سمجھے تھے اس سے مطلع کیا۔ لائقِ فرزند نے کہا کہ آپ کو جو حکم ہے اس کو
شوق سے بجا لائیے مجھ کو آپ ثابت قدم پائیں گے۔ باپ نے جب بیٹے کو ذبح کر ہی دینا چاہا

تو ہر مردگار کی پکار آئی کہ اے ابراہیمؑ! اوسے تم نے ایک خواب کو سچا کر دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمعیلؑ کی جان کا فدیہ ایک پر عظمت رزق قائم کر دینے والے ذبیحے سے دیدیا یعنی حضرت اسمعیلؑ کے بدلے ایک دنبہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ سے ذبح کرادیا۔ تو قربانی دراصل جان کا فدیہ ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے **وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ** یعنی ہم نے اس فدیہ کے طریقے کو بعد والوں میں باقی چھوڑا۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمعیلؑ علیہما السلام کی اولاد کو اس اسمعیلی فدیہ کی سالانہ یادگار میں قربانی کرتے رہنے کا حکم دیا گیا اسی لئے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ جو بنی اسمعیل تھے ان سب میں اس کا رواج رہا۔ مسلمانوں کو بھی اس کا حکم ہوا۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں نے بلوچہا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا تھا تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہیں۔

۲۔ حدیث کا ترجمہ ابھی ہم لکھ چکے ہیں اور قرآن میں نے بھی یہ بتایا کہ یہ قربانیاں انسانی جانوں کا فدیہ ہیں حیوانی جان سے۔ سنت ابراہیمؑ اسی قدر ہے۔ اس لئے جو مرجھا اس کی جان کا فدیہ کیا ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ایک زندہ بیٹے کی طرف سے ان کے فدیہ میں قربانی کی تھی ، اس لئے زندوں ہی کی طرف سے قربانی سنت ابراہیمؑ ہوگی نہ کہ کسی مُردے کی طرف سے۔ بلکہ مُردے کی طرف سے قربانی ایک فعل عیث ہے اور سنت ابراہیمؑ کے خلاف ہوگی۔

۳۔ قربانی ایک فریضہ ہے دوسرے فرائض کی طرح اور ہر فریضہ زندوں ہی پر ہے لیکن مُردے پر کوئی فریضہ نہیں۔ اس لئے بھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی ایک بھل سا کام ہے اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

۴۔ قربانی چونکہ ایک انسانی جان کا فدیہ ہے حیوانی جان سے۔ اس لئے جس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کی جان پر اگر بیماری وغیرہ کی کوئی مصیبت یا بلا آنے والی ہو یا اس کو کوئی جانی خطرہ پیش آئیو الا ہو تو اسی قربانی کی وجہ سے وہ مصیبت وہ بلا رد ہو سکتی اور وہ خطرہ جو اس کی جان پر رہ آئیو الا ہو مٹ سکتا ہے۔ جو شخص مر گیا، جس کی جان اس کے بدن سے نکل چکی، اس کی جان کو اب کوئی خطرہ ہے جو قربانی سے ٹل سکتا ہے۔ آخرت کے عذاب سے کوئی بھی فدیہ دے کر نہیں بچ سکتا اور نہ بچایا جاسکتا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک کو اتنی ہی کیا خطرہ ہو سکتا ہے جس کے قدموں کے صدقے میں کروڑوں انسان آخرت کے خطرے سے نجات پائیں گے جو مجرم ہیں

اُن کے لئے تو قرآن میں صاف انکار ہے کہ اگر
— ہمدی زمین کی وسعت بھر کوئی سونا خیرات کر کے بھی اپنا فدیہ ادا کرے تو عذاب سے نہیں

بچ سکتا۔ یا کوئی دوسرا اس کی طرف سے صدقہ ادا کر دے تب بھی نہیں بچ سکتا۔ (۳۱)

۵۔ یہاں تک تو عقل یعنی دینی فرست اور شرعی روایت کے ماتحت آپ نے اپنے سوال کا جواب پایا کہ مُردوں کی طرف سے قربانی کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب خالص دینی حیثیت سے بھی جواب سُن لیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدینؓ نے صحابہ کرامؓ میں سے کسی معروف و مشہور صحابیؓ نے جسے کہ ائمہ مجتہدینؒ نے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے کسی نے بھی مستند و معتمد علیہ لوگوں میں سے کبھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی نہیں کی (مگر سب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جو کتب مذہب میں موجود ہے اس کے بعد عمل کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ واجب تو نہیں ہے) اور نہ اس کا حکم دھروں کو کیا نہ اس کی ترغیب دی، اور نہ اس کو جائز قرار دیا۔ اس لئے یہ یقیناً بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۶۔ دے کہ ایک حدیث کوفے کے شیعوں کی گھڑی ہوئی، اس کے جواز میں پیش کی جاتی ہے۔ جو ترمذی میں یوں ہے حدثنا محمد بن عبید السحاربی الکوفی ثنا شریک عن ابی الحسناء عن المحکم عن حفش۔ عن علیؓ انہ کان یضعی بکبشین احدھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاخر عن نفسه۔ فقلالے امر فیہ بم یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا أدعہ ابداً هذا حدیث غریب لا تعرفہ الامن حدیث شریک۔ و قدر حفش بعض اہل العلم ان یضعی عن المیت ولم یروہم انہ یضعی عنہ۔ یعنی امام ابو یوسفؒ ترمذی کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن عبید السحاربی الکوفی نے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے کہا شریک (ابن عبد اللہ الکوفی) نے ابوالحسناء (الکوفی) نے یہ عبارت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نے اصل فتویٰ میں بنا کر اپنی طرف سے حاشیہ میں لکھ دی تھی۔ کا تعلق غلطی سے اس کو متن میں داخل کر دیا۔ (من)

سے انہوں نے حکم (بن عقیبہ الکوفی) سے انہوں نے حنث (بن المعتز) بن سبیعہ یا ابن ربیعہ بن المعتز الکوفی سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ وہ قربانی دیا کرتے تھے دو مینڈھوں کی ۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک اپنی عرف سے قرآن سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو

انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس کا حکم دیا ہے ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ اس لئے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا ۔ امام ترمذی حدیث لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے (یعنی صرف ایک ہی شخص اس کو روایت کر رہا ہے) ہم لوگ اس حدیث کو صرف شریک (بن عبد اللہ الکوفی) کی حدیث کی

یثیت سے جانتے ہیں اور اسی (حدیث کی وجہ سے) بعض اہل علم نے مُردے کی طرف سے قربانی کی اجازت دی ہے ۔ اور بعض اہل علم مُردے کی طرف سے قربانی کو جائز نہیں سمجھتے ”لحم یر“ افعال قلوب سے ہے ۔ ان یضی عنہ اس کا ایک مفعول ہے اور جائز آیا صحیح اس کا مفعول دوم مخدوف ہے) ۔ (ترمذی جلد اول کتاب الاضاحی باب الاضحیہ بکشین ص ۱۸) ۔

یہی حدیث انہی راویوں سے ابوداؤد اپنے شیخ عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کرتے ہیں مگر ابوداؤد میں یوں ہے ۔ باب الاضحیۃ عن المیت ۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبہ قال ناشریک عن ابی الحسناء عن المحکم عن حنث ۔ قالہ رایت علیاً رضی اللہ عنہ ینہی بکشین ۔ فقلت لہ ما ہذا ؟ فقالہ انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصافہ انہ اضحی عنہ ۔ یعنی یہ باب ہے مُردے کی طرف سے قربانی کے بیان میں ۔ ہم سے حدیث بیان کی عثمان بن ابی شیبہ نے ۔ کہا کہ ہم سے کہا شریک نے ابوالحسناء سے ، انہوں نے حکم سے انہوں نے حنث سے کہ حنث نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قربانی کر رہے تھے دو مینڈھوں کی ۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو

اسے اس سے تربتہ چنتا ہے کہ اس وقت کے لوگ حضرت علیؑ کو ایسا کرنے سے منع کر رہے تھے

اس لئے انہوں نے فرمایا کہ ”میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا“ ۔

عثمان بن ابی شیبہ اور محمد بن عبدالحامد بن ابی اسحاق نے قصہ طوالت کے خوف سے نہیں لکھ دیا ان

دونوں کا حال بھی قابلِ توجہ ہے

وصیت کی ہے کہ میرا ان کے طرف سے قربانی کیا کروں (سنن ابی داؤد معمر بن العجود ببلد ثالث)۔
 ۴۔ یہ حدیث خاص کرنے کی ٹکڑی میں ڈھالی گئی۔ اس کے تمام راوی کوئی ہیں۔ محمد بن عبید
 الحمادی، جو ترمذی کے شیخ ہیں وہ بھی کوئی، اور عثمان بن ابی شیبہ جو ابو داؤد کے
 شیخ ہیں۔ وہ بھی کوئی ہیں۔ پھر شریک بن عبداللہ کوئی، ابو الحسناء کوئی، حکم بن عتبہ
 کوئی اور حنش بن المعتمر کوئی۔ حنش کے باپ کا نام ربیعہ اور ربیعہ کے باپ کا نام معتمر
 تھا۔ اس لئے ان کو کوئی حنش بن معتمر کہہ دیتا ہے کوئی حنش بن ربیعہ۔ علی بن المدینی
 نے دھوکا کھایا کہ وہ حنش بن ربیعہ اور حنش بن معتمر کو دو شخص قرار دے گئے۔ مگر
 وہ جو دو شخص لکھ گئے تو دونوں کو کوئی ہی لکھا۔

ان میں شریک، ابو الحسناء، حکم اور حنش یہ چاروں کے چاروں شیعہ تھے۔ مگر
 حکم کو محدثین ثقہ اور حجت لکھتے ہیں۔ اور ان کو ہلکا پھلکا شیعہ قرار دیتے ہیں۔ مگر
 شریک کے بارے میں امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جو تحریر فرماتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے۔
 تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۴۵ میں لکھتے ہیں۔ کان ینسب الی التشیع المنفرد
 یعنی کٹر شیعہ تھے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ما ترک عن القصد خالصة المذهب سنی
 الحفظ یعنی مراعتدال سے لھسکے ہوئے شیعہ مذہب میں غلو رکھنے والے بدحافظ تھے۔ اور
 ص ۳۴۵ میں لکھا ہے کہ ”شہر واسط میں انہوں نے باطل حدیثیں بیان کی ہیں“ ابن معین^۱

یحییٰ ابن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی ان سے حدیث نہیں روایت کرتے تھے اور متعدد محدثین
 کے نام لکھے ہیں جنہوں نے ان کو ضعیف لکھا ہے۔ آخر ترجمہ میں ان کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے
 جو بالکل بے اصل تھی۔ ابن حجر کی ہی تحریر سے ان کی تدلیس کا بھی پتہ ملتا ہے (دیکھیے
 تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۵۵ ترجمہ عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی یونس) غالباً ان کے انہی حالات
 کی بناء پر ترمذی ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس حدیث کا ذمہ دار انہیں کو قرار دیا ہے

۱۔ ابن معین نے پہلے ان سے کچھ حدیثیں سنی تھیں اور ان کی روایت کر رہے تھے۔ مگر جب ان کا حال معلوم ہوا تو پھر ان کی
 حدیثوں کی روایت ترک کر دی۔ منہ انزلہ۔

اور اس کو حدیث شریک لکھا ہے۔ امام ذہبی نے بھی لسان المیزان میں بضمن ترجمہ ابوالحسناء لکھا ہے کہ حدیث عنہ شریک لا یعرف لہ عن الحکم بنہ عتیبہ یعنی ابوالحسناء سے شریک نے ایک حدیث بیان کی ہے جو نہیں پہچانی جاتی حکم بن عتیبہ سے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس حدیث کو امام ذہبی نے بھی شریک ہی کی کارستانی قرار دی ہے جو بعید از عقل نہیں۔ مگر میرے نزدیک اس حدیث کا گھڑنے والا ابوالحسناء ہی ہے۔ کیونکہ شریک کٹر شیعہ ہے۔ مگر کسی نے ان کو کذاب و دضار لکھا نہیں ہے اگرچہ کسی ثقہ سے ثقہ شیعہ راوی حدیث سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنے مذہب کے موافق ایک جھوٹی حدیث بنا کر روایت کر دے۔ مگر یہاں زیادہ قرینہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوالحسناء ہی کا یہ فعل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی والی اس ایک حدیث کے سوا اور کوئی دوسری حدیث ابوالحسناء سے اہل سنت کی کسی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اور شیعوں کی کتب رجال میں ان کے نام کے ساتھ ”ممدوح“ وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ علامہ مصطفیٰ بن الحسین التفریسی شیعہ اپنی کتاب نقد الرجال میں حسین بن الحسن الکوفی ابوالحسناء لکھ کر ”ممدوح“ تحریر فرماتے ہیں۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ من وجہ اصحابنا فکنہ لہ سیر و آلا قلیلا۔ مات فی حدود سنة مائتہ و خمسين۔ (نقد الرجال ص ۱۵) یعنی یہ ہمارے ممتاز لوگوں میں تھے۔ لیکن انہوں نے روایت حدیث بہت کم کی۔ ۱۵۰ھ کے حدود میں مرے۔ اس لئے اس حدیث کے گھڑنے کا سہرا یقیناً انہیں کے سر ہے۔ ورنہ پھر شریک ہی غریب تو اس سلسلے میں شیعہ نہیں ہے۔ خود حکم بن عتیبہ بھی شیعہ ہیں ہلکے چھلکے ہی تھے۔ اگر یہ ثقہ اور ہلکے چھلکے شیعہ ہیں تو ان کے شیخ حنظل صاحب شریک سے کس بات میں کم ہیں۔ دیکھیے امام ذہبی اور حافظ ابن حجر ان کو کیا لکھتے ہیں۔ امام ذہبی میزان جلد اول ص ۲۹۱ میں حنظل بن المعتز الکفانی الکوفی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ صرف حضرت علی، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کرتے تھے۔ ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں ان کی حدیث ہے مگر خود امام نسائی نے ان کو لیس بالقوی لکھا ہے

یعنی یہ حدیث میں قوت نہیں رکھتے۔ ابن حبان نے انہیں لایحجج بہ لکھا ہے یعنی ان کی سند نہیں لی جائے گی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ کان کثیر الوہم فی الاخبار لا یفرد عن علیؑ باشیاء لا تشبہ حدیث الثقات حتی صار ممن لا یحتج حدیثہ یعنی ”یہ بہت اودام میں مبتلا تھے حدیثوں ہی کے بارے میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی چیزیں تنہا بھی پیش کرتے تھے جو ثقہ لوگوں کی حدیثوں سے مشابہت نہیں رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں میں داخل ہو گئے جن کی حدیثوں سے سند نہیں لی جاتی“۔ بزاز نے کہا کہ ”ان سے سماک بن حرب نے ایک منکر حدیث روایت کی تھی“۔ ابو احمد حاکم نے کہا کہ یہ یعنی حنن متین آدمی نہیں ہیں۔ عقیلی، ساجی، ابن الجارود اور ابو العرب الصقلی نے ان کو ضعیف میں داخل کیا ہے۔ ابن حزم نے مختاری میں ان کو نظروں سے گرا ہوا، اور کنارے ڈال دیا ہوا قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۷۵ و ۳۷۶) اور یہ سب باتیں بیہیم امام ذہبی نے میزان اعتدال جلد اول ص ۲۹۱ میں بھی لکھی ہیں۔ اور دونوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو حاکم نے کہا کہ ”صلاحیت والے میں مگر ہم محدثین کو نہیں دیکھتے کہ ان کی سند لیتے ہوں“ امام بخاری نے بھی کہا کہ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ کم ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے ان کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عقیلیؑ ہی سے (یہ حدیث بھی انہیں کی من گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے سوا کوئی بھی اس کو روایت نہیں کرتا) طوالت کے ڈر سے اس کو یہاں نقل نہیں کرتا ہوں میزان الاعتدال جلد اول ص ۲۹۱ دیکھ لیجئے۔ اور پھر اس حدیث کے بعد اس قربانی والی حدیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس لئے اگر ابو الحسن نے اس کو نہیں گھڑا ہے تو یقیناً حنن ہی نے گھڑا ہے۔

اہل سنت آئمہ رجال نے حنن کو کوئی بھی لکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا وصی ثابت کرنے کے لئے جو حدیث انہوں نے بنائی اور روایت کی اور بھی بعض حدیثیں حضرت علیؑ ہی کے متعلق ایسی جو صرف انہیں کی زبان سے سنی گئیں ان کا ذکر بھی ان کے ناقابل سند ہونے کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا، اور خود ان کو بھی ناقابل سند قرار دیا، مگر کھل کر کسی نے بھی ان کو شیعہ نہیں لکھا۔ مگر علامہ تفرسی نقد الرجال ص ۵۵ میں، اور علامہ حلی خلاصہ الاقوال ص ۳۲ میں دو دو شیعہ ان کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ کان من اصحابنا وروی حدیث العام۔

یعنی یہ تھے ہماری جماعت شیعہ میں سے مگر حدیث یہ اہل سنت کی روایت کیا کرتے تھے۔ صلی و تفرسی نے یہ غلط لکھا کہ اہل سنت کی حدیث روایت کیا کرتے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ شیعوں کی حدیثیں یا شیعوں کے موافق حدیثیں بنانا کرسیتوں میں روایت کیا کرتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے اور اس حدیث سے جس کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اول ص ۲۹ میں ان سے نقل کیا ہے۔ - پوری طرح ثابت ہے۔

در نہ سمجھنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالِ ہجرت کے ماہ ربیع الاول میں وفات پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی کرتے رہے کی وصیت فرمائی تھی تو یقیناً سالِ ہجرت کے ذوالحجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت کے مطابق قربانی کی ہوگی اور پھر پچیس برس سے زیادہ ہی آپ ہر سال مدینے میں قربانی دیتے رہے ہوں گے مگر مدینے میں کسی نے حضرت علیؑ سے نہیں پوچھا کہ یہ ایک مینڈھا فضل آپ کس کی طرف سے قربانی دے رہے ہیں؟ اور کسی شخص کو بھی وہاں اس کا علم نہ ہوا اور نہ مدینے کا رہنے والا کوئی شخص تو اس حدیث کو روایت کرتا تقریباً ۳۶ھ میں جب حضرت علیؑ کو فتنے میں آئے اور یہاں آپؑ نے قربانی کی تو یہاں بھی حش کے سوا اور کسی نے آپؑ سے نہ پوچھا، نہ کسی کو اس کا علم ہوا کہ آپ پچیس پچیس برس سے بلکہ اس کے بعد تک یعنی ۳۹ھ تک ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت قربانی کرتے رہے۔ تمام صحابہ و تابعین میں سے اس راز سر بستہ کا علم صرف حش کو اور حش ہی کے ذریعے صرف حکم بن عتیبہ کو اور حکم بن عتیبہ کے ذریعے صرف ابو الحسناد جیسے بھول آدمی کو ملی جس نے اس حدیث کے سوا کبھی کوئی دوسری حدیث روایت ہی نہیں کی، اور اس بھول الحال شخص سے صرف شریک بن عبد اللہ کو ملی۔ ان شریک صاحب سے محمد بن عبید اللہ الحارثی الکوفی نے سنی ادران سے ابو عیسیٰ الترمذی نے یا عثمان بن شیبہ الکوفی نے سنی حنہ سے ابو داؤد کو ملی۔ اور ترمذی و ابو داؤد نے اس راز سر بستہ کو جو صرف کوفے کے بعض شیعوں ہی کو، تمام شیعوں کو بھی نہیں، بلکہ ہر دور میں صرف ایک ایک ہی آدمی کو معلوم رہا۔ چوتھی پشت کے بعد پانچویں پشت میں ایک ایک کا سلسلہ ٹوٹ کر ایک سے دو ہوا تھا کہ ان دونوں جامعین احادیث نے اس راز سر بستہ کو طشت انہام کر دیا۔

ہاں اس کا سہا دل و جانم نہفتہ داشت
چشم دو قطر و بخت و طشت زبام کو د

افسوس کہ متاخرین علماء حدیث نے اس پر غور نہیں کیا کہ جامعین احادیث کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں لکھ لینا اس کی دلیل نہیں کہ وہ اس حدیث کو صحیح اور حجت و سند بھی سمجھتے تھے۔ وہ کہتے راویوں کے بارے میں خود کہتے اور لکھتے آئے کہ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ یعنی اس کی حدیث لکھ لی جائے گی مگر سند و حجت نہیں سمجھی جائے گی۔ اور آپ نے تو دیکھا کہ اس حدیث کے راویوں میں تین راوی ایسے ہیں جو لا یمتج بہ ہیں یعنی جو سند و حجت سمجھ جانے کے قابل نہیں پھر کس طرح ایک ایسی حدیث کو جو صرف کوئی شیعوں کی من گھڑت ہے، سند سمجھنے لگے اور اس کی بنیاد پر بعض لوگوں نے مردے کی طرف سے قربانی کو جائز قرار دے دیا؟ جیسا کہ ترمذی نے لکھا کہ بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں یقیناً یہ وہی اہل علم ہیں جو بہ عات کے لئے جیلے اور بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ اگر انہوں نے شیعوں کی اس من گھڑت حدیث کو صحیح ہی سمجھ لیا تھا تو یہ کیوں نہیں سمجھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؑ کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے دوسرے کو اس پر عمل کرنے کا اور کسی دوسرے مردے کی طرف سے قربانی کرنے کا کسی طرح بھی حق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آخر وقت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو نہ اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کی، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور نہ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے کبھی کسی مردے کی طرف سے قربانی کی اور نہ اپنے بعد کے لئے اپنے وراثت کو قربانی کی وصیت کی۔ حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید کے دن دو مینڈھے ذبح کرتے تھے ایک اپنی طرف سے اور اپنے لوگوں کی طرف سے ادبایک اپنی امت کی طرف سے اور کبھی ایک ہی مینڈھ سے سب کو شریک فرماتے تھے جیسا کہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے تو بعض بدعت پسند علماء نے اس سے یہ مطلب نکالا کہ آپ کی امت جس نے توحید اور آپ کی رسالت کا اقرار کیا ان میں کہتے اس ذبح کرنے کے دن سے پہلے دنیا سے گزر چکے تھے، اس لئے آپ نے زندہ، مردے سب کی طرف سے قربانی کی۔

جو لوگ اہل علم ہیں وہ تقابلِ عدل و مکہ کے مفہوم سے واقف ہیں۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جب قربانی انسانی جان کا فدیہ ہے حیوانی جان سے، تو یہ اس کی طرف سے ہو سکتی ہے جس کی جان اس کے جسم خاک میں موجود ہے۔ ہر مرچا اس کی جان تو اس کے جسم سے نکلی چکی اس لئے اب اس کی جان کا فدیہ کسی حیوانی جان سے کیا دیا جائے گا۔ اس لئے مردوں کی طرف سے قربانی ایک لایعنی سی

بات ہے ۔

پھر بعض روایتوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ عَمَّنْ لَمْ يَضَحْ مِنْ أُمَّتِي یعنی اس کی طرف سے ہے جو میری امت میں سے قربانی نہ کر سکا۔ یعنی تنگدستی و غربت کی وجہ سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانوں کا فدیہ نہ دے سکا۔ حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ غریبوں تنگدستوں کی جانوں کا فدیہ نہ ادا ہو۔ اس لئے آپ نے ایسا کیا۔ آج بھی اگر کوئی صاحبِ توفیق ایسے کُل مسلمانوں کی طرف سے قربانی کر دے جو اپنی تنگدستی کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو یہ اتباعِ سنت ہو گا مگر اہل بدعت کو تو اتباعِ سنت سے زیادہ اختراعِ بدعت کی دھن رہتی ہے۔ اس لئے جو سنت تھی اس کو چھوڑ کر مردوں کی طرف سے زبردستی قربانی ثابت کر کے قرآنی کرنے لگے

۹۔ اگر واقعی آپ نے ذندہ مُردہ سب کی طرف سے قربانی کی تھی، اور اس سے مُردوں کی طرف سے قربانی کا جواز نکلتا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو ضرور سمجھتے۔ اور وہ لوگ اپنے مسلمان مُردوں کی طرف سے خصوصاً جو غزوات میں شہید ہوئے تھے ان کی طرف سے ضرور قربانی کرتے۔ اور اس کا دستور صحابہؓ کے وقت میں ضرور قائم ہو جاتا۔ اپنے مُردوں سے محبت صحابہؓ کو اس سے کم نہ تھی جتنی کہ بعد والوں کو دیا آج کل کے لوگوں کو اپنے مُردوں سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ صحابہؓ کو اپنے مُردوں کو نفع یا ثواب پہنچانے کی کوئی فکر نہ ہو اور صرف بعد والوں ہی کو اس کی فکر ہو۔ جو طرح طرح کے طریقے مُردوں کو نفع پہنچانے کے لئے اپنے طور سے یا دوسری قوموں کو دیکھ کر اختیار کریں، اور جو طریقہ مُردوں کو نفع پہنچانے کا قرآن و سنت میں موجود ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عملِ راستہ میں رہا ان طریقوں سے ان کا جی نہ بھرے اور ان کو کافی نہ سمجھیں۔ یہ تو درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر بے اعتمادی ظاہر کرنا ہے۔

سنتِ رسولؐ صحابہؓ کیا ہے ؟

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات کا ایک ہی صحیح راستہ بتایا ہے جس کو فرمایا کہ مَا أَمَّا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي یعنی جس راستے پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ اس لئے کسی کام کو جائز یا ناجائز ثابت کرنا کوئی مشکل نہیں۔ شیعہ، اسماعیلی، بوہری اور بقیے باطل مذہب والے مسلمانوں میں ہیں سب اپنے اپنے دعوے کو قرآن و حدیث ہی سے ثابت کر رہے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ”مولوی تو ایک انڈے

کو دو اندازے ثابت کر دیتا ہے۔ اس لئے ثابت ہی کی فکر نہ کیجئے۔ بس صرف اسی کو دیکھئے کہ اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمازوں میں عام طور سے سب لوگ کرتے تھے یا نہیں۔ ہمیں اتباع قرآن اور اتباع سنت کے لئے کہا گیا ہے۔ اور یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ”ہر حدیث سنت نہیں ہے۔“ حدیث تو ہر اس بات کو کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہو۔ جو سچی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی بھی۔ کیونکہ جھوٹی حدیثیں بنانے والے بھی ہزاروں تھے جو سچی حدیث ہو وہ منسوخ بھی ہو سکتی ہے۔ کسی کو وقتی طور سے یا شخصی مصلحت کی بناء پر یا کسی خاص موقع و محل پر بھی ہو سکتا ہے کہ کہی گئی ہو آپ کا کوئی فعل آپ کے لئے مخصوص بھی ہو سکتا ہے۔ روایتوں میں بہت سی باتوں کی تصریح نہیں ہوتی۔ ہر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے الفاظ میں نہیں بیان کی گئی۔ راوی کے بیان میں الٹ پھیر اور رد و بدل کا بھی امکان ہے اسی لئے ہم کو اتباع حدیث کا حکم نہیں کیا گیا بلکہ اتباع سنت کا حکم کیا گیا ہے۔ ”سنت“ نام ہے اُس تعامل کا اُس عمل درآمد کا، اس دستور کا جس کو دینی حیثیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جماعتی حیثیت سے اختیار کیا تھا۔ جس کا دار و مدار قرآن مجید اور تعلیم نبویؐ پر تھا۔ ان تصریحات کی بناء پر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دین کی ہر بات میں صرف یہ دریافت کریں کہ اس بات کے بارے میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل درآمد کیا تھا۔ اگر کسی بات میں صحابہؓ کا باہمی اختلاف معلوم ہو تو جس بات پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہو اور قرآنی تعلیم سے جو زیادہ قریب ہو بس اُسی کو اختیار کریں۔ اور بعد والوں کی طرف صرف اہل علم ہی کا کام ہے کہ اپنی تحقیق کے لئے دیکھیں کہ کون کیا کہتا ہے۔ عام مسلمانوں کو بعد والوں کے جھگڑوں میں پڑنا مناسب نہیں۔ ہر ایسی بات جس میں جائز و ناجائز کا جھگڑا ہو، اس کو ناجائز ہی سمجھ کر ترک کرنا بہتر ہے کہ اگر جائز تھا اور ہم نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ عند اللہ اگر وہ کام ناجائز تھا اور میں نے نہ کیا تو جب مجھ کو منع کیا جا رہا تھا کہ نہ کرو تو یقینی ہے کہ کر لینے پر قیامت میں باز پرس ہو گی۔

و السلام علی من اتبع سبیلہ السلام و اللہ الموفق العلامہ بمعانی قلوب الافاضہ

حررہ بقلمہ تمنا العادی الجبلی الفلوری المہاجر کان للہ رب القوی القادر

(۱) از ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ بمقام ڈھاکہ

۲۔ جواب الجواب واللہ الموفق للمحق والصواب

حضرت مجیب کے طول طویل جواب کا حاصل یہ ہے کہ میت کی طرف سے جواز قربانی کا دلیل صرف ترمذی کی وہ حدیث ہے جو بواسطہ شریک ابوالحسناء، حکم، حنثی کے حضرت علی رضی عنہ سے مروی ہے حالانکہ حقیقت یہ نہیں بلکہ اس کی اصل دلیل وہ احادیث ہیں جو میت کی طرف سے صدقہ خیرات کرنے اور اس کو ثواب پہنچانے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ حدیثیں صحیح ہیں۔ بخاری مسلم میں بھی موجود ہیں مہربا حدیث سعد بن تصدق عن امہاء و قدمات بمخلاف و فی روایتہ انہ حکم بخرأ و تصدق بہا عن امہ۔ صدقہ بزرگہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں تو علماء کا اختلاف ہے مثلاً کوئی نماز پڑھ کر یا تلاوت قرآن کر کے مردہ کو بخشے تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اُس کا ثواب مردہ کو نہ پہنچے گا مگر جہود کے نزدیک یہ بھی پہنچتا ہے لیکن صدقہ مالیک کا ثواب تو سب علماء کے نزدیک میت کو پہنچتا ہے اس میں سوائے معتزلہ وغیرہ کے جو اہل سنت سے خارج ہیں کسی جماعت اہل حق کا اختلاف نہیں اب دیکھنا چاہیے کہ قربانی صرف فدیہ جان ہے یا اس میں کچھ ثواب بھی ہے؟ تو جس حدیث سے قربانی کا سنت ابراہیمؑ سوا معلوم ہوا ہے جب کہ مجیب بھی تسلیم کرتے ہیں اوس میں یہ بھی مذکور ہے۔

قالوا فمالنا فیہا یا رسول اللہ۔ یا رسول اللہ! قربانی میں ہم کو کیا سے گا؟ قال بكل مشعدۃ حسنہ الخ۔ فرمایا ہر مال کے عوض ایک نیکی (کا ثواب ملے گا) جب قربانی میں ثواب ہے تو یہ صدقہ مالیک میں داخل ہے اور صدقہ مالیک میت کی طرف سے بالاتفاق جائز ہے۔ اگر کوئی میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے یا حج کر دے یقیناً درست ہے اسی طرح اس کی طرف سے قربانی کر دینا بھی درست ہونا چاہیے۔ اگر ملاحظہ اس کا ثبوت حدیث میں نہ ملتا جب بھی وہ احادیث جن میں میت کی طرف سے صدقہ مالیک کا جواز ثابت ہے اس کے جواز کے لئے کافی تھیں۔ چر جائیکہ حضرت علیؑ کی حدیث سے ملاحظہ بھی اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے رواقہ سب کرتی ہیں تو مدارے کوئی تو مجروح نہیں نہ سب شیعہ ہیں۔ در نہ یحییٰ بن یعیس، مسعر بن کدام، ابو بکر بن ابی شیبہ، امام ابو حنیفہ اور اعمش اور بعض بن غیث وغیرہ جملہ اہل کوفہ مجروح ہو جائیں گے پھر جب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا زیادہ حصہ کوفہ میں گزارا ہے تو ان کے فتاویٰ اور قضایا کو کوفہ والے ہی روایت کریں گے تو یہ جرح لغو ہے۔ رہا یہ کہ ان راویوں کو بعض نے مہتمم یا شیعہ کہا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام جرح کے بعد محدثین کا فیصلہ کیا ہے؟ کیونکہ سیارہ راوی کون ہے جس پر کسی نے جرح نہیں کیا اگر ہر اس شخص کو جس پر کسی نے جرح کی ہو چھوڑ دیا جائے تو بڑے سے بڑا امام بھی جرح سے سالم نہ ملے گا کیا امام ابو حنیفہ، امام بخاری پر لوگوں نے جرح نہیں کی؟ امام شافعی پر جرح نہیں کی گئی؟ تو کیا ان کی روایت کو چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح یہاں بھی محض کسی کی جرح کی بناء پر روایت کو ترک کر دینا درست نہیں بلکہ محدثین کے طرز عمل کو دیکھنا ہوگا تو ظاہر ہے کہ شریک کی روایات بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔ ابوالحسنہ کی روایات ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں موجود ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایت پر سکوت کیا ہے اور ان کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ حکم سے محمد اصحاب صحیح نے روایت کی ہے۔ حشش کی روایات کو بھی جملہ اصحاب سنن روایت کرتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایات کو لیا ہے اور صحیح کہا ہے کسی راوی کو شیعہ کا اپنی کتابوں میں اچھا کہنا اس کے برے ہونے کی دلیل نہیں وہ تو ابودرد، مقداد اور سلمان فارسی کو بھی شیعہ میں شمار کرتے اور ان کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں حضور کی طرف سے قربانی کیوں نہ کی؟ تو یہ اسی روایت سے کیونکر معلوم ہوا؟ ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں بھی کی ہو مگر وہاں کسی نے اس فعل پر شبہ نہ کیا کوفہ والوں نے شبہ کیا تو جواب دے دیا، پس میت کی طرف سے قربانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اس کو وہ ثواب پہنچاتا ہے جو قربانی پر اس کو ملتا ہے، اور طاعات مالیہ کا ثواب میت کو پہنچانا باتفاق علماء درست ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طہر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ

طہر احمد عثمانی بقلم خود ۱۱ صفر ۱۳۷۱ھ

(یعنی ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ کو لکھا گیا۔ مگر مولانا طہر احمد صاحب ہی کے پاس رکھا رہا۔ جب محلہ بنسی بازدار کے لوگوں نے باریاد ان سے مانگا تو آخر ۱۱ صفر ۱۳۷۱ھ کو انہوں نے نظر ثانی کے بعد ان لوگوں کو دیا۔ وہ لوگ میرے پاس ۱۶ صفر ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۵ نومبر ۱۹۵۱ء کو لے کر آئے۔ تنہا غفر لہ۔)

جواب جواب الجواب

(امولانا عبدالواحد الخیر)

مردوں کی طرف سے قربانی کے بارے میں کسی سائل نے حسب ذیل سوال بعض علماء کے سامنے پیش کیا۔ سائر مردوں کی طرف سے قربانی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا قرآن و سنت سے ثابت یا جائز ہے یا نہیں؟ اور آخر مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں خاص شاگرد امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کدس کے بارے میں کیا فتوے ہیں؟

واضح رہے کہ سائل کے مطالب کے مطابق جواب آیات قرآنی سے، سنت یعنی تعامل عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین وغیرہ سے دینا ہر مجیب کا فرض ہے۔ آخر میں حنفیوں کے تینوں اماموں میں سے کسی کا بھی فتویٰ طلب کیا گیا ہے۔

قرآن سب سے پہلے اس کا جواب مولانا تمنا صاحب دہلوی پھلواردی بہاجر مقیم ڈھاکہ نے دیا۔ انہوں نے قرآن سے اس کو ثابت کیا کہ قربانی حقیقت میں جس کی طرف سے کی جاتی ہے دنیا میں اس کی جان کا فدیہ ہو جاتی ہے۔ یعنی دنیاوی بلائیں اس سے مٹ جاتی ہیں۔ اس لئے زندہ ہی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے۔ مرنے کے بعد کوئی فدیہ دے کر عذاب سے نہیں بچایا جاسکتا۔ اس لئے کسی مردے کی طرف سے فدیہ نہیں دیا جاسکتا۔

قرآن و حدیث قرآن و حدیث دونوں سے مولانا تمنا صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ قربانی سنت ابراہیمی ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے زندہ کی طرف سے قربانی کی تھی، مذکورہ کی طرف سے اس لئے مردہ کی طرف سے قربانی سنت ابراہیمی کے بھی خلاف ہے۔

سنت سنت نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے۔ ماضی کے دینی دستور اور دینی عمل درآمد کا۔ مولانا تمنا صاحب نے یہ بھی بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی کسی مردے کی طرف سے قربانی کی ذرا پی ڈی سے اپنے بعد قربانی کرنے کی وصیت اپنے وارثوں کو کی۔ ایک حدیث جو کونے کے شیعوں کی من گھڑت ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں ہے اس کی تنقید کر کے ثابت کر دیا کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور شیعوں کی

گھڑی ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے فتوؤں کا مولانا تمنا صاحب نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ تو ان کا پرانا اصول ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن و سنت کی روشنی صاف طور سے پڑی ہے اس مسئلہ کے متعلق کسی امام کا فتویٰ پوچھنا بہت بڑی گستاخی ہے اور قرآن و سنت پر پورا اعتماد نہ رکھنے کی دلیل ہے۔ دوسری وجہ شاید یہ بھی ہو کہ کسی امام نے بھی (چاروں اماموں میں سے یا صاحبین میں سے) مُردوں کی طرف سے قربانی کرنے کے حوالہ کا فتویٰ نہیں دیا ہے بعد والوں نے اسی شیعوں کی من گھڑت حدیث کی بنیاد پر، یا خلاف اصول قیاس کر کے اس کو جائز نکھ دیا ہے۔ اور اس طرح قرآن و سنت دونوں کی مخالفت کی ہے۔ اس بحث میں کیوں سائل کے دماغ کو الجھایا جائے۔ کیا قرآن و سنت کی ہدایت سائل کے لئے کافی نہیں ہے؟ جس کو قرآن و سنت پر اعتماد نہیں ہے۔ اس سے مولانا تمنا نے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور اسی الجھاؤ سے بچنے کے لئے غالباً یہ بھی نہیں لکھا کہ امام ابو حنیفہ و صاحبین میں سے کسی نے بھی مُردے کی طرف سے قربانی کے حوالہ کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔

حدیث سے غلط استدلال | یہ جو بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور اپنی ساری اُمت کی طرف سے قربانی فرمائی تھی۔ اس سے بعض متاخرین نے نتیجہ نکالا ہے کہ آپ کی اُمت میں تو زندہ اور مُردہ سب کے سب تھے تو جب آپ نے ساری اُمت کی طرف سے قربانی کی تو مُردوں کی طرف سے بھی قربانی کی۔ اس لئے آپ کے فعل سے مُردوں کی طرف سے قربانی کا ثبوت نکل آیا۔ مولانا تمنا صاحب نے اسی استدلال کو غلط اور خلاف اصول ثابت کر کے نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ دوسری روایتوں میں تصریح موجود ہے کہ ^{فصل}مومن کو یفیع من امتی اور ظاہر ہے کہ مراد یہی ہے کہ جو زندہ ہے اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ قربانی ضرور کرتا مگر ناداری کی وجہ سے جو قربانی نہیں کر سکا اس کی طرف سے آپ نے قربانی کر کے اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا تاکہ وہ بے چارے بھی دنیاوی بلاؤں سے اسی طرح بچ جائیں جس طرح قربانی کرنے والے بچیں۔ مُردے نہ قربانی کر سکتے ہیں نہ ان کا ذیہ دیا جاسکتا ہے اس لئے آپ نے مُردوں کی طرف سے کبھی قربانی نہیں دی نہ آپ کے وقت میں کسی صحابی نے کسی مُردے کی طرف سے قربانی کی نہ آپ کے بعد۔ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا تو آپ کے بعد تو یقیناً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم خلفائے راشدین

مذہب مسلمانوں کی طرف سے نہیں تو اپنے عزیز مسلمان مُردوں کی طرف سے قربانی کرتے۔

مولانا تمنا صاحب کا پورا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت مدلل ہے اور ترمذی اور ابو داؤد والی حدیث کی تنقید کر کے بھی انہوں نے ثابت کر دیا کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور شیعوں کا افتراء ہے۔

جواب الجواب

مولانا تمنا صاحب کے جواب کا جواب مولانا ظفر احمد صاحب صدر و مدرس مدرسہ عالیہ دہاکہ نے تحریر فرمایا ہے اور میت کی طرف سے قربانی کرنے کو انہوں نے جائز قرار دیا۔ لیکن قرآن سے اس کے جائز ہونے کا کوئی ثبوت دیا۔ نہ مولانا تمنا صاحب کے قرآنی استدلالوں کی کسی قسم کی تردید فرمائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے نزدیک بھی میت کی طرف سے قربانی قرآن سے نہیں ثابت ہوسکتی۔ علامہ تمنا صاحب نے جو قرآن سے میت کی طرف سے قربانی کو ناجائز ثابت کیا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اسکا کوئی جواب نہیں دیا۔

سنت | سنت سے بھی مولانا تمنا صاحب نے میت کی طرف سے قربانی کو ناجائز یعنی بدعت ثابت کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے اسکا بھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب کے نزدیک متاخرین کے لکھے ہوئے حواجز کے فتوے کافی ہیں۔ اس کے لئے متقدمین کے قول و فعل کی جستجو کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ و صاحبین | سائل نے ان تینوں بزرگوں یا ان میں سے دو یا ایک کا فتوے طلب کیا تھا مگر دسٹے ناکا کی مولانا ظفر احمد صاحب نے باوجود حنفیت میں کافی استقامت رکھنے کے ان بزرگوں میں سے کسی کا کوئی فتوے میت کی طرف سے قربانی کے حواجز کے بارے میں پیش نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ دوسرے مجتہدین امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل میں سے بھی کسی کا فتوے پیش نہیں کیا۔

غرض | میت کی طرف سے قربانی کا حواجز سائل قرآن، سنت اور ائمہ احناف کے فتووں سے پچھتا ہے مگر مولانا ظفر احمد صاحب نہ اس کو قرآن سے جائز ثابت کرتے ہیں نہ سنت سے اور نہ ائمہ احناف کے

فتوؤں سے۔ اور مولانا تمنا صاحب نے ہر طریقے سے اس کو ناجائز ثابت کر دیا۔ پھر بھی مولانا ظفر احمد صاحب
مولانا تمنا صاحب کا جواب تحریر ہی فرما رہے ہیں۔

جناب مولانا ظفر احمد صاحب کا استدلال

مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "میت کی طرف سے بوجہ قربانی کی دلیل صرف ترمذی کی وہ
حدیث ہی نہیں ہے جو بواسطہ شریک د ابوالخاء و حکم و خشن و حضرت علیؑ سے مروی ہے بلکہ اسی
کی اصلے دلیلے وہ احادیث ہیں جو میت کی طرف سے صدقہ وغیرات کرنے اور اس کو ثواب پہنچانے
پر دلالت کرتی ہیں۔" لے

حالانکہ میت کی طرف سے صدقہ وغیرات کرنے کے بوجہ کے ثبوت میں جو حدیثیں لوگ پیش کرتے ہیں۔ ان میں
ایک حدیث میں بھی میت کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت کا ذکر نہیں ہے اور نہ مولانا ظفر احمد صاحب یا کوئی دوسرے
دور ان ایسی کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں جن میں میت کی طرف سے قربانی کی اجازت ہو۔

قیاس سے | مولانا ظفر احمد صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرا صدقہ وغیرات کسی میت کی طرف سے
کرتے ہیں اور اس کا ثواب میت کو ملنے کی امید رکھتے ہیں اسی طرح میت کی طرف سے قربانی کر کے بھی ہم یہ
امید رکھتے ہیں کہ میت کو اس کا ثواب ضرور ملے گا۔ مولانا ظفر احمد فرماتے ہیں کہ جو حدیث مولانا تمنا صاحب نے
پیش کی ہے سنۃ ابیہک ابراہیم و الخ، اس کے بعد بالکل شاعرانہ حسنۃ بھی ہے چنانچہ
مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں "جب قربانی میں ثواب ہے تو یہ صدقہ مالیہ میں داخل ہے اور صدقہ مالیہ میت
کی طرف سے باتفاق جائز ہے الخ" مطلب یہ ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب میت کی طرف سے قربانی کو نہ قرآن
سے جائز ثابت کر سکتے ہیں نہ سنت سے۔ نہ ائمہ احناف کے فتوؤں سے بلکہ صرف قیاس سے متلدنکر نہیں
بند مجتہد بن کر ثابت کرتے ہیں۔ چاہے وہ ان کا قیاس غلط اور بے بنیاد ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہی بے بنیاد
قیاس مولانا ظفر صاحب کے نزدیک اعلیٰ دلیل ہے۔

اس سے قیاس کے بے بنیاد اور غلط ہونے کے دلیل سے

نہرا - قیاس منہر حکم ہے مثبت حکم نہیں۔ جب تک کوئی ایسا قاعدہ کلیہ نہ ہو جو قطعی دلیل سے ثابت ہو

اور مقیس و مقیس علیہ میں ایسی مشابہت قطعہ نہ ہو، جو علت حکم، قطعیت کے ساتھ ہو سکے، اُس وقت تک قیاس صحیح نہیں ہو سکتا اور پھر جب تک کوئی ضرورت داعیہ نہ ہو، بے ضرورت قیاس بھی جائز نہیں۔

نمبر ۶۔ ہر صدقہ مالہ میت کی طرف سے بالاتفاق جائز ہو ایسا نہیں ہے کیونکہ میت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں باوجودیکہ غلام کا آزاد کرنا بھی ایک صدقہ مالہ ہے۔ تو جس طرح غلام کا آزاد کرنا میت کی طرف سے جائز نہیں ہے اسی طرح قربانی کرنا بھی میت کی طرف سے جائز نہیں کیونکہ جب قاعدہ کلیہ نہ رہا تو جس طرح بعض فرد نکل جاسکتا ہے دوسرا فرد بھی اس حکم سے نکل سکتا ہے۔

نمبر ۷۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر صدقہ مالہ میت کی طرف سے جائز نہیں ہے تو پھر جن چیزوں کے صدقہ کا جواز میت کی طرف سے صحیح حدیثوں سے ثابت ہے ان کو پیش کر کے وجہ مشبہ اعد عدم نفاق پر غور کرنا ایسی سطحی بات نہیں ہے کہ قلم اٹھا کر حکم لگا دیا جائے۔ دین کا معاملہ ہے۔ ایک حبیب عالم دین بزرگ کو سمجھنا چاہیے کہ وہ ایسی بات کو جائز ثابت کر رہے ہیں۔ جس کے جواز کا ثبوت نہ قرآن سے نکلتا ہے نہ سنت میں تھا ^{میں} قرون مشہور و مبہا بالخیر سے ثابت ہے نہ آئمہ ثلاثہ احناف اس کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ قرآن کی نصوص صریحہ کے مخالف ہے۔ اس لئے ایک بدعت کو سنت ثابت کرنا کھیل نہیں ہے۔ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔

نمبر ۸۔ قرآن پاک میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے کہ من عملہ صالحا فلنفسہ (جس نے کوئی نیک عمل کیا تو اپنے ہی لئے کیا) اور فرمایا گیا اکلہ امرئ بما کسب مرہین (ہر شخص اپنی کمائی میں گروہے) اس لئے قرآن پاک کی آیتوں سے صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایک شخص کی نیکی کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ مگر یہ حدیثیں جو مروجہ کی طرف سے صدقہ و خیرات یا حج وغیرہ کو نہ کی جاتی ہیں اگر صحیح ہوں بھی تو خلاف قیاس ہی جائیگی اور خلاف قیاس باتوں پر قیاس کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے ورنہ خانہ کعبہ پر قیاس کر کے مسجد نبوی کا برج کیوں نہیں شروع کر دیا گیا اور ہر مسجد کا طواف کیوں نہیں شروع کر دیا جاتا۔

نمبر ۹۔ قیاس کے لئے ضرورت قیاس بھی ایک لازمی شرط ہے ورنہ بے ضرورت قیاس کر کے دین میں ہزاروں

نئے ہمارے کتاب الاضحیہ جلد آخری ص ۴۳ میں ہے الاعتاق من المیت لایجوز۔ یعنی میت کی طرف سے لونڈی غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

بدعتیں پیدا کر دی جاسکتی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: لا تزال اسرئیل مستقیما حتی کثرت فیہم اولاد السبایا فقاموا ما لم یکن بما کان فقتلوا واعتلوا یعنی اسرائیل کا دین نہایت ٹھکانے سے چل رہا تھا یہاں تک کہ لڑائی کے قیدیوں کی اولاد ان میں بہت بڑھ گئی تو جو باتیں دین میں تھیں ان پر ان لوگوں نے قیاس کر کے جو باتیں دین میں نہیں تھیں ان کو پیدا کرنا شروع کر دیا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بے ضرورت قیاس کر کے نئی باتیں دین میں پیدا کرنا بالکل گمراہی ہے۔

نمبر ۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قربانی کا حکم آتے ہی ہر صاحب استطاعت صحابی ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارک میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی۔ لیکن کبھی کسی نے کسی مردے کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ اگر کی ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی کتاب میں اس کی کوئی حدیث مروی ہوتی۔ نہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کبھی قربانی کی۔ کیونکہ اس کی بھی کوئی روایت نہیں مل سکی حضرت علیؓ والی روایت کی تنقید کر کے مولانا تمنا صاحب نے ثابت کر دیا کہ وہ حدیث ایک بھوٹی روایت اور شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ بالفرض وہ روایت صحیح بھی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا وصیت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اور وہ مخصوص تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے لئے۔ دوسرے لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم یا وصیت سے خارج کر دیتے۔ اور دوسرے کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کی روایت کسی نہ کسی کتاب میں ضرور ہوتی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے بعد اپنی طرف سے ہر سال قربانی کرنے کی وصیت اپنے صاحبزادوں کو کر جاتے یا ان کے صاحبزادے برابر ان کی طرف سے قربانی کرتے رہتے۔ مگر جب ایسی کوئی روایت نہیں ملتی تو اگر وہ حضرت علیؓ والی روایت صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اس کا حکم مخصوص تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے نہ ہر شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے، نہ ہر مردے کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ ایسی مخصوص باتوں پر قیاس کر کے ان باتوں کی خصوصیت کو مٹا دینا خود ایک کٹھی ہوئی گمراہی ہے۔ اور دراصل ایک طرح کا شرک فی امر سالہ ہے۔ ان وجوہات سنت پر مولانا ظفر احمد صاحب غور و فکر کا اپنے جواب الجواب پر دوبارہ انصاف کی نظر ڈالیں کیونکہ یہ دین کو مٹا دینا اس میں بات کی کھج کرنا ایک عالم دین کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں۔

بکلی شجرۃ حسنہ | قربانی کے جانور کے بدن میں جتنے بال ہیں اتنی ہی نیکیوں کا ثواب قربانی کرنے والے کو ملے گا۔ مگر کیا خالی خون بہانے اور گوشت کھانے کا ثواب ملے گا؟ قرآن میں فرمایا گیا ہے **لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لَاحُوتًا وَلَا دُمًا وَلَا مَذًا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ** عنکُم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون یا گوشت نہیں پہنچتا ہے لیکن تمھارا تقویٰ وہاں پہنچتا ہے۔ اور ثواب جو کچھ ہے وہ تقویٰ ہی کا ہے تو جب تک تقویٰ ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو تو ثواب کسی طرح منتقل ہو سکتا ہے کیونکہ ثواب تو تقویٰ سے وابستہ ہے اور تقویٰ منتقل ہونیوالی چیز نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تقویٰ تو اس کے پاس رہ جائے اور ثواب دوسرے کو پہنچ جائے در نہ خود پیٹ بھر کے کھانا کھا کر کسی بھوکے تک اپنی شکم سیری پہنچانے کی دُعا بھی صحیح ہونی چاہیے۔ ہر مال کے برابر ایک حسنہ کا ثواب ملے گا اُسی کو جس نے قربانی ادا کر کے تقویٰ حاصل کیا ہے نہ کسی دوسرے کو۔

سادے کو فی شیعہ نہیں | یہ تو مولانا تمنا نے نہیں لکھا ہے کہ سادے کو فی شیعہ تھے۔ مگر یہ تو معلوم ہے کہ کو فی شیعوں کا ایک مرکز تھا۔ اسلام میں جتنے فتنے اُٹھے ننانوے فی صدی کو فتنے ہی سے اُٹھے۔ بھوئی حدیثیں گھر گھر کر پھیلانے والے زیادہ تر کو فی ہی تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کو فی کوئی ثقہ اور معتبر شخص تھا ہی نہیں۔ مگر کوئی ایسی حدیث جو ”غریب“ ہو یعنی صرف ایک ہی ایک راوی جس کی روایت کرتے رہے، اصل اور وہ سب کے سب کو فی ہی ہوں، اور اس حدیث کی کو فی متابعت بھی نہ ملتی ہو پھر قرآنی تصریحات کے بھی خلاف ہو سنت کے بھی خلاف ہو، اس کے راوی بھی بعض ایسے ہوں کہ اس حدیث کے ہوا اور کسی روایت میں ان کا نام نظر نہ آتا ہو، اور اس سلسلہ روایت میں متعدد شیعہ ہوں اور اس حدیث میں حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ثابت کرنے کی کوشش بھی لائی ہو پھر اس سلسلہ کے متعدد راوی مجروح بھی ہوں ان تمام فضائل و مناقب والی حدیث کو بھی اگر موضوع نہ کہا جائے گا تو کس کو کہا جائے گا کو فی انصاف و دیانت والا مسلمان بھکو بتا دے۔

حاکم صاحب مستدرک | مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”حش کی روایات کو بھی محمد اصحاب سنن روایت کرتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی روایت کو لیا ہے اور صحیح کہا ہے۔“ مولانا ظفر احمد صاحب اس موقع پر بھی پیرائے سالی کے لسیان میں مبتلا ہو گئے۔ حش سے جملہ اصحاب سنن نے روایت نہیں لی ہے۔ صحاح میں صرف ابو داؤد، ترمذی اور نسائی اس سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی بہت کم اور۔

سب ضعیف اور مشتبہ حدیثیں جن کی متابعت نہیں ملتی اور حاکم سے کیا سولانا واقف نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں: ”لکن یصح فی مستدرک احمد حدیث ماقطعہ فیکثر من ذلک فما ادری علی حقیقت علیہ فما هو من یجھل ذلک وان علم فهو حیافۃ علیہ“
 ثم هو شیعی مشہور بذلک۔ اس کے کچھ بعد لکھتے ہیں: ”امام فی الحدیث رافضی خبیث“
 تو اگر ایک رافضی خبیث کسی شیعہ کی حدیثیں کتاب میں بھر دے اور ان حدیثوں کو صحیح کہے تو تعجب کی کوئی بات ہے۔

محدثین کا فیصلہ | سولانا تمنا صاحب نے جو ترمذی و ابو داؤد والی حدیث کے راویوں کی تنقید فرمائی تو اس پر سولانا ظفر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ”رہا یہ کہ ان راویوں کو بعضوں نے متہم یا شیعی کہا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ ان تمام جرحوں کے بعد محدثین کا فیصلہ کیا ہے؟ الخ“
 اس کے بعد سولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”محض کسی کی جرح کی بناء پر روایت کو ترک کر دینا درست نہیں بلکہ محدثین کے طرز عمل کو دیکھنا ہوگا۔“ مگر افسوس کہ سولانا ظفر احمد صاحب باوجود سخت تقلد ہونے کے اس وقت پکے غیر مقلد نظر آ رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا نام تک نہیں لیتے، خود مجتہدین کے محدثین کا قول محدثین کا فیصلہ اور محدثین کا طرز عمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس کہ دیکھتے بھی نہیں سولانا تمنا صاحب نے تو حدیث لکھ دی، راویوں کے نام لکھ دیئے، ہر راوی کے بارے میں محدثین کی جو رائیں ہیں وہ لکھ دیں اور خود اس حدیث کے بارے میں جو محدثین نے لکھا ہے وہ بھی لکھ دیا۔ آپ اس کے بعد اور کیا چاہتے ہیں؟

یہجئے میں بھی بتائے دیتا ہوں محدثین نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ شریک، ابوالحسن، حکم اور حسن

سے (ترجمہ) لیکن وہ اپنی کتاب مستدرک میں اعتبار سے ماقطع حدیثوں کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور اس قسم کی بات بہت کرتے ہیں، میں نہیں جانتا کہ ان حدیثوں کا اعتباری نہ ہوتا ان سے پوشیدہ تھا؟ تو وہ ایسے دھتے جو اس سے جاہل (بے خبر) ہوں اور اگر جان بوجھ کے ایسا کیا تو یہ بہت بڑی خیانت ہے۔ پھر وہ مشہور شیعہ تھے۔
 لکھ حدیث کے امام ہیں۔ مگر رافضی خبیث ہیں۔

میں سے صرف حکم ہی ایک ایسے ہیں جن کے شیعہ ہونے کا اقرار کرتے ہوئے بھی اکثر محدثین نے ان کو ثقہ ہی قرار دیا ہے۔ شریک کے بارے میں امام یحییٰ القطن نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سے کبھی روایت نہیں کی۔ عبدالرحمن بن مہدی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سے روایت ترک کر دی۔ فضلک الضائع نے تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شہر واسط میں بہت سی باطل حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے ان کے صاحبزادے نے شریک کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کچھ تعریف کی مگر جب پوچھا کہ ان کی سند لی جائے گی؟ تو فرمایا کہ یہ مجھ سے مت پوچھو۔ ساجی نے فیصلہ کیا کہ یہ کثر شیعیت کا طرف منسوب تھے۔ عبدالحق الاشجلی نے فیصلہ کیا کہ یہ متلس تھے ان کی تدلیس کا ثبوت، جلد پنجم ص ۲۵۱ تہذیب التہذیب میں بعض ترجمہ عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی یلے ابن حجر کہتے ہیں کہ ان کی روایات موسے بن یزید الخفلی سے جو نہ ہرود شریک کرتے ہیں وہ عبداللہ بن عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی یلے سے نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے مجہول الحال شخص سے ہے اور نہ ہرود بھی کوئی ہی نہیں۔ پر امام زبیر بن عادیہ بن حدیج بن الریث بن زہیر بن عیثمہ ہے۔ غرض شریک صاحب تدلیس۔ ثبوت بھی موجود ہے۔

اب حنبل کے بارے میں محدثین کا فیصلہ سن لیجئے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ محدثین ان کی حدیث میں کلام کرتے ہیں۔ ابو حاتم نے فرمایا کہ ہم ان کی حدیث کی سند لیتے تو گویں کو دیکھتے نہیں ہیں۔ ابن حرب نے فیصلہ کیا لا یحتج بحديثہ۔ ابن جہان نے پھر بھی لکھا کہ کان کثیر الوہم فہ الاجناس ینفرد عن علوہ باشیاء لا تشبہ حدیث الثقات حتی صار ممن لا یحتج بعدیشہ۔

ابو احمد حاکم نے یہ فیصلہ کیا لیس بالعیس عندہ عقیلی۔ ساجی۔ ابن الجارود۔ ابو العرب عقیلی سے ان کے ضعیف ہونے کا فیصلہ کیا ابن حزم نے اپنی کتاب میں ان کے متعلق اپنا فیصلہ لکھا کہ ساقط مطروح کیا اس میں نے بدھی حش کے متعلق کسی فیصلے کا ذکر نہیں کیا۔

۱۱۔ ابوالحسن سے تو دنیا کے حدیث میں صرف یہی ایک روایت ہے مگر جس شخص کے متعلق مجہول ہونے کا فیصلہ نہ کریں تو کیا کریں۔

باقی رہا حدیث کے متعلق محدثین کا فیصلہ تو ابوداؤد کا یہ دستور نہیں کہ وہ حدیث کی نوعیت نہ روشنی دیں۔ وہ محدثین کے فہم پر اعتماد کر کے صرف بہ طرح کی حدیثیں جمع کر دیں کرتے تھے۔ آئی رہے ابوداؤد تو انہوں نے صاف لکھ دیا کہ حدیث غریب ہے یعنی اس کے صرف ایک ہی راوی۔ سہ ہیں۔ اور صرف شریک ہی کی وجہ سے اس حدیث کو ہم لوگ جانتے ہیں یعنی ابوالحسن تو ایک انہوں

آدی تھا اگر وہی روایت کرتا تو کتاب میں لکھتے بھی نہیں۔ مگر شریک اگرچہ سند و حجت نہیں مگر اس کو محدثین جانتے ہیں اور اسے حدیث لکھ لی گئی۔ اس لئے کہ شریک جیسے لوگوں کو ائمہ رجال و حدیث لکھنے میں سبب حدیث و تابعین سے بھی اس کی کھنکھائی ملے گی۔ اس کی سند میں بی جلتے گی تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محدثین نے اس حدیث کے غریب ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور غریب حدیث کسی محدث کے نزدیک بغیر متابعت کے کبھی حجت و سند نہیں ہوتی خصوصاً جس کے راوی خود لا یتبعج بلہ ہوں۔ اتنی تصریح کے بعد محدثین کے فیصلہ کا تو نہیں قیامت کے فیصلے کا البتہ انتظار کیا جاسکتا ہے ورنہ اہل انصاف و دیانت کے لئے اتنی تصریحات کے بعد کسی مزید فیصلہ یا دلیل و حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

عجیب و غریب استدلال ہے ^۱ سولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "اس کے رواۃ سب کوئی ہیں تو سارے کوئی تو مجرد نہیں نہ سب شیعہ ہیں۔ الخ" کیا اس حدیث کی رواۃ صرف کوئی ہونے کی وجہ سے مجرد اور شیعہ کہہ دیئے گئے ہیں؟ جو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ "کیا سب کوئی مجرد اور شیعہ ہی ہیں؟ الخ" آپ کے یہ رواۃ تو ایسے ہیں جن پر کھلم کھلا آئمہ حدیث و رجال برجیں کر گئے ہیں اور ان کو شیعہ لکھ گئے ہیں۔ البتہ کوہ شیعوں کا مرکز رہا ہے اور اسلام میں جتنے فتنے اُٹھے، ننانوے فی صدی کو نے ہی سے اُٹھے بھوٹی حدیثیں گھڑنے والے سب سے زیادہ کو نے ہی میں تھے کوہ کے بعد بصرہ وغیرہ میں، اس لئے غیر معروف و مجہول راویوں کا صرف کوئی ہوتا بھی ان کے مشتبہ ہونے کے لئے کافی ہے خصوصاً جب وہ حدیث بھی کچھ انوکھی ہی سی روایت کر رہے ہوں جس کی متابعت بھی کہیں نہ ملتی ہو اور پھر قرآن و سنت کے بھی خلاف ہو۔

حُشّشے ہی نے کیوں پوچھا؟ ^۲ سولانا تمنا صاحب نے اس حدیث کے غلط ہونے کی ایک دلیل عقلی یہ بھی لکھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی تو ذی الحجہ ۱۱ھ ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر سال قربانی شروع کر دی ہوگی۔ ۱۱ھ کے بالکل اخیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور تقریباً ۱۱ھ میں کوہ میں آئے تھے۔ ۱۱ھ کے رمضان میں آپ نے شہادت پائی تو ۲۸ برس تک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتے رہے، مدینے میں تو کبھی کسی نے پوچھا ہی نہیں کرنے میں بھی پوچھا تو صرف میاں حشّش نے اُن سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح کہا

کہ کسی دوسرے کو اس کی خبر نہ ہو۔ حنثی نے بھی چپکے سے صرف حکم سے کہہ دیا اور حکم نے بڑی رازداری کے ساتھ ایک معمول الحال کو فی ابوالحسناء سے کہا۔ حالانکہ حکم کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ کسی دوسرے سے اس کا ذکر حکم نے کبھی نہیں کیا۔ اور اس ابوالحسناء نے صرف شریک سے کہا اور یہ چاروں شیعیہ ہیں۔ اور حکم کے سوا سب مجروح اور لایعجب بہ۔ ایسے کوفیوں سے جو روایت ہو اس کو یہ کہنا کہ "اگر یہ لوگ مجروح ہیں اور ان کی حدیث ماننے کے قابل نہیں ہے تو پھر امام ابوحنیفہ اور فلاں فلاں بھی تو کوفی ہی تھے ان پر بھی تو بعض لوگوں نے کچھ جرئیں کی ہیں ان سب کی حدیث بھی ماننے کے قابل نہیں ہونی چاہیئے" تو یہ ویسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ قرآن مجید میں فرعون، هامان، ابولہب، دیزہ، ذکر بے اور ان لوگوں کی برائیاں کی گئی ہیں تو حضرت ذوالنون اور حضرت لوط اور حضرت آدم کی بھی تو غلطیوں کا ذکر ہے اس لئے فرعون، هامان و ابولہب کو بُرا نہ کہو۔ اور کہو، تو سب کو بُرا ہو۔ کیا اس کے لئے یہ کہنا صحیح ہوگا؟ کہاں شریک و ابوالحسناء و حنثی اور ہماں، امام ابوحنیفہ و یحییٰ بن معین دسہ بن کلام دیگر مزید تعجب یہ ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے یحییٰ بن معین کو بھی کوفیوں میں شمار کر لیا حالانکہ بغدادی تھے شریک کے روایت سے مولانا ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ شریک کی روایات بخاری اور مسلم میں موجود ہیں "میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں شریک کی روایت محض متابعت آئی ہے۔ مگر صحیح بخاری میں شریک کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اگر مولانا ظفر احمد صاحب صحیح بخاری میں ایک روایت بھی شریک کی دکھا دیں تو میں جانوں۔

ابوالحسناء کے روایات سے مولانا ظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ "ابوالحسناء کی روایات ابوداؤد و نسائی و ترمذی میں موجود ہیں۔ ابوداؤد و نسائی نے اس کی روایت پر سکوت کیا ہے۔ اور ان کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل ہے۔" مولانا ظفر احمد صاحب اپنی پیرائہ سالی کے نسیان کی وجہ سے لکھ گئے۔

ابوالحسناء کی روایت نسائی میں بھی ہے۔ حالانکہ نسائی میں اس کی کوئی روایت نہیں۔ یہ بھوٹی حدیث بھی نسائی میں نہیں۔ اور ابوالحسناء سے صرف یہی ایک بھوٹی حدیث تو مروی ہی ہے۔ باقی رہے ابوداؤد تو ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عموماً ہر حدیث کو لکھ دیا کرتے ہیں اس کی حیثیت کو واضح نہیں کرتے۔ اس کو جب سکوت کہا جاتا کہ وہ دوسری حدیثوں کی نوعیت کو واضح کرتے رہے ہوتے۔ البتہ ترمذی کا دستور ہے کہ وہ حدیث کی حیثیت بتا دیا کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس حدیث کو بھوٹی تو

نہیں بتایا مگر ہذا حدیث غریبہ لافرقہ الامن شریک لکھ دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ یہ حدیث غریبہ ہے۔ کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ غریب حدیث فقط غریب ہونے کی وجہ سے محبت و سند نہیں ہو سکتی اور یہاں تو متعدد وجہیں ہیں۔

مولانا ظفر احمد صاحب ذرا یہ بتا دیں کہ اصول حدیث کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ”ابوداؤد و نسائی جس حدیث کو لکھ کر سکوت اختیار کریں یعنی اس کی حیثیت کو واضح نہ کریں وہ حدیث حسن یا صحیح ہے۔“

شیعوں کے کتابوں سے ذکر۔ جو لوگ اہل سنت کے یہاں بالاتفاق سند و محبت ہیں مثلاً بعض اکابر تابعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ تو ان میں سے اگر چند بزرگوں کی مدح و توثیق شیعوں کی کتابوں میں بھی ہو تو اس سے ان بزرگوں پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر جو راوی چاہے وہ تابعی یا تبع تابعی ہی کیوں نہ ہو، اہل سنت کے نزدیک مجرد یا مشتبہ یا مجہول ہو اور شیعوں میں ممدوح اور معتبر و معتمد ہو تو اس کو ضرور ایک خطرناک راوی سمجھا جائے گا۔ اس لئے ابودرد و سلمان و مقداد پر شریک و ابوالحسناء و حنظل کو قیاس کرنا ایک سنی عالم دین سے بہت بعید ہے۔ چلے یستویہ الاعلیٰ والبصیر (کیا اندھا اور بینا یک جیسا ہو سکتا ہے۔)

یہاں تک تو جواب الجواب کی تنقید ہوئی۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک عجیب و غریب کام یہ کیا، کہ مولانا تمنا صاحب کے جواب کے دوسرے صفحہ کی چوتھی سطر کے آخر میں ”۴“ بنا کر حاشیہ پر ایک عبارت اپنی طرف سے لکھ دی ہے جس سے ہر دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ اتنی عبارت لکھنے کے وقت لکھنے والے سے چھوٹ گئی تھی جس کو کسی دوسرے شخص نے بڑھا دیا ہے۔ مگر یہ عبارت بھی اسی کی ہے جس کا پورا جواب ہے۔ حالانکہ وہ عبارت بطور جواب کے مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ہے اس لئے ان کو ”۴“ نہیں بنانا تھا بلکہ حاشیہ کی علامت بنا کر لکھنا تھا اور آخر میں اپنا نام لکھ دینا لازم تھا مگر اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ وہ تو مستقل طور سے جواب الجواب لکھ ہی رہے تھے اس میں یس (دھوکہ) کی کیا ضرورت تھی؟

مولانا تمنا صاحب نے لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ائمہ مجتہدین تک کسی نے کبھی کسی مُردے کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ اس کے بعد صا دینا کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے

حاشیہ پر لکھ دیا کہ ”مگر سب نے جواز کا فتوے دیا ہے جو کتب مذہب میں موجود ہے۔ اس کے بعد عمل کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ واجب تو نہیں ہے۔“ جواباً عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء ائمہ مجتہدین کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ ”سب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو کتب مذہب میں موجود ہے“ تو براۓ خدا ان سب بزرگوں کے فتوے نہ ہوں ایک ایک کا نام اور کتابوں کا نام معذہ حوالہ جلد و صفحہ لکھ کر بھیج دیجئے جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور صحابہؓ اور پھر ائمہ مجتہدین سب کا فتوے جواز موجود ہے تو جو اس کو ناجائز کہے وہ تو کافر ہے۔ مگر یاد رہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ان میں سے کسی ایک کا فتویٰ جواز بھی کبھی نہیں پیش کر سکتے۔

والسلام حقیر عبدالواحد خیری عفی عنہ

۲۴ نومبر ۱۹۵۷ء

مکتوب ۱۳

مکرمی مولانا تمنا عمادی صاحب! سلام مسنون۔

اموات کی طرف سے قربانی کرنے کے متعلق میں نے آپ کی مطول مفصل تحریر پر مختصر اشارات کر دیئے تھے۔ نالعاقل تکفیر الامتدادہ اُس پر کسی عبدالواحد صاحب خیر نے نہ سیب نے سات صفحہ کا جواب لکھا ہے جس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے نہ بخاری پڑھی ہے نہ دوسری کتب سنن و صحاح اور نہ اس نے فقہ مذاہب اربعہ کا مطالعہ کیا ہے اس لئے میں ایسے لوگوں کے منہ لگنے کو گوارا نہیں کر سکتا اگر جناب خود اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے رہیں گے اور جیسا اہل علم کا طریقہ ہے تہذیب و حضانت سے گفتگو ہو تو کچھ لکھنے کو دل چاہے گا ایسی عامیانہ غیر مذہبانہ تحریروں کے جواب میں تو حسب ارشاد قرآنی سلام علیکم لا یتقی البجاہلین کے سوا کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۲۹ صفر ۱۳۷۷ھ

مکرمہ آنکہ اگر عبدالواحد صاحب خیری کو اپنی تحریر کے جواب کا شوق ہو تو میں اپنے شاگردوں میں سے کسی کے حوالہ کردوں گا تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ میں پیرانہ سالی کی وجہ سے بھولا ہوں یا وہ اپنی جوانی دیوانی کی وجہ سے دیوانوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔

غیرہ۔

باسمہ تعالیٰ

مولانا ابوالفضل اولئنا . مدظلکم العالی . السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والائے حضرت مولانا تمنا صاحب مدظلہ کے فتوے کا جواب انصیحہ عن ائیت کے جواز کے اثبات پر مشتمل جو تحریر فرمایا تھا میں نے اس کا جواب الجواب انھیں علی ذوق اور دینی جذبہ کے تحت لکھا تھا ورنہ حضور سے مقابلے کا دعویٰ اور میں ؟ بخدا میرے دل میں حضور کا کافی احترام ہے میں حضور کو اپنے اساتذہ میں سے کسی سے بھی کم محترم نہیں سمجھتا . میں منتظر تھا کہ اس کے متعلق حضور کو کوئی تحریر اس حقیقہ کے نام سے ضرور لائے گی . مگر جب دو ہفتے سے زیادہ ہو گئے اور کچھ جواب نہ آیا تو آج حضرت مولانا تمنا مدظلہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ نے میری تحریر کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور اس کا کچھ جواب نہ دیا تو مولانا تمنا مدظلہ مسکرائے اور آپ کا نام لگائی جو مولانا مدظلہ کے نام سے آیا تھا الماری میں سے نکال کر میرے ماتھے میں دے دیا اس کو پڑھ کو مجھے سخت تکلیف پہنچی اور سخت تعجب بھی ہوا . اس لئے نہیں کہ حضور نے میرے متعلق بعض ایسے الفاظ لکھے جو حضور کی بزرگانہ شان کے خلاف تھے . اس بات سے تو تعجب ہوا ملال نہیں ہوا تکلیف اس سے پہنچی کہ حضور کو میری تحریر سے تکلیف پہنچی اس لئے نہایت ادب کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں . برائے خدا معاف فرما کر ممنون فرمائیے . والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین ۔

اپنے متعلق عرض ہے کہ

جس گلستان کے ہیں گل تر آپ

خار اسی بوستان کے ہم بھی ہیں

میں نے دیوبند ہی سے فراغت کی سند حاصل کی ہے اور میں نے بخاری و مسلم و دیگر کتب حدیث پڑھی ہیں فراغت کے بعد چند سال دوسرے مشاغل میں رہنے سے کچھ بھول گیا ہوں یہ ممکن ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ ابھی کتابوں سے مناسبت باقی ہے . دیوبند کے نصاب درس میں فقہ سے متعلق جتنی کتابیں ہیں وہ سب میں نے پڑھی ہیں . اور بفضلہ تعالیٰ اس وقت بھی اتنی صلاحیت رکھتا ہوں کہ اگر کسی مدرسے میں ملازمت مل جائے تو متوسطات ہی نہیں درجہ فاضل کی کتابیں بھی پڑھا سکتا ہوں انشاء اللہ

حضور نے حضرت مولانا تمنا مدظلہ کو تحریر فرمایا ہے اگر وہ خود حضور کے جواب کے متعلق کچھ لکھیں تو آپ اس پر غور فرمائیں گے اور سلسلہ مراسلت جاری رکھیں گے۔ مگر اس حقیقہ کی تحریر چونکہ گستاخانہ ہے اس لئے آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرمائیں گے البتہ اگر اس خاکسار کا اصرار ہو گا تو حضور اپنے کسی شاگرد کو میرے جواب کے لئے آمادہ فرمائیں گے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ میں نے جو کچھ جواب الجواب میں عرض کیا ہے اس میں بہت زیادہ حصہ حضرت مولانا تمنا مدظلہ کی کتاب القول الصواب فی ایصال الثواب ہی سے مستفاد ہے اور کچھ مولانا کے اصل فتوے سے۔ میرا اپنا مال اس خزانے میں بہت کم ہے۔ ممکن ہے کہ بعض باتیں میں نے خود لکھی ہیں ان میں کچھ لغزشیں رہ گئی ہوں۔ میں اپنے کو خطا و نسبیاں سے بالاتر نہیں سمجھتا۔ بہر حال میری باادب یہ درخواست ہے کہ حضور میری تحریر حقیقہ و کم سے کم چند سطروں ہی لکھ کر مجھے میری غلطیوں سے مطلع فرمادیں تو جناب کی شفقت بزرگانہ سے بعید نہ ہو گا ورنہ کسی شاگرد ہی کو حکم دیں کہ وہ جناب کے اشدادات کو قلمبند کر کے میرے پاس بھیج دیں، کیونکہ میرے پاس جس کی بھی تحریر آئے گی پھر میں جو کچھ بھی اس کے متعلق عرض کروں گا اس کے مخاطب حضور ہی ہوں گے۔ اگر اس کا بھی جواب مجھے لکھنا پڑا تو حضور ہی کی خدمت میں باادب گزارش کروں گا۔ میں کسی دوسرے کو کیا جانوں۔ ہاں اگر حضور کے صاحبزادے مولانا عمر احمد صاحب تحریر فرمائیں گے تو میں ان کو مخاطب کر کے اپنے خیالات عرض کروں گا۔ کیونکہ حضرت مولانا تمنا مدظلہ سے ان کی تعریف میں نے سنی ہے۔ وہ صاحب علم آدمی ہیں یقیناً جو کچھ لکھیں گے سمجھ بوجھ کے لکھیں گے ورنہ کسی گمنام شاگرد کی طرف سے اگر کوئی مراسلہ آیا تو میں اس کو مخاطب نہ کروں گا۔ مجھ پر پھر جو کچھ عرض کروں گا وہ حضور کی خدمت میں عرض کروں گا اور اس کی بھی کوشش کروں گا کہ میرے کسی لفظ سے حضور کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ انشاء اللہ۔

زیادہ حد آداب

۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ ۱۱ دسمبر ۱۹۶۵ء روزہ شنبہ

خادم عبدالواحد الحیری عفی عنہ بدست خاص

نہی۔ مگر میری عبد الوہاب صاحب خیری! سلام مسنون۔ بحکواب تحریر غیر مؤخر عرض ہے کہ کیا آپ اپنے اساتذہ کو بھی اسی عنوان سے جواب دیتے؟ کیا آپ کی تحریر شان علم و تہذیب کے شایان تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ لفظی علم حاصل کرنے کے بعد کسی کے پاس رہ کر حقیقی علم حاصل نہیں کیا۔ یہ مجھے منظور نہیں کہ جس کو میں خطاب کرنا نہیں چاہتا وہ مجھے خواہ مخواہ خطاب کریں اگر آپ کسی دوسرے کو نہیں جانتے تو میں آپ کو کیا جانوں؟ میرے لئے تو آپ بھی اب تک گناہ ہی ہیں۔ پس ہرچہ پر خود نہ پسندیں بد دیگران نہ پسند والسلام۔ مگر آنکہ جب گفتگو میرے اور مولانا تمنا کے درمیان چل رہی تھی تو بلاوجہ آپ کو درمیان میں دخل دینے کو کس نے کہا تھا؟

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۱۱ ربيع الاول ۱۳۷۷ھ

باسمہ تعالیٰ

نمبر۔

مولانا المکرم و اخانا المحترم! و علیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا ایک مختصر مکتوب مورخہ ۲۹ صفر ۱۳۷۷ھ بدست صاحبزادہ مولوی قمر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مجھے غالباً غزوہ ربيع الاول کو مل گیا تھا مگر میں نے صاحبزادے سے عرض کر دیا تھا کہ مصروفیتوں کی وجہ سے مجھے ۱۸ دسمبر سے پہلے مطلق فرصت نہیں مل سکتی کہ میں اضحیہ عن المیت کے جواز و عدم جواز جیسے غیر اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے کچھ وقت نکالوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۲۰، ۲۱ تک میں اس کا جواب دے سکوں گا۔ ۱۸ کے بعد جب میں اپنی اہم مصروفیتوں سے فاذر ہوا تو جناب کا مکتوب گرامی پھر پڑھا اس کے بعد اضحیہ عن المیت سے متعلق اپنا فتوہ دیکھ کر جناب کا جواب بھی پڑھ گیا۔ یہ جواب پہلے بھی پڑھ چکا تھا مگر جواب الجواب کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ اگلے علماء میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ میں نے اپنی رائے دیدی تھی آپ نے اپنی رائے دے دی مگر جناب نے ”جواب الجواب“ کا لفظ لکھ کر جواب الجواب لکھنے کی کیا دعوت دے دی تھی۔ میرے پاس وقت نہ تھا تو مولانا خیری سلمہ نے وہ دعوت قبول کر لی جس میں انہوں نے میری کتاب القولہ الصوابیہ فی مسئلۃ ایصالۃ الثواب سے بہت زیادہ مدد لی اور پھر تہذیب التہذیب و

لسان المرسل وغیرہ سے بھی کچھ مجھ سے نہ بانی بھی پڑھا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا وہ بہت طویل تھا میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے دیکھ نہ سکا۔ اگر انہوں نے گستاخانہ کلمات لکھے تو یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ جناب کے اس مکتوب کے بعد بعض وقتی مصروفیتوں سے فرصت پا کر میں نے کل ان جواب جواب الجواب پڑھا۔ بے شک بعض عنوان تحریر مجھ کو بھی نامناسب معلوم ہوا۔ اور دو ایک غلطی بھی نظر آئی۔ مثلاً انہوں نے قیاس کے لئے علت قیاس کا قطعی ہونا ضروری لکھ دیا ہے۔ حالانکہ سند قیاس کا قطعی ہونا ضروری ہے اگر علت بھی قطعی ہو تو اس کی بناء پر قیاس قطعی نہ ہوگا بلکہ قطعی ہی ہوگا۔ مگر مجموعی حیثیت سے مولانا خیری کا جواب جواب الجواب تہایت مدلل اور بالکل صحیح ہے۔ اگر آپ ^{۱۵۸} خدمت سے دودھ مالدار کے مطابق ان کی گستاخیوں اور لغزشوں سے قطع نظر فرماتے ہوئے ٹھنڈے دل سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ان کی ہر دلیل کو صحیح یا قریب الی الصحہ پائیں گے۔ اور میرا اصل جواب استفادہ خود کافی ہے۔ کم سے کم یہ بات قابل غور ہے کہ بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تاکید کو وصیت کی تھی تو یہ ادائے وصیت ہوئی نہ کہ ایصالِ ثواب۔ اور پھر مخصوصات نبویہ سے ہوئی۔ تمام امت کی طرف سے قربانی کو نا اگر زبردستی ان میں اموات کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ بھی مخصوصات نبویہ سے ہوا۔ اگر مخصوصات سے نہ ہوتا تو پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس کے مطابق عمل کرتے۔ کسی کا اس پر عمل جب ثابت نہیں ہے، تو اگر یہ باتیں صحیح بھی ہیں تو مخصوصات نبویہ سے ہیں نہ کہ سنت نبویہ۔

آپ نے افعیم عن المیت کے جواز کی اصل دلیل اسی کو قرار دیا ہے کہ صدقات مالہ عن الاموات، جائز ہے اور افعیم بھی ایک صدقہ مالہ ہے اس لئے اموات کی طرف سے افعیم کو بھی جائز ہونا چاہیئے۔ اگر یہ قیاس صحیح ہوتا، اور مقیس علیہ واقعی تمام صحابہ غم کے نزدیک مسلم ہوتا تو صحابہ بعد والوں سے زیادہ حریص علی الخیر تھے، وہ ضرور اس قیاس کی بناء پر مردوں کی طرف سے قربانیاں کرتے رہتے۔ آخر کون سی ضرورت داعیہ اس اختراع کی بعد والوں کو پیش آئی جو قرون اولے والوں کے سامنے نہ تھی؟ لقد صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ لترکبن سنتی الذی یحی من قبکم (ادکما قال) وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تزل امر بنی اسرائیل مستقیمًا حتی کثرت فیہم اولاد السبایا فقا سوا ما لم یکن بما کان فضلوا واذلوا (ادکما قال)۔

میری یہ گزارش محض مخلصانہ اور بردارانہ و دوستانہ ہے۔ اس پر سکون و طمانیت کے ساتھ غور فرمائیے۔ ہماری آپ کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے خصوصاً آپ کی، اس لئے کہ مجھ سے پہلے سے یہاں مقیم ہیں مجھ سے بہت زیادہ اثر و اقتدار رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس وسائل اثر و اقتدار مجھ سے صد گونہ زائد ہیں، آپ کے جاننے والے یہاں مجھ سے زیادہ ہیں اس لئے عند الناس و عند اللہ آپ مجھ سے بہت زیادہ ذمہ دار ہیں اور مشرقی پاکستان والوں کے فائدہ و اعمال سے متعلق سب سے زیادہ قیامت میں جس سے باز پرس ہوگی وہ آپ ہی ہوں گے۔ اس لئے صر

انچ پوسٹل بکس نمبر ۱۱۱۱۱۱
ماہانہ باادب اکوڑن شاہ پریم

آخر میں یا ادب گزارش ہے کہ کس طرح جلد درمیانے زمانے کو بچاند کر تیرہ سو برس قبل کی اسلامی دنیا میں پہنچا جائے، اگر اس پر آپ آمادہ ہیں تو آپ مجھ کو بھی ایک اپنا کم ترین رفیق راہ تصور فرما کر طریق کار پر غور کرنے کے لئے کسی دن کسی وقت طلب فرمائیں۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ اس راہ میں آپ میرے پیشرو ہوں اور میں آپ کے پیچھے پیچھے منزل مقصود تک پہنچوں اور آپ کے وسیلے سے میری طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی غیر القرون والی زندگی نصیب ہو اور اس طرح ثلثۃ من الاولین و قلیلۃ من الاخرین والی پیش گوئی ہم لوگوں پر صحیح اترے۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ والسلام خیر الختام۔ آپ کا مخلص بھائی تمنا عادی غفرلہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ۔

مکتوب ۷۷ مکرری السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گراہی نامہ مورخہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ موجب عزت ہوا۔ میں جناب کا اطمینان کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے اکابر محمد اللہ براہر اس کوشش میں رہے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے صاف انا علیہ و احمہ اہل کی خالص اسلامی دنیا کا نقشہ پیش کریں۔ وہ خود بھی اسی پر مستقیم تھے اور یہ تاجپزنی ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے مگر ان کی روش میں اور جناب کا روش میں ایک

فرق ہے جس کو جس واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

الف۔ وہ قرآن سے استنباط مسائل کرنے میں قواعد عربیہ کے ساتھ اُن قواعد کی بھی پابندی کرتے ہیں جو اصول فقہ میں فقہانے بتائے ہیں کیونکہ قرآن عربی میں ہے اس سے استنباط کا طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو اہل عربیت و اہل فقہ و اہل اللسان نے بتلایا ہے۔

ب۔ وہ حدیث شریف کو قرآن کی شرح سمجھتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف تلاوت کر کے ہی قرآن نہیں پڑھایا۔ بلکہ اس کے معانی اور مطالب بھی بتلائے ہیں۔ یتلوه علیہم

آیاتہ و یزکیہم کے بعد و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ اس پر حال ہے نیز آیت وانزلنا

الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم اس باب میں صریح ہے۔ یہی سبب تھا کہ اس

امت نے حدیث رسول کا وہ اہتمام کیا کہ دوسری قوموں نے کتاب الہی کا بھی اس قدر اہتمام نہیں

کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محفوظ کرنے کے لئے ہزار ہا راویان حدیث کی زندگیاں محفوظ

کر دی گئیں علم اسناد کی بنیاد ڈالی گئی ہر راوی کی زندگی کو عدالت اور تقویٰ کی کسوٹی پر کسا گیا۔ تاکہ

احادیث صحیحہ کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ آج دوسری قوموں کے پاس اُن کی آسمانی

کتاب کی سند نہیں۔ اُمتِ محمدیہ کے پاس قرآن کی مسلسل سند بھی موجود ہے اور احادیث رسول کی

بھی جسے دوسرا درجہ میں حجت شرعیہ قرار دیا گیا۔ حدیث کا درجہ حنفی تاریخ کا نہیں بلکہ شرح قرآن کا مرتبہ ہے

جس کے لئے اُمت نے بہت کچھ جانفشانی کی ہے۔ دوسروں کی بے سند تاریخ سے ہماری ضعیف

حدیث بھی بہت بلند ہے کیونکہ ہمارے پاس اُسکی سند ہے اور یقیناً بے سند بات سے مستند کا

درجہ اعلیٰ ہوتا ہے۔

ج۔ یہ مسلم ہے کہ احادیث میں صحیح اور حسن کے ساتھ کچھ ضعیف اور موضوعات بھی ہیں مگر

محدثین نے ان سب کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ اسی لئے چند موضوعات کی وجہ سے سادے

ذخیرہ حدیث کو رد کر دینا امتِ محمدیہ کی خصوصیت اسناد کو سنانا اور اس کی سخت بے قدری کرنا ہے

جو کوئی بھی عاقل گوارا نہیں کر سکتا۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس خصوصیت کے سامنے دوسری قوموں کی

گردن بھکی ہوئی ہے اور اہل انصاف تسلیم کرتے ہیں کہ اس خصوصیت میں اُمتِ مسلمہ کا مقابلہ کوئی

دوسری قوم نہیں کر سکتی۔

حدیث کو قرآن کی شرح سمجھا جائے۔

۵. کتب صحاح ستہ میں بخاری مسلم کا درجہ تو مسلم ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف اور موضوع کا وجود نہیں۔ ابن ماجہ میں ایک دو حدیث موضوع آگئی ہے جس پر محدثین نے نشان دیدیا ہے۔ بقیہ صحیح ہیں یا حسن اور کچھ ضعیف بھی ہیں۔ حدیث ضعیف کے متعلق محدثین اور فقہاء کی تصریح ہے کہ تعدد طرق سے ضعف منجر ہو جاتا ہے اسی طرح کسی صحابی یا مجتہد کے فتویٰ کی موافقت سے بھی۔ ترمذی میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں ہے۔ وہ اپنی کتاب میں ہر حدیث کا درجہ بتلا دیتے ہیں اور کتاب العلل میں تصریح کر دی ہے کہ میری کتاب میں جس قدر حدیثیں ہیں سب معمول بھائی ہیں۔ جز دو حدیثوں کے ایک ابن عباس کی حدیث جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا عذر ولا مطر۔ دوسری حدیث شارب خمر کے متعلق ہے۔ فی الرابعة فاقبلوا یہ دو حدیثیں بھی موضوع نہیں بلکہ فقہاء کے نزدیک مؤول ہیں۔ کیونکہ بعض سندوں میں اگرچہ علت ہے مگر دوسری سند غیر معلول بھی موجود ہے۔ ابو داؤد میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ہر حدیث کا درجہ نہیں بتلاتے۔ مگر انہوں نے یہ بتلا دیا ہے کہ جس حدیث میں دھن شدید ہو گا اسکو بیان کر دوں گا اور جس پر کچھ کلام نہ کریں گے وہ صالح ہے۔

قال فی قدسیہ الراوی ومن مظان الحسن ایضاً سنن ابو داؤد فقد جاع عنه انه یذکر فیہ الصیح ومشا جمہ ویقاربہ وما کان فیہ دھن شدید بینہ ومالہ یذکر فیہ شیئاً فھو صالح یم اسی لئے علماء اور آئمہ حدیث نے تصریح کی ہے کہ ابو داؤد کا حدیث پر سکوت کرنا حجت ہے۔ قالے المنذر فی مقدمۃ الترغیب والترہیب وکل حدیث عزوۃ الی ابی داؤد وسکت عنه فھو کما ذکر ابو داؤد ولا ینزل عن درجۃ الحسن وقد یکون علی شرط الصیحین او احدھما۔ اھ وقالے الشوکانی فی النیل وقد قدمنا ان جماعۃ من آئمہ الحدیث صرحوا بصلاحتہ ما سکت عنه ابو داؤد والاحتجاج نسائی میں بھی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ صحاح ستہ میں جس کتاب کو نسائی کہا جاتا ہے وہ بیئہ نسائی ہے۔ مومن کبریٰ نسائی کو منتخب ہے اس کے متعلق امام نسائی نے تصریح کی ہے کہ مجتہد کی سب حدیثیں صحیح ہیں (یعنی صحیح یا مشابہ صحیح کیونکہ اُس میں احادیث حسان بھی

موجود ہیں۔)

قال فی تدریب الراوی و زهر الراوی۔ ومن مظان الصیغ ایضا کتاب المجتبى

للسائى وهو الشائع المعروف بالديان. فقد قال محمد بن معاوية الاحمر الراوى عن

السائى قال فى النساء كتاب السنن كله صحيح ريعقه معلول۔ الا انه لم يبين علتها والمنتقب

المسئ بالمجتبى صحيح كله۔ اهـ وقال۔ الحافظ ابن حجر اطلق دسم الصحة على

كتاب السائى ابو على الفياضى و ابو احمد بن عدى۔ و ابو الحسن الدارقطنى و

ابو عبد الله الحاكم۔ وابن منده۔ و عبد الغنى بن سعيد و ابو يعلى الحليلى و ابو على

بن السكن۔ و ابو بكر الخطيب وغيرهم۔ اهـ۔

۴۔ ترمذی کا کسی حدیث کو غریب کہنا اس کے ضعیف یا موضوع ہونے کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں کہ ان کی کتاب میں سب حدیثیں معمول جہاں ہیں جس پر کسی نہ کسی جماعت فقہاء کا عمل ہے اور بعض جگہ وہ غریب کو صحیح یا حسن بھی کہہ دیتے ہیں۔ پس اس سے صرف کسی راوی کا نفرد بتلانا ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے علم کے موافق۔ کیونکہ محققین نے بعض مقامات میں تحقیق کر کے بتلادیا ہے کہ جس حدیث کو ترمذی نے غریب کہا تھا وہ غریب نہیں بلکہ راوی کی متابعت موجود ہے۔

۵۔ کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ منصب آئمہ حدیث کا ہے۔ وہی حدیث کے امام ہیں وہی صحت، وہی ضعیف و وضع کا حکم لگا سکتے ہیں خصوصاً بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی کی کسی حدیث کو موضوع کہنا تو ان حضرات سے معارضہ کرنا ہے۔ اور معارضہ کے لئے مساوات طرین شرط ہے ناقص کو کامل سے معارضہ کا کوئی حق نہیں۔

۶۔ روایات حدیث کے متعلق بھی کتب رجال میں سب قسم کے اقوال ملیں گے۔ ایسا تو کوئی شاذ و نادر ہوگا جس میں کسی نے بھی جرح نہیں کی۔ یہ محدثین کی دیانت و صداقت ہے کہ جن بزرگوں کو وہ ثقہ اور عادل اور امام اور حجت سمجھتے ہیں ان کے تذکرہ میں بھی جس نے جو کہا ہے سب نقل کر دیتے ہیں۔ ان سب اقوال کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ یہ راوی حجت ہے یا نہیں اس کی حدیث کو مانا جائے گا یا نہیں؟ آئمہ حدیث ہی کا کام ہے۔ ہر شخص کا نہیں۔ پس اگر کسی راوی میں بہت لوگوں نے جرح کی ہو لیکن بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہو یا اس کی روایت کو صحیح میں لیا ہو۔ یا ابوداؤد نے اس کی

کسی حدیث کو موضوع کہنا ہر ایک کا کام نہیں۔

حدیث کو روایت کر کے سکوت کیا ہو۔ یا نسائی نے مجتبیٰ میں اس کی حدیث لے کر کلام نہ کیا ہو۔ اس سے سمجھا جائے گا کہ یہ راوی ساقط نہیں بلکہ اس کی حدیث لی جاسکے گی۔

ان تمہیدی مقدمات کے بعد اگرچہ مفصل جواب کی ضرورت نہیں رہی مگر صاحب کے تمام دلائل کا جواب اس میں آگیا ہے مگر کسی قدر اشارہ تفصیلی جواب پر بھی کر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان کے مکمل مدلل جواب کی حقیقت واضح ہو جائے۔

قرآن | اس مسئلہ میں ساکت ہے اس نے نفیاً یا اثباتاً اس سے تعرض نہیں کیا۔ آیت **وَفِدْيَا** بذبح عظیم میں نہ قربانی کا ذکر ہے نہ اس کا کہ قربانی صرف دنیا میں فدیہ ہوتا ہے نہ کہ آخرت میں۔

قواعد عربیت اور قواعد اصول پر صرف قرآن کے الفاظ سے اس مسئلہ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا حتیٰ عوام کو مرعوب کرنے کے لئے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ قرآن کی روشنی میں مسئلہ کو ثابت کیا گیا ہے حالانکہ قرآن کے الفاظ سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ آیت کا ترجمہ صرف اس قدر ہے کہ ”اور ہم نے اس کا فدیہ بڑے ذبیحہ سے کیا“ اس سے نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا ؟ ذابح کون تھا ؟ اور فدیہ کون بات میں تھا ؟ اور یہ فدیہ عقیقہ تھا یا افحیحہ ؟ جب تک یہ سب باتیں قرآن کے الفاظ سے واضح نہ ہوں اس وقت تک قرآن کی اس آیت سے نہ قربانی کا ذکر ثابت ہوتا ہے نہ ذبحہ اور مردہ کی قربانی کا۔ اپنی طرف سے تشریحات بڑھا کر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن سے مسئلہ کو ہم نے ثابت کر دیا سنی جرات ہے۔

سنت | ما ہذہ الاضاحی یا رسول اللہ قالے سنتہ ابیکم ابراہیمہ جملہ تک مجھے معلوم ہے یہ حدیث صحاح میں نہیں ہے اس کو بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور بیہقی ابو عبد اللہ حاکم کے شاگرد ہیں۔ تو سب سے پہلے اس کی سند کو صحیح ثابت کرنا ضروری ہے۔ جس کے نزدیک ابو داؤد و ترمذی کی حدیث میں کلام ہو سکتا ہے اس کو خارج صحاح کی حدیث بلا سند بیان کرنے کا حق نہیں۔ ممکن ہے اس کی سند میں بھی کوئی راوی مقہوم بالتشیع ہو پھر یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اگر قرآن کی آیت و فدیہ بذبح عظیم میں قربانی کا ذکر ہے جیسا آپ کا دعویٰ ہے تو اس سے تو قربانی کا سنت الہی ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ فدیہ کا فاعل حق تعالیٰ ہے، میں

اور آیت و لکل امت جعلنا منسکاً لیذکرو اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام (الحج) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے قربانی کو مشروع کیا ہے اور آیت و اقلے علیہم بنا ابنی آدم یا لحق ط اذ قربا قربانا فتقبلے من احدہما ولم یتقبلے من الآخر (المائدہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی آدم علیہم السلام کے وقت سے ہوتی آ رہی ہے۔ اس حال میں یہ حدیث حجت میں پیش کرنے کا کیا حق ہے جب تک اسکی صحت کا ثبوت نہ دیا جائے اور اس قیاس کو رفع نہ کیا جائے۔ پھر حدیث سے اتنا ہی تو معلوم ہوا کہ قربانی سنتِ ابراہیمؑ ہے اس سے آگے جو کچھ کہا گیا ہے حاشیہ ہے۔ مانا کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی تھی اور یہ ان کی سنت ہے اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ زندہ کی طرف سے کی تھی مردہ کی طرف سے نہیں کی تھی۔ حدیث کے الفاظ پر جو کچھ بڑھایا جائے اس کو کسی حدیث ہی سے ثابت کیا جائے تو سند حدیث سے ثابت ہوگا ورنہ اپنی رائے اور حاشیہ سے ثابت ہوگا۔

حدیث سے غلط استدلال | اس عنوان کے تحت میں کہا گیا ہے کہ جس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کی تھی اس سے بھی مردوں کی طرف سے قربانی کا جواز نہیں نکلتا ہے کیونکہ دوسری روایتوں میں تصریح موجود ہے۔ عمن لہ یضخ من امتی جس سے ظاہر مراد یہی ہے کہ جو زندہ ہے اور ناداری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا اس کی طرف سے آپؐ نے قربانی کر کے اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا الخ۔ اس ظاہر کی دلیل پیش کی جائے کیا لغت میں لفظ من زندہ کے لئے خاص ہے یا لفظ امتی زندوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ اگر حدیث میں عمن لہ یضخ من اصحابی ہوتا تو آپؐ کا بیان کردہ مطلب ظاہر تھا۔ لفظ امتی کو زندوں کے ساتھ خاص کرنا بالکل خلاف ظاہر ہے۔

پھر اسی حدیث کے بعض الفاظ میں یہ بھی ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بکبشین امحیین و قالے فی ذبح احدہما هذا عن محمد و اہل بیتہ و قالے فی ذبح الثانی هذا عن امن بی و صدقنی من امتی (جمع الزوائد) ظاہر ہے کہ لفظ من امن بی و صدقنی من امتی ساری امت کو عام ہے اس کو کسی طرح بھی زندوں کے ساتھ خاص کرنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی جبکہ بعد والوں میں بھی ایمان اور تصدیق کی صفت موجود ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آپؐ نے قربانی کر کے

اس کے فدیہ کا انتظام کر دیا تھا کہ وہ بیچارہ بھی دنیاوی بلاؤں سے بچا رہے طبعاً و حاشیہ ہے حدیث کا کوئی لفظ اس پر دال نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ بھی خلاف ہے کیونکہ دنیوی بلاؤں سے مومن کو نقصان نہیں پہنچتا ثواب ہی بڑھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو امت کے لئے زیادہ فکر نجاتِ آخرت کی تھی۔

میرے دلیل پر اعتراض ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ہر صدقہ مالیت کی طرف سے جائز نہیں کیونکہ مالیت کی طرف سے غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں۔ الخ اس دعویٰ کی دلیل حدیث و قرآن یا اقوالِ ائمہ سے پیش کرنا چاہیئے۔ اگر کسی شخص نے قتلِ خطا کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے ذمہ کفارہ واجب تھا جس کے ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو کیا اُس کی طرف سے غلام آزاد نہ کیا جائے گا؟۔

نمبر ۲، نمبر ۳ میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا جواب اُوپر کے بیانات میں گذر چکا ہے۔
نمبر ۴ میں آیت میں عملے صالحاً فلنفسہ اور کلمۃ امراء بما کسب رہیں سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک شخص کی نیکی کا ثواب دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ قرآن نے جتنا کہا ہے اُس پر زیادتی نہ کی جائے تو یہ مدعی قرآن سے ثابت ہیں۔ آیت کا صاف ترجمہ صرف اتنا ہے کہ 'جو شخص نیک کام کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے رہا یہ کہ دوسرے کو اس کے عمل سے نفع نہیں پہنچتا قرآن اس سے ساکت ہے اگر کسی کے نیک عمل سے دوسروں کو بھی اس عمل کی رغبت و ہدایت ہو جائے وہ بھی اس کی طرح نیک کام کرنے لگیں تو کیا اُن کے عمل سے اسی کو ثواب نہ ملے گا۔

جس بات سے قرآن ساکت تھا حدیث نے اس سے تعرض کیا ہے۔ بن سن سنة حسنة فابھا اجرھا و اجر من عمل بها۔ جو شخص اچھا طریقہ چلائے اُس کو اُس کا ہی ثواب ملے گا اور جو اس طریقہ پر چلیں اُن کا ثواب بھی ملے گا۔ والدالۃ علی الخیر کفاعلہ۔ میت کے لئے دُعا کرنا تو قرآن سے بھی ثابت ہے۔ والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولانحن الذین سبقونا بالایمان (سورۃ المحشر) اور دعائیہ عمل ہے جس کا نفع میت کو پہنچتا ہے پھر دوسرے اعمال سے نفع پہنچنا خلاف قیاس کیونکہ ہوگا؟

تو برائے حدیث مردہ کی طرف سے صدقہ خیرات، حج وغیرہ کو جائز کر رہی ہیں سب قیاس کے

سب کو ثواب ملے گا

موافق ہیں پھر میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے نزدیک میت کی طرف سے حج بدل جائز ہے تو کیا حج بدل میں میت کی طرف سے قربانی نہ کی جائے گی جو کہ مفرد کے لئے مستحب اور قادر اور متمتع کے حق میں اگر کی جائے گی تو اسی سے میت کی طرف سے قربانی کا ثبوت ہو گیا۔ اگر نہیں کی جائے گی تو آپ حج بدل میں سے ایک شق کو بلا دلیل کم کرتے ہیں۔ اسی سے نمبر ۶ کا جواب بھی واضح ہو گیا۔

نمبر ۶ میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر صاحب استطاعت صحابی ہر سال قربانی کیا کرتے تھے خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی۔

کسی حدیث سے صراحتاً اسی کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ جب حضور نے انھیں کی تاکید فرمائی تھی تو سب اہل استطاعت ایسا کرتے ہوں گے تو اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کا ذکر ہے۔ اور جاد سے آباء و اجداد جن میں صدیقی شیوخ بھی ہیں فاروقی بھی عثمانی بھی ہیں سید و علوی بھی برابر ایک حصہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتے آ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دوسرے صحابی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح کرتے ہوں گے۔ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔ (کا صرح بہ الاموال)

رہا یہ دعویٰ کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اسی کا حکم مخصوص تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسخ۔ بہت ہی عجیب ہے یہ۔ قیاس کی کوئی قسم ہے؟ لہذا اس تخصیص کی کیا دلیل ہے؟ اگر قربانی تو اب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے تو دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو جبکہ دوسرے حضور سے زیادہ تو اس کے فرست مند ہیں؟

اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں تو ابوبکر و عثمان کو اس سے کون مانع ہے؟ یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی مانتا ہو۔

نکل شعرہ حسنہ پر عجیب نکتہ لکھا گیا ہے کہ خالی خون بہانے اور گوشت کھانے کا ثواب نہ ہو نیچے گا بلکہ تقویٰ ہو نیچے گا تو جب تک ایک شخص کا تقویٰ دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو تو اب کیسے ہو نیچے گا۔ اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں اسخ۔ نکتہ بس کو معلوم ہونا چاہیے کہ تقویٰ صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ ہر عمل کے لئے شرط قبول ہے۔ انما یقبلہ اللہ من المتقین

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہوئے کا جواب

فقیر سے استلال کا جواب

(سورہ مائدہ) اس دلیل کا تو حاصل یہ ہوا کہ کسی کی طرف سے حج بدل بھی صحیح نہ ہو کیونکہ قبول حج کے لئے تقویٰ شرط ہے اور وہ منتقل نہیں ہو سکتا تو اس کا حج دوسرے کے کام نہ آئے گا حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور ظاہر ہے کہ نیت بھی ہر شخص کے ساتھ ہے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی تو دوسرے کی طرف سے کوئی عمل بھی صحیح نہ ہو گا نہ زندہ کی طرف سے نہ مردہ کی طرف سے کیونکہ ایک کا تقویٰ ایک کی نیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی ہے نہ صدقہ مالیہ صحیح ہو گا نہ دعا ہو سکتی گی نہ حج بدل ہو گا۔ اور زندہ مردہ سب کیلئے ہی حکم ہوگا۔ ولما قبل یہ آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عمل بغیر تقویٰ و نیت کے قبول نہیں ہوتا۔ دنا یہ کہ قبول کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اُس کو پہنچے گا ہی نہیں۔ قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟ اور حدیث نے بتلایا ہے کہ ثواب منتقل ہو سکتا ہے۔ اذ اقامت ابن آدم ^ص انقطع عمله الا من ثلاث من صدقة جاریة او علم یشفع بہ او ولد صالح یدعولہ

آگے چل کر کہا گیا ہے کہ جس سلسلہ روایت میں متعدد شیعہ ہوں اور اُس حدیث میں حضرت علیؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی ہونا ثابت کیا گیا ہو اُس کو بھی موضوع نہ کہا جائیگا تو پھر کس کو کہا جائے گا۔ روایت کے شیعہ ہونے کا جواب تو آگے آئے گا مگر حدیث میں حضرت علیؓ کو وہی رسول اللہ صلی علیہ وسلم ثابت کیا جانا عجیب استدلال ہے تو کیا جس حدیث میں لفظ اوصانی یا اوصانا آجائے اُس سے صحابی کا وہی رسول اللہ ہونا ثابت ہو گا اور حدیث موضوع ہو جائے گی؟ حالانکہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، اوصانی خلیلی صلعم بثلاث۔ اسی سے نہ کسی نے ابو ہریرہؓ کو وہی رسول اللہ سمجھا نہ اس کو کسی نے صرف اس بناء پر موضوع کہا۔ حضرت علیؓ کی حدیث مذکور ابو داؤد اور ترمذی میں آپ کے اقراء سے موجود ہے۔ امدان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی (ملاحظہ ہوں تمہیدی مقدمات) ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے ابو داؤد نے سکوت کیا ہے اس لئے یہ حدیث غریب حسن سے کم نہیں ہے۔

حاکم صاحب مستدرک سے اس کے متعلق اولاً مقدمہ مستدرک حاکم مطالعہ کر لینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جس نے حاکم کو رافضی جھوٹ کہا ہے وہ خود ناجہبی و خارجی ہو۔ کیونکہ بعضے ناقدین رجال خارجی بھی ہیں۔ آئمہ حدیث نے برابر حاکم کی ان احادیث و اقوال کو حجت مانا ہے جن پر تعقب نہیں کیا گیا۔ امام ذہبی کو تو کسی نے رافضی نہیں کہا انہوں نے مستدرک

حاکم کی تلخیص میں ان احادیث و اقوال پر تعقب کر دیا ہے۔ جو قابل تعقب تھے باقی سب حدیثیں صحیح ہیں یا حسن۔ مقدمہ فتح الباری کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ سلف میں تشیع کے معنی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفدار ہی بمقابلہ حضرت معاویہؓ ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے ان کو علوی یا شعی کہا جاتا ہے۔ جو حضرت معاویہؓ کے طرفدار تھے ان کو عثمانی یا اسوی کہا جاتا ہے۔ حاکم متہم بالتشیع ہے رافضی جمیث نہیں ہے۔ اسی طرح ان محدثوں کے معنی راویوں کو متہم بالتشیع کہا گیا ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور یہ جرح نہیں۔

مشرب کے روایت سے دعویٰ کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری میں ایک روایت بھی شریک کی دکھا دیں تو میں جانوں نہ معلوم وہ کیا جانیں گے؟ کیا اس حدیث علی رضی اللہ عنہ کو صحیح مان لیں گے؟ اور اپنی تحریر کو بالکل غلط؟ تو ملاحظہ ہو بخاری باب صلوٰۃ الاستسقاء ص ۱۳۱، باب علامات النبوة فی الاسلام ص ۵۰، باب الاسراء ص ۱۵۲، و نیز ص ۵۱، باب فضل من مات لولد فاحتجب بخاری ص ۱۹ میں ایک دو روایت نہیں۔ بہت حدیثیں شریک کی روایت سے موجود ہیں۔ بعض روایات میں امام مالک شریک سے راوی ہیں اور مالک غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتے اور ترمذی نے اسی حدیث کو غریب و اقرب عن احمد من الثقات غیر شریک اور شریک رجال بخاری میں سے ہیں تو جس حدیث کا مدار ایسے راوی پر ہو اس کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔ ترمذی کے قول سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غرابت حدیث کا مدار دوسرے روایات پر نہیں ان کی متابعت موجود ہے مدار غرابت صرف شریک پر ہے اور وہ ثقہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

نوٹ۔ چونکہ آپ کا بمانا اصول ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن و حدیث سے صاف طود سے روشنی پڑ رہی ہو اس کے متعلق کسی امام کا فتویٰ پوچھنا بڑی گستاخی ہے۔ ایسے میں بھی صرف قرآن و حدیث ہی کی روشنی میں کلام کرنا چاہتا ہوں اور اس حالت میں آپ کے سامنے اپنے فقہاء کا فتویٰ پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

فیضانِ فتاویٰ

یہ مسئلہ متوجہ

مکتوب

میرے محترم اور بزرگ بھائی! دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
میں آپ کے مراسلے کا جواب بادل ناخواستہ بھیج رہا ہوں۔ اللہ اس کا گواہ ہے کہ میں آپ سے
راہ و رسم محبت رکھنے اور بڑھانے کا متمنی تھا اور ہوں۔ اور عموماً اس طرح کے مناظروں میں قلم سے
سخن گسترانہ حملے نکل ہی جاتے ہیں، چاہے ابتدا کسی کی طرف سے ہو اور پھر اس کا خطرہ رہتا ہے
کہ دلوں میں کھوٹ پیدا ہو جائے۔ خدا ناخواستہ باشد۔

اختلافات کا سامان اس قدر ہوتا ہے کہ شاید ہی دو شخص آپس میں متحد الحیال ہو سکیں
اگر تقلید کا سہارا نہ ہو تو استاد و شاگرد اور سر و مرید میں اتحاد مذہبی شاید ناممکن ہو۔ کونسا
دیہی مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق متضاد و متخالف روایتیں نہیں ملتی، کون سی آیت ایسی ہے
جس کے لئے متعدد تفسیریں ایک دوسرے کی متبائن منقول نہیں۔ میں نے اسی لئے عرض کیا تھا
کہ اس کی کوشش کیوں نہ کی جائے کہ ہم لوگ عقائد و عبادات کے اعتبار سے آج سے تیرہ سو سال
قبل کی دنیائے اسلام میں یعنی عرصہ صحابہ میں اپنے کو پہنچا دیں۔ پھر گزارش ہے کہ ایک بار میرے اس معروفہ مورخہ
۲۰ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ کو پھر مناظر فرمایا جائے۔ اور اس پر غور فرما کر اپنے جواب سے مجھے مطلع فرمایا جائے۔

مولانا ابراہیم قریم کے بتائے طریقہ و عمل کے علاوہ باقی ذرائع سے ایصال ثواب کی فکر۔ جو جس کے سہارا تمام قبر پرستیاں قائم ہیں
مرد و اس کی ہے کہ اگر کوئی مباح چیز بھی ایسی ہو جو مصلحاً لیا محرم ہو گئی ہے تو اس فی نفسہ مباح چیز کو قطعاً بغیر ہونے کی وجہ حرام قرار
دیدیا جائے۔ فقہاء کا یہ مسئلہ اصول شریعت ہے کہ سداً للذیہ مباح چیزوں پر پابندی عامہ کی جاسکتی ہے۔

مقدمین کے بہت سے فتوے اذا ضاقت الامور یوسع واذا اتسع یضاق
کے اصول پر تھے اور دور ضیق کا فتویٰ دور وسعت میں وبالعکس اگر ضیق و وسعت
کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھتے تھے (جائز العمل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس وقت میں سالانہ غیر فراموش
کہ نئے سرے سے تدوین فقہہ کریں خصوصاً معاملات پر محققانہ غور سب پر قدم ہے۔ مگر یہ جیسا کہ
سکتا ہے کہ علماء اپنے جمود کو چھوڑ دیں اور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔

بہر حال جواب مراسلہ با ادب پیش کر رہا ہوں۔ قلبی لغزشوں سے مد گذر فرماتے ہیں نفس جواب
پر نگاہ ڈالی جائے مگر با ادب یہ بھی عرض ہے کہ پہلے سے جواب دینے کا ارادہ نہ قائم فرمایا جائے

مراسلہ کی طوالت کی بھی معذرت عرض کر رہا ہوں کہ اتنی لمبی تحریر باوجود سعی اقتصاد کے ہو رہی گئی۔ بعض فردی باتیں پھر بھی چھوٹ ہی گئیں۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا ایک حقیقہ بھائی

تمنا عاری مجیبی چلواری

مہاجر غفرلہ

۳ فروری ۱۳۵۲ھ

۲ بی کے رائے لین (آغا نواب کی ڈیوٹی) ڈھاکہ

مطابق ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین وسلام علی المرسلین لاسیما علی خاتم النبیین

و علی صحبہ و خیار امتہ اجمعین و بعد

محترمی - وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مقام نامہ سے ایسے وقت مشرف ہوا تھا کہ میں جنوری کے ریڈیو پروگرام سے متعلق درس قرآن کے مضامین تلخیص میں مصروف تھا اور پھر دوسرے متعلق مسائل تو اپنی جگہ پر رہتے ہی ہیں اس لئے اس جواب کے جواب میں کچھ التماس کرنے کے لئے وقت نہ نکال سکا۔ اب جبکہ ریڈیو والے مضامین سے فرصت ہوئی تو لچھ عرض کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ یہ میرے آپ کے در بیان مراسلات محض دوستانہ و مخفیانہ تبادلہ خیالات ہیں یا میتنی معنوں میں انہیں منافہ کہا جائے۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس کی طرف سے نزدیک و دینا نہ حق اور صحیح ہے جس بات کو میرا دل غلط سمجھتا ہو اس کو محض بات کی بچ کے لئے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں یا جس کو دینا نہ غلط جانتا ہوں اس کو آپ کو خوش کرنے کے لئے صحیح کہہ رہا ہوں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اب ستر کے قریب پہنچ چکا ہوں آخر کتنا ہیں گا مرنے کے بعد کی فکر اب بھی نہ کر رہا ہوں گا تو کب کر رہا ہوں گا۔ وہاں اپنے ہی عقائد و اعمال کام آئیں گے۔

نہ اسلاف کچھ مدد کر سکیں گے: اخلاف کچھ کام آئیں گے۔ یوما لا تجزی نفس عن نفس
شبیلاً ولا یقبلہ منہا شفاعة ولا یؤخذ منہا۔ دل و لہر مدینوں (سورہ بقرہ)

نمبر ۱۔ اس کے بعد یہ سرزنش کرنا ہے کہ میرے اکابر بھی بڑے بڑے علماء و فضلاء گذرے ہیں اور بفضلِ
میرے خاندان میں جہاں تک مجھے علم ہے ایک شخص بھی مجھ سے اوپر جا ہی نہیں گذرا۔ اور میں بھی ایک
مدت تک ماعلیہ اکابر کی کو بالکل فرمودہ نبوی ما انا علیہ واصحابی کے مطابق ہی سمجھتا
رہا اور اس بنام پر اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنا ہی ذریعہ نجات جانتا رہا اور انہیں کے
نقش قدم پر چلتا رہا۔ مگر توفیق الہی نے جب دستگیری کا تو پھر تعصب و غلو کی عینک آنکھوں پر سے
اڑ گئی اور نگاہوں کے سامنے سے تسویرِ نفس کا پردہ اٹھ گیا۔ اس کے بعد ماعلیہ اکابر سے
اور ما انا علیہ واصحابی میں جو تمیز بعید تھا اور سے صاف نظر آنے لگا۔

اکابر اور صحابہ کے طریقہ کا فرق

محترم! ما انا علیہ واصحابی کوئی راز سرستہ نہیں ہے، جس کو آپ کے اکابر یا میرے اکابر ہی
جانتے ہوں۔ دعوت کرنے کے لئے تو اہل حدیث سب سے زیادہ اسی طریقے پر چلنے کا دعوے کر
رہے ہیں، اور احمد رضا خان بریلوی کے متبعین سب کے سب اسی طریقے پر چلنے کے مدعی ہیں اور
مجھ کو، آپ کو اور سب کو اس ما انا علیہ واصحابی واسطے طریقے سے جھکا ہوا سمجھتے ہیں۔ ہر ایک کا
دعوے ہے اور ہر ایک کے پاس دلیلیں ہیں۔ جب ایک انڈے کو دو انڈے ثابت کیا جاسکتا ہے تو
پھر کتنا دعوے ہے جو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ہر فرقہ اپنے اپنے معتقدات میں مست ہے۔ قرآن و
حدیث سے وہ صرف یہی کام لیتا ہے کہ اپنے اکابر کے خیرات و حدیثات کو کھینچ کر جس طرح بھی ہو
صحیح ثابت کر دے۔ اتباع کے لئے درحقیقت نہ قرآن سے نہ سنتِ رسولؐ۔ اتباع کے لئے ہر فرقے
کے پاس اس کے اکابر کی سنت اور اس کے اسلاف کی محقرات و محدثات ہیں۔ کل حزب بما لہم فخر۔

نمبر ۲۔ قرآن سے استنباط مسائل میں قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت عربیہ کی پابندی تو فرض عین ہے
اس سے آزاد ہو کر قرآن سمجھنے کی کوشش اتحادِ فرائض آیات اللہ ہے۔

نمبر ۳۔ باقی یہی اصول فقہ کی پابندی۔ تو اول تو یہ ہے کہ اصول فقہ انسانی دماغوں کی پیداوار ہے
جس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے فرقوں کو جلنے دیجئے خود اہل سنت کے نزدیک

بعض بعض باتوں میں اختلاف ہے یہ اصول جس ماحول میں مُدَوَّن ہوئے ہیں اس ماحول کے لئے بہتر مناسب رہے۔ اگر وہ آثارِ اصول اس وقت موت تو لایقہ لگائے سرے سے اس فن کی تدوین فرماتے تھے کو بعض بعض جگہ متقدمینِ اصول فقہ میں اختلاف ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جس بات کو اپنا ایمان صحیح نہ سمجھے اس کو کبھی صحیح نہ سمجھوں اور محض تقلیداً کسی ایسی بات کو حق نہ کہوں جس کو میری دیانت باطل سمجھتی ہے۔ یہی حال اصول حدیث کا بھی ہے کہ میرے نزدیک اصول حدیث میں بھی کسی قدر محو و اثبات کی ضرورت ہے مگر باوجود ان باتوں کے جتنے اوسع میں اصول فقہ و اصول حدیث دونوں ہی میں متقدمین کے کسی متفق علیہ مسئلے سے انحراف نہیں کرتا۔

میں بھی صحیح حدیثوں کو قرآنِ مبین کی شرعی ہی سمجھتا ہوں، اور صحیح حدیثوں کی عینک لگا کر قرآنِ مبین پر نظر دوڑاتا ہوں۔ صحیح حدیثوں سے قطع نظر کر کے صرف قرآن سے مسائل نکالنے کی کوشش کو متغفل گراہی جانتا ہوں اور احادیث صحیحہ کی حجیت فی الدین سے انکار کو الحاد و نزوق بلکہ کفر صریح سمجھتا ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مبلغ قرآن تھے اسی طرح مبلغ قرآن بھی تھے، میری ایک شنوئی فارسی میں ہے جس کا نام ہے ”کتاب و سنت“ اس کے چند اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

۲۵۰

ای کہ گفتی بر نبی آمد بلاغ	بچوں رسانده حاصلش آمد فراغ
نیخزود در آیات اخروی ہم مبین	کاں بلاغ آمد مقید از ”مبین“
بچوں مبین نبود بود لاغ آن بلاغ	نیست جز گل گل اگر باشد چراغ
بے بیاں نبود بلاغ او مبین	داں بیاں باشد نہ ختم المرسلین
آن بلاغ کو بود خاطر نشیں	از بیان مصطفیٰ باشد مبین
گر نگشتہ اصل معنائش آشکار	کے بلاغ لفظ صرف آید بکار
گر نہ معیار سے نہ حق دارد نہ پیش	فہم دش ہر کن بحسب عقل خویش
عقل را اغراض سازد کو رو کر	از ہوسہا عقل را بنود مفر
بچوں ہوس باشد عنان گیر خرد	باشدش در تبع خواہش اخذ و رد

صد تفادات بگری اندر عقول
پس چو باشد عقل او آئین او
حسب تعداد عقول بے حساب
بلکہ ہر کس را بہر شام دسحر
حیف لے نازاں بقول در اسے خویش
بہر تعلیم کتاب آمد نبی
بہر تلقین ہدی آمد رسول
فہم پیغمبر کہ معیاری بود
فہم مرسل نیست بے تفہیم حق
پس چو خواہی مقصد رب قدیر
اندیش رہ بے پئے بہر مراد
اسوہ اش بگر کہ تعلیمش ہاں ست
اسوہ او شرح قرآن آمدہ

مختلف باشد در درود قبول
غیر عقل او نباشد دین او
صد ہزاراں دیں براید یک کتاب
مذہبے دیگر بود دینے دگر
ازہ طغوی منہ بر پائے خویش
جز بتعلیمش کتاب آید غوی
جز بتلقینش ہدی نبود حصول
خود برد افہام حق طاری بود
ہست علمش جملہ از تعلیم حق
فہم پیغمبر نہ تعلیمش بگر
بیچکہ فارغ نہ پیغمبر مشو
یلی قرآن دیں محل نہاں ست
روح دین و جان ایماں آمدہ

از خدا پیغمبر آمد در جہاں
حکمت آموزد، نماید تزکیہ
قول دیگر کے تو اں کردن قبول
سنت او کے بود غیر از کتاب
قول و فعلش شرح قرآن میں است
قول و فعلش ہر دو باشد ازالہ
قول و فعلش آچہ در تعلیم دیں ست
یک تعلیم رب از اقوال رب

تا نماید خلق را سود و زیان
خلق را دارد، تہیید ترویج
وحی را بہتر کہ فہم از رسول
باشد از گل منترع بوئے گلاب
آچہ کرد و آچہ گفت آن عین دیں ست
ہر دو باشد بہرواں را شمع را
جملہ از تعلیم رب العلین است
از چہ باشد مختلف؟ یا للعجب

یہ تقریباً سوا دو سو شعروں کی مثنوی صرف اسی موضوع پر ہے۔ اس میں جہاں رعایت و روایت پرستی کی حفاظت کی گئی ہے وہاں انکارِ تحقیق حدیث نبوی و سنت خلفائے راشدین کو بھی مستقل کفر و ضلالت ثابت کیا گیا ہے

نمبر ۴۔ قرآن کی عبارت النص اور اقتضاء النص دونوں قطعی ہیں جن کا تعلق سیاق و سباق سے لفظاً و معنی ہوتا ہے میں ان کے خلاف کسی حدیث مروی کو حدیث صحیح نہیں سمجھتا اور بغورائے ماخالفہ فرد وہ میں اس کو رد کر دیتا ہوں۔ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ کسی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے منفی قرآنی کا تاویل کروں چاہے وہ حدیث صحیحین ہی میں کیوں نہ ہو۔

نمبر ۵۔ میں ہر حدیث کو قطعی ہی جانتا ہوں کسی حدیث میں قطعیت آ سکتی ہے تو صرف مطابقت قرآن ہی کی بدولت آ سکتی ہے۔

نمبر ۶۔ میں قرآن کو جس طرح حدیثوں کی صحت کا معیار سمجھتا ہوں اسی طرح قرآنی معانی کی تفسیر و تصحیح کے لئے اس حدیث کو معیار سمجھتا ہوں جو قرآنی سیاق و سباق کے مطابق ہو۔ اگر اسی حدیث بھی تفسیر و تصحیح مفہوم یا طریق عمل کے لئے کافی نہ ہو تو تعامل صحابہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ مگر کسی جگہ بھی مطابقت قرآن کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتا۔

نمبر ۷۔ میں قرآن کے سوا کسی ایسی کتاب کو جو دنیا کے مانتوں میں ہے خطائے پاک نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن ہی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اگر کسی دوسری کتاب کو بھی قطعی الصحت تسلیم کیا گیا تو درحقیقت یہ قرآن مجید کی صفت خصوصی پر حملہ ہے۔ بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وعدہ حفاظت الہیہ کے بعد قرآن تحریف و تصحیف سے محفوظ نہ تو کیا ہوا بغیر وعدہ حفاظت الہیہ کے صحاح کی چھ چھ کتابیں ہر طرح کی تصحیف و تحریف و خطائے محفوظ ہیں۔

نمبر ۸۔ امام بخاری نے سنن ابی داؤد نے سنن ابی داؤد سے، بکر نے سنن ابی داؤد سے اور خالد نے سنن ابی داؤد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے تھے۔ اب داؤد، بکر اور خالد کے معصوم عن الخطا ہونے پر ایمان بالغیب کسی طرح لایا جاسکتا ہے خصوصاً جب صحیح بخاری کے بعض راویوں کو ہم مجروح اور محنت مجروح بھی پڑا ہے میں، یا دوسری روایتی شہادتیں مجھ کو اس حدیث کے غلط ہونے کی دلیل ہیں

قرآن کے خلاف ہوا اسے رد کر دو

ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسماعیل بن ابی ادریس کو ائمہ رجال کذاب لکھ رہے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ عوف اعرابی کو شیطان حبیث تک لوگ کہہ گئے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ کو فی قرآن میں تصحیف کرنے سے باز نہیں آیا۔ تمام چھوٹی حدیثیں گھڑنے میں اس کو کیا باک ہو سکتا ہے، مگر صرف اس لئے کہ صحیحین میں ان لوگوں سے روایتیں ہیں اگر کچھ لوگوں نے ان کی وثاقت کا اعتراف کر لیا ہے صحیحین کا بھرم رکھنے کے لئے تو کیا ان کا ایسی روایتیں بھی ہم صحیح مان لیں جو قرآنی سیاق و سباق کی مخالف ہیں؟ میرا ایمان اس کو قبول نہیں کر سکتا۔

نمبر ۹۔ بے شک حدیث رسولؐ حجت شرعی ہے۔ حدیث رسولؐ ہی نہیں بلکہ تعامل صحابہؓ بھی حجت شرعی ہے مگر وہ حدیث، حدیث رسولؐ ہو بھی؟ صرف کسی روایت سے توہر قول حدیث رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ آخر موضوعات بھی تو اسی طرح کے عینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناداً پہنچا دیئے گئے ہیں۔

ما اتکمہ الرسولؐ فخذوہ و ما نہیکم عنہ فاجتنبوہ۔ مگر امام بخاری رحمۃ اللہ کے بنوا خواہ اگر فرمائیں کہ ما اتکمہ عثمان بن ابی شیبہ الذی کان یصحف فی القرآن فخذوہ تو میں اس پر کس طرح ایمان لے آؤں۔

نمبر ۱۰۔ روایت پرستی کے جذبے میں بعض محدثین کا یہ لکھ دینا کہ ترمذی یا ابوداؤد وغیرہ میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے اس کے نزدیک کیا قابل توجہ ہو سکتا ہے جس کی بالغ نظر آنکھیں بخاری و مسلم میں بھی موضوع حدیثیں دیکھ رہی ہیں۔

نمبر ۱۱۔ ترمذی کا یہ لکھ دینا کہ ”میری کتاب میں جس قدر حدیثیں ہیں سب معمول بہا ہیں“ کئی حیثیتوں سے محل نظر ہے۔ (۱) کسی کی معمول بہا؟ بلوری جماعت کی؟ یا کسی فرد واحد کی؟ عہد نبویؐ سے لے کر ترمذی کے وقت تک؟ یا ترمذی ہی کے وقت میں معمول بہا ہوئیں؟ اگر عہد نبویؐ سے ترمذی کے وقت تک معمول بہا رہی ہیں، یہی مراد ہے تو بے شک ایسی حدیث کو دین میں حجت ہونا چاہیئے۔ مگر پھر ایسی سب حدیثوں کو صحیحین میں بھی فرد مروی ہونا چاہیئے۔ ورنہ یہ بات سوچنے کی ہے کہ ایسی حدیث جو عہد نبویؐ سے ترمذی کے وقت تک تمام یا اکثر صحابہ و تابعین و تابعین کی معمول بہا رہی ہیں شیخین نے اس کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ اور اگر عہد نبویؐ میں ہی پر تعامل نہ تھا، صحابہ کی معمول بہا وہ حدیث نہیں ہے بعد کو چند افراد یا کسی خاص فرقے نے اس کو معمول بہا بنا لیا یا کسی خاص شخص کی معمول بہا رہی تو وہ دین کے

صرف حدیث نبویؐ ہی تعامل جائز بھی ہو سکتی ہے۔ بخاری کے ارادہ کے لئے قرآن کے مطابق ہونا شرط ہے۔

روایت پرستی، اصول ترمذی و ابوداؤد

اندر سند و حجت نہیں۔ بلکہ بخوبی ممکن ہے کہ وہ بدعت و ضلالت ہو۔ ترمذی میں اگر تتبع کیا جائے تو موضوعات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

نمبر ۱۲۔ محدثین مؤخرین کا یہ لکھ دینا کہ جس حدیث پر ابو داؤد نے سکوت اختیار کر لیا وہ حجت ہے شاید ایسا لکھنے والوں کے نزدیک ابو داؤد بذریعہ کشف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر حدیث لکھا کرتے ہوں تو جن کی ایسی روایت پرستانہ عقیدت ہو وہ اس پر ایمان لا سکتے ہیں۔ جس کے نزدیک کسی حدیث کی صحت کا معیار صرف مطابقت کتاب اللہ ہے وہ اشخاص و افراد کے اس تحکم کو کب برداشت کر سکتا ہے۔

نمبر ۱۳۔ ”صحیح حدیث“ کے یہ معنی ہی محدثین کے نزدیک نہیں کہ هذا صحیح من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ انہوں نے جو معیار صحت و حسن اپنے اصول و مختصر کے مطابق بنایا ہے اس معیار پر ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اُتر گئی ہے اور بس۔ اس سے زیادہ ان کے هذا حدیث صحیح یا حسن لکھنے کا کچھ مطلب نہیں۔ یعنی جس طرح ہر مسلم قرآن کی ہر آیت ہر قسم لکھا سکتا ہے کہ هذا انزل علیہ ابی بنی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کسی حدیث پر بھی نہ امام بخاری نہ امام مسلم بلکہ امام مالک بھی قسم لکھا کر نہیں کہہ سکتے تھے کہ هذا خرج من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے ترمذی وغیرہ میں سے کسی کے بھی کسی حدیث کو صحیح یا حسن لکھ دینے سے یا امام بخاری و امام مسلم کے اپنی کتابوں کا نام الصصحیح رکھ دینے سے دھوکا کھا کر ان کی ہر حدیث کو قطعی الصحت سمجھ لینا بڑی خطرناک غلطی ہے۔

نمبر ۱۴۔ مختصر یہ ہے کہ صحاح کی کوئی کتاب بھی موضوعات سے پاک نہیں ہے، اور نہ پاک رہ سکتی تھی لایاتہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ یہ صرف اور صرف قرآن ہی کی شان پاک ہے دنیا کی کسی اور کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا مجھ کو تو شرک سا معلوم ہوتا ہے۔ خاص کر کے جب ان کتابوں کی بعض حدیثوں کے بعض راویوں کو ہم دینی خطرناکیوں کا سرچشمہ پاتے ہیں۔

نمبر ۱۵۔ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ ”خصوصاً بخاری و مسلم و ترمذی ابو داؤد و نسائی کی کسی حدیث کو موضوع کہنا تو ان حضرات سے معارضہ کرنا ہے، اور معارضے کے لئے مساوات طرہیں شرط ہے ناقص کو کامل سے معارضے کا کوئی حق نہیں“

میں جو اباً عرض کرتا ہوں کہ ان بزرگوں کا اپنے دفاتر میں قرآن کے خلاف دہلیات کا درج کرنا (اگر واقعی ان بزرگوں نے خود درج کیا ہے اور وہ روایتیں زندہ آدمی کی داخل کردہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جیسا کہ میرا ظن غالب ہے) کیا قرآن کے ساتھ معارضہ نہیں ہے؟ اور ایسی حدیثوں کو جو قرآن کے صریحاً خلاف ہیں، جو قرآن میں کمی بیشی یا بعض حصہ قرآن کے فیض یا بک دال ہیں یا خلاف سیاق و سباق شان نزول بتانے والی ہیں، اور آیت کے مفہوم کو اس کی عبارت النص کے خلاف بدلنے والی ہیں، اور ان کتابوں میں مردی ہیں۔ صحیح سمجھنے والا قرآن میں ان کے ساتھ معارضے کا مرتکب نہیں ہے؟ کیا ان جامعین احادیث کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بدوئات کو قرآن مجید کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل ہے؟ اگر ان ناقصوں کو قرآن جیسے کامل و مکمل سے معارضے کا حق ہے تو مجھ جیسے ناقص کو بھی ان کاملوں سے معارضے کا حق حاصل ہے۔

میں کسی حدیث کو صرف اس لئے رد نہیں کرتا کہ میرے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ میرا کوئی مسلک قرآن و سنت کے سوا ہے ہی نہیں۔ نہ اس لئے رد کرتا ہوں کہ میرے فرقے کے خلاف ہے کیونکہ میرا کوئی فرقہ ہی نہیں۔ میرا مذہب صرف اسلام ہے اور میں صرف مسلم ہوں۔ نہ میں کسی حدیث کو اس لئے رد کرتا ہوں کہ میرے اکابر، میرے آباؤ اجداد یا میرے پیران سلاسل کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے کہ میں تمام اکابر و دسارے پیران سلاسل اور اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ جتنی بھر بھی عقیدت اور جتنا غلو رکھتا تھا سب کو قرآن و سنت ثابتہ پر قربان کر چکا ہوں اور اکابر پرستی و آباء پرستی و پیر پرستی سے مدت ہوئی کہ تو بے کر چکا ہوں۔ میں جیسی کسی حدیث کو موضوع قرار دے کر رد کرتا ہوں کہ اس کو قرآن مجید کے خلاف صراحتہً پاتا ہوں۔

نمبر ۱۶۔ قرآن و حدیث کے تعارض کو مٹانے کے لئے قرآنی آیت کی تاویل، اور ایسی تاویل جس سے اتفاقاً النص ہی بدل جائے یا مفہوم عبادۃ النص کے مطابق نہ رہے یہ میں حرام سمجھتا ہوں اور اس کو الحاد فی آیات اللہ جانتا ہوں۔

اور ایسی حدیثوں کی تصحیح کے خیال سے انہیں کی تاویل دیکھ کر کے اپنے دل کر یا اپنے ہتھیاروں کو چپ کر دینا بھی خطرناک غلطی جانتا ہوں۔ کیونکہ خطرناک حدیثوں کی لایعنی تاویلیں ان کی خطرناکی کو نہیں مٹا سکتیں، ممکن ہے کہ تاویل کرنے سے اس کے معتقدین و تلامذہ کی تشفی ہو جائے مگر خالی الذہن

قرآن کی تاویل یا حدیث کی تاویل

لوگوں کے شکوک اور بڑھ جائیں گے اور مخالفین کو اعتراض کا زیادہ موقع ملے گا۔ ان وجوہ کی بنیاد پر یہی جس حدیث کو بھی قرآن کے خلاف پاتا ہوں، بلا خوف و ہمت لازم اپنی ایمانی قوت کے ساتھ اس کو موضوع ہکر دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ایسی ناپاک حدیثیں ان بزرگوں کی کتابوں میں ان کے بعض محدثانہ یا کاتبوں یا وفاقوں نے داخل کر دی ہیں، خود ان بزرگوں نے ایسی حدیثیں کبھی اپنی کتابوں میں جان بوجھ کے نہیں درج کی ہوں گی۔ بحکم اللہ و تجاوز عن ذلالتہم۔

نمبر ۱۸۔ ان معروضات کے بعد خیال فرمایا جائے کہ سیوطی نے اگر تدریب یا اتفاق وغیرہ میں کچھ لکھ دیا یا مندری و مشکافی کی قلمی جولانیوں کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔
آنگٹے کردہ اسی موافق را بہر شناسد قلیل دواقف را

نمبر ۱۸۔ اس جواب الجواب سے میری غرض مناظرہ اور سلسلہ مراسلات کی اطالت نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے حالات و خیالات کی اطلاع اس مقصود ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جناب کو میری خیالات کا اتفاق نہ ہو گا بلکہ میرے خیالات پر تعجب ہو گا۔
قرآن کی حدیثی شرح

نمبر ۱۹۔ جناب نے خود جو تحریر فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جناب اور جناب کے اکابر کے نزدیک حدیث کو قرآن کی شرح ہونا چاہیے۔ اور احادیث ہی کی روشنی میں قرآن کو سمجھنا چاہئے۔ مگر خدا کا بزرگ عظیم کی آیت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس سے نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا؟ ذابح کون تھا؟ اور فدیہ کس بات میں تھا؟ اور یہ فدیہ حقیقہ تھا یا انجیہ؟ اس آیت کے سلسلے میں جو دو آیتیں آئی ہیں ان کی طرف بھی تو توجہ فرمائی چاہیے۔ میں نے یہ کب کہا کہ اگر قرآن کسی شرح کا محتاج نہیں ہے اپنے مفہوم کو خود ادا کر دیتا ہے تو انسان اپنی کم علی و کوتاہ عقلی کی وجہ سے قرآن کو صحیح طور سے اور پوری طرح سمجھنے کے لئے کسی تعلیم و تہذیب کا بھی محتاج نہیں ہے؟ ایک حکیم بھی ایک نسخہ لکھتا ہے تو دواؤں کے نام لکھ کر کوفتہ یا حتمہ جوش دادہ بہراہ شربت دنیا ۲۰ تولہ بزنشد لکھ دیتا ہے مگر نہ دواؤں کی پہچان بتاتا ہے نہ شربت دنیا کا نسخہ لکھتا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ یہ دوائیں کہاں ملیں گی۔ مگر کوئی بھی اس نسخے کو ناقص اور غیر مفید سمجھنے نہیں کہتا۔

نمبر ۲۰۔ مسئلہ ابیکہ ابناہیدہ والی حدیث صحاح سے باہر نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں موجود ہے۔ ابن ماجہ کہ صفحہ ۱۰۰ ایک حدیث کی وضاحت کے گمان پر تو جس حدیث نے مخرج نشان نہ دیا ہے

یقیناً ان میں یہ حدیث نہیں ہے اور بہت سی دغیرہ ہی نے نہیں بلکہ مسند امام احمد میں امام احمد نے بھی (اگر وہ امام احمد کی تالیف واقعی ہے) اس کو روایت کیا ہے۔ اس کے رجال میں بے شک ایک شدید کذاب ہے اور وہ ابو داؤد نفعی ہے مگر جس طرح محدثین کے نزدیک کسی حدیث کا صحیح الاسناد ہونا اس کی صحت کی دلیل قطعی نہیں ہے بالکل اسی طرح میرے نزدیک کسی حدیث کے سلسلہ اسناد میں کسی رافضی یا منکر الحدیث یا دضار و کذاب کا ہونا اس حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل قطعی نہیں جھوٹے سے جھوٹا آدمی بھی سچ بول سکتا ہے۔ دضاعین و کذابین یقیناً دس سچی حدیثوں میں دو ایک اپنی من گھڑت حدیث بھی لگا دیتے ہوں گے۔ ورنہ اگر وہ صرف جھوٹی ہی حدیثیں روایت کرتے رہتے تو ان کا عیب نہ چھپتا اور پھر کوئی بھی ان کی کوئی حدیث روایت نہ کرتا۔ اسی حدیث کو دیکھیے کہ ابو داؤد نفعی جیسے کذاب رافضی نے اس کی روایت کی ہے اور اس سے عائذ اللہ روایت کرتے ہیں جو منکر الحدیث ہیں۔ مگر عائذ اللہ سے جو روایت کرتے ہیں سلام بن مسکین وہ ثقہ ہیں سلام سے مسند احمد میں یزید بن ہارون روایت کر رہے ہیں جو مشاہیر حفاظ میں بڑے پائے کے محدث ہیں، آپ جانتے ہیں، ان سے امام احمد ان سے ان کے صاحبزادے عبد اللہ روایت کر رہے ہیں۔

ابو داؤد ماجہ میں سلام بن مسکین سے آدم بن ابی ایاس ان سے محمد بن خلف اور ان سے ابن ماجہ روایت کرتے ہیں اور یہ سب ثقہ ہیں جن پر کسی طرح کی جرح نہیں۔ باوجود اس کے کہ ابو داؤد نفعی سے امام احمد و ابن ماجہ سب واقف تھے خود امام احمد کی جرح اس پر موجود ہے۔ مگر اسی اصول کے بناء پر یہ حدیث سلام بن مسکین اور سلام سے یزید بن ہارون جیسے محدث نے اور آدم بن ابی ایاس جیسے کھرے راوی نے یہ حدیث لی اور امام احمد و ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کو درج کر لیا (جیسا کہ مسند احمد کو امام احمد ہی کی تالیف کہا جاتا ہے اگرچہ اس کی حقیقت محققین سے پوشیدہ نہیں) غرض جو حدیث قرآن کے مطابق ہو۔ درایت اس کو قبول کرتی ہو، کوئی راوی یا اس کے متعدد راوی بھی دضار و کذاب ہوں تو وہ محتمل الصحۃ ہو سکتی ہے اجتماع و استدلال تو قرآن و سنت ثابتہ سے ہے ایسی روایتیں محض تائید کا کام دے سکتی ہیں، ادبی کام لیا گیا تھا۔ اگر صرف اسی حدیث پر مدار استدلال ہوتا تو بے شک یہ صحیح ہوتا۔ اور پھر جو

لوگ حدیث کو دینی غیر متعلقہ اور مثل قرآن مع القرآن ماننے میں۔ قرآن کے علاوہ قرآن سے باہر احکام حدیثوں میں ہونا جن کے نزدیک ثابت و مسلم ہے۔ جو صحاح ستہ کی ہر حدیث کی حجت سمجھتے ہیں، ان کے لئے تو صحاح کی ہر حدیث حجت ہے اور ان پر تو حجت ہے۔ مجھ پر حجت نہیں ہے مگر میرے لئے حجت ہے۔

نمبر ۲۱۔ جناب نے اس سنہ ابراہیم والی حدیث کو قرآن میں ان کے خلاف قرار دیا ہے۔ حلالہ کہ یہ قرآن کی فخر ہے اور قرآن اس کی صحت کی تائید کرتا ہے۔ حدیث کی تعمیر صحیح مسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے۔ مگر ذبح کیا تھا حضرت ابراہیمؑ ہی نے۔ اس لئے یہ سنت ابراہیمی ہے لیکن اس کو سنت ابراہیمی بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لکل امة جعلنا منسكا وادناہیل وفاضیل کا قربانی دینا بھی بالکل صحیح ہے۔ بے شک قربانی ایک سنت قدیم ہے مگر تعین ماہ و تاریخ کے ساتھ جس نوعیت میں مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اس نوعیت کے ساتھ وہی سنت قدیم سنت ابراہیمی بن گئی۔ اس لئے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر فرض ہوئی۔ اس میں مخالفت کی کوئی بات ہے مخالفت ہونا اور بات ہے اور مخالف ثابت کرنا اور بات۔

نمبر ۲۲۔ تعجب ہے کہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ”ماتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی تھی اور یہ ان کی سنت ہے۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ زندہ کی طرف سے کی تھی مردہ کی طرف سے نہیں کی تھی“ حدیث کی تعمیر مفعولی مامور بالذبح حضرت اسمعیلؑ ہی کی طرف پھرتی ہے نہ کہ کسی اور کی طرف، اور وہ یقیناً زندہ تھے اس لئے کہ قربانی زندہ ہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ کسی مردہ کی اس میں حرکت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ تعمیر مفعولی واحد ہی کی ہے۔

نمبر ۲۳۔ جناب نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ حدیث کے الفاظ پر جو کچھ بڑھایا جائے، اس کو کسی حدیث ہی سے ثابت کیا جائے تو سند حدیث سے ثابت ہوگا ورنہ اپنی رائے اور حاشیہ سے ثابت ہوگا۔ ”ان محترم اپنی اس عبادت کو ابھی طرح ذہن نشین رکھیں۔ آگے چل کر یہ بہت کام آئے گی۔

میں نے تو حدیث کو قرآن کے ساتھ بطور بدر قد پیش کیا ہے۔ صرف اس حدیث سے تو میں نے کچھ ثابت نہیں کیا ہے فدینہ بذبح عظیم سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسمعیلؑ کا فدیہ ایک ذبیحہ کے ذریعے دوا دیا۔ ذابح حضرت ابراہیمؑ کے سوا دوسرا

کون ہو سکتا ہے؟ خواب میں انہوں نے دیکھا تھا۔ جو حضرت اسمعیلؑ سے کہا کہ افعیٰ افعیٰ فی
 المناذر افعیٰ اذبحا پھر اس خواب کو حکم سمجھ کر جب حضرت اسمعیلؑ نے کہا کہ یا بئنا افعلی
 ما تومر تو حضرت ابراہیمؑ ہی ذبح کے لئے تیار ہوئے۔ فلما استلما ہی جو تثنیہ کی ضمیر فاعلی
 ہے وہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمعیلؑ ہی کی طرف پھرتی ہے اور تکرار کی ضمیر فاعلی حضرت ابراہیمؑ
 کی طرف اور ضمیر مفعولی حضرت اسمعیلؑ کی طرف صاف طور سے پھر رہی ہے۔ اس پر بعد جو زرا دی گئی
 کہ قد صدقت الرؤیا اس کے مخاطب حضرت ابراہیمؑ ہی تھے اس کے بعد وہ قد صدقت کی ضمیر مفعولی
 کا حضرت اسمعیلؑ کی طرف پھرنا صاف بتا رہا ہے کہ ذبحہ کے ذابح حضرت ابراہیمؑ ہی۔ غرض۔
 قرآن مجید کے اس تصریحی بیان کے باوجود یہ کہنا کہ ”قرآن سے“ نہ یہ معلوم ہوا کہ ذبح عظیم کیا تھا۔
 ذابح کون تھا اور فدیہ کس بات میں تھا، اور یہ فدیہ عقیقہ تھا یا اضحیحہ؟ ”جناب کی علمی و دینی بصیرت
 سے بہت بعید ہے۔ عقیقہ یا اضحیحہ کی اصطلاح تو بعد کی ہے اس کو عہد ابراہیمی میں تلاش کرنا عجیب
 بات ہے۔ ذبحہ یقیناً کوئی حلال چارپایہ ہی تھا۔ اونٹ ہو یا سینڈھا، بکری ہو یا دنبہ، جو بھی
 ہو حدیثوں کی تشریح سے قطع نظر بھی کہ لیجئے تو اس کا جاننا کچھ فروری نہیں اسی لئے ترجمانوں کی
 تعین فرض نہیں ہے۔ مگر یہ تو قرآنی تصریحات مذکور سے ثابت ہو گیا کہ ذابح حضرت ابراہیمؑ ہی تھے
 اور فدیہ انہیں کے ہاتھ سے دلوایا گیا تو پھر حدیث میں جو اضحیحہ کہ سنت ابراہیمیؑ کہا گیا تو یہ قرآن سے
 مطابقت ہوئی یا قرآن کی مخالفت؟ تو پھر میں نے جو اس حدیث کو قرآن کی متابعت میں پیش کیا تو کیا
 غلط کیا؟ **بَيِّنُوا نَوَجْرُوا۔**

مَنْ سے کیا مراد ہے؟

نمبر ۲۔ جناب نے حدیث سے غلط استدلال کی سرخی قائم فرما کر ایسا استدلال پیش فرمایا ہے جو جناب
 کے علم و فضل سے بالکل غیر متوقع ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مَنْ کا لفظ اس قدر عام ہے کہ اس میں حضرت
 آدمؑ سے لے کر قیامت تک جتنے انسان پیدا ہوں گے وہ سب کے سب داخل ہیں۔ مگر مَنْ جس
 جملے میں ہو گا اس جملے کے مطابق اپنی تجدید خود کرے گا۔ مَنْ قَتَلَ فِتْنَةً سَبَّحَ۔ اس جملے میں
 کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے کسی خاص وقت کسی خاص جماعت اور کسی خاص جگہ کے لئے اس کو
 مخصوص سمجھا جائے۔ تو کیا اسے ہابیل و قابیل کے وقت سے قیامت کے لئے ایک حکم عام کوئی کہہ

سکتا ہے؟ انہ الرزین امنوا والذین ہادوا والنصارى والصائین من امن باللہ
والیوم الآخر الایۃ کیا یہاں من کو زندہ مردہ سب کے لئے کہا جائے گا؟ من قال لا الہ
الا اللہ دخل الجنة میں کیا من کے مفہوم میں مردوں کو بھی شامل سمجھا جائے گا؟ مرنے
کے بعد تو ہر کافر مشرک کو اس کا اعتراف ہوگا۔ پھر آپ من لم یفتح کے من میں مردوں کو کس
طرح داخل فرما رہے ہیں؟

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”اگر حدیث میں عن من لم یفتح من اصحابی ہوتا تو آپ کا مطلب
ظاہر تھا۔ لفظ امتی کو زندوں کے لئے خاص کرنا بالکل خلاف ظاہر ہے۔“

محترم! افسوس کہ فرضیت سے پہلے بہت سے صحابہؓ بھی وفات پا چکے تھے۔ اس لئے نہ
اصحاب ہی کا لفظ زندوں کے لئے مخصوص سمجھا جاسکتا ہے نہ امت ہی کا لفظ۔ یہاں زندوں کی خصوصیت
من یا امۃ کے لفظ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ لم یفتح کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ زندوں کے لئے
مخصوص ہے اس لئے کہ جانور فرید نہ اور اس کو قربان گاہ تک لانا اور پھر ذبح کرنا زندوں ہی سے
ہو سکتا ہے، کسی مردے سے ان کاموں کی ترقہ نہیں کی جاسکتی۔ قربانی کرنے والے زندہ مسلم کو
آپ مٹھتی کہہ سکتے ہیں اور جس زندہ انسان نے قربانی نہ کی اس کو آپ غیر مٹھتی کہہ سکتے ہیں
مگر کسی مردے کو آپ کبھی غیر مٹھتی نہیں کہہ سکتے جس طرح کسی گھوڑے، کسی بیل کو، کسی شجر و
جر کو آپ غیر مٹھتی نہیں کہہ سکتے۔ میں نے تقابل عدم و ملک کا ذکر کر دیا تھا مگر افسوس کہ آں محترم نے
اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ جو عذیں صرف محدث ہی تھے انہیں تقابل عدم و ملک کی کیا خبر؟ شریک
بن عبد اللہ الکوفی کی زیر بحث روایت سے وہ متاثر تھے ہی، لگے یہاں بھی امۃ کے لفظ کو زندہ و
مردہ میں عام کر کے شریک کی حدیث کو تقویت پہنچانے۔ من امن بی وصدق من امتی۔ یہاں تو
من امتی کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ امتی سے مراد اس وقت کی موجودہ جماعت تھی ورنہ من امن
بی وصدق بتی کہنے کے بعد من امتی کا لفظ محض بیکار اور لالیعنی ہے۔ یہ من امتی کا لفظ صاف بتا
رہا ہے جو ایک قید کی موت میں ہے کہ ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے جو گنہگار اور جو تائب
آئیوئے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور جو آئندہ آنے والے تو اس میں بھی داخل نہیں ہو سکتے کہ لم یفتح
ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ زمانہ مستقبل میں جو لوگ قربانی نہیں کریں گے وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتے

اس لئے یہ لکھنا صحیح نہیں کہ "جبکہ بعد والوں میں بھی ایمان اور تصدیق کی صفت موجود ہے۔" جناب نے میرے بلا سند حدیث نقل کرتے پر تو الزام دیا ہے مگر خود مجمع الزوائد کی حدیث جو صحاح کی بھی نہیں اس کو بلا سند ایسے شخص کے سامنے فرما رہے ہیں جو صحاح کی حدیثوں کو بھی بغیر رکھے ہوئے آنکھیں بند کر کے محض تقلیداً ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آپ کے نزدیک صرف کتابیں سند و حجت ہیں۔ آپ کو اسناد سے کیا کام؟ اسناد کی ضرورت تو اس کو ہے جو اسناد کو پرکھے۔ نمبر ۲۵۔ میرا یہ کہنا کہ "حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ غریبوں تنگ دستوں کی جانوں کا فدیہ نہ ادا ہو ایسے آپ نے ایسا کیا۔" آپ کے نزدیک "میرا طبع فراہ حاشیہ ہے" چونکہ "حدیث کا کوئی لفظ اس پر دال نہیں،" حالانکہ یہ میرا طبع فراہ نہیں اور قرآن و حدیث دونوں کے الفاظ اس مفہوم کو ظاہر کر رہے ہیں۔ میں اپنے پہلے جواب میں بھی اور اس مراسلے میں بھی ثابت کر چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی جان کے بدلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک جانور فدیہ کی حیثیت سے ذبح کرایا، جس سے یہ ثابت ہے کہ جانور کی قربانی انسانی جان کا فدیہ ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ قربانی جو سنت قدیمہ ہے مسلمانوں پر تعین ماہ و تاریخ کے اعتبار سے سنت ابراہیمیؑ کی حیثیت سے فرض ہوئی اگلی امتوں پر قربانی فرض تھی تو اس وقت قربانی دینے والے کے تقویٰ کے مطابق اس کو قربانی کا ثواب آخرت میں ملنے کی امید رہتی تھی، اور دنیا میں اس کو یا فقراء و مساکین کو گوشت خوری کا ایک پُرلطف موقع تھا۔ اور بس۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ نے اس کو سنت ابراہیمیؑ اپنے رسول کی زبان مبارک سے قرار دے کر ایک نیا فائدہ فدیہ جان کا بھی عنایت فرمایا۔ اسی لئے قربانی دینے والے اپنے نابالغ بچوں اور نادار اولاد اور یتیموں کی طرف سے بھی قربانی دیتے ہیں تاکہ ان کی جانوں کا فدیہ ادا ہو جائے اس لئے یہ مفہوم میرا طبع فراہ نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہے جن کی طرف قرآن و حدیث کے الفاظ ہی کافی رہنمائی فرما رہے ہیں۔

مگر جناب خود اپنے استدلال میں بلا دلیل تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر قربانی ثواب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے (کہاں ہو سکتی ہے کیا آپ نے اس کو

سکے کو ثابت کیا؟) تو دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو؟ جب کہ دوسرے حضورؐ سے زیادہ ثواب کے ضرورت مند ہیں، یہی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کونسا طریق استدلال ہے؟ آپ کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مخاطب اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ ”قربانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہو سکتی ہے“ کیا اس سے زیادہ نمایاں کوئی مثال مضادہ علی المطلوب کی ہو سکتی ہے کہ جو موضوع میرے آپ کے درمیان مابہ النزاع ہے جو مجھے بالکل تسلیم نہیں آپ اس کو تسلیم شدہ قرار دے کر اس پر قیاس کر کے اور غلط قیاس کر کے ایک نئی چیز بھی مجھ سے منوانا چاہتے ہیں؟۔

نمبر ۳۶۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ”دوسروں کی طرف سے کیوں جائز نہ ہو جبکہ دوسرے حضورؐ سے زیادہ ثواب کے ضرورت مند ہیں“ تو پھر درود بھی دوسروں کے لئے پڑھنا چاہیئے اللہم صلی علی فلاں فلاں وبارک وسلم پڑھنے کا حکم دیدیجئے۔ کیونکہ دوسرے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دعائے رحمت و برکت و سلامت کے محتاج ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں ”اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضورؐ کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں تو ابو بکرؓ و عمر و عثمانؓ کو اس سے کون مانے ہے“ آپ کی شرط کو کس نے تسلیم کر لیا ہے جو آپ جزاء کو بھی اس غیر تسلیم شدہ شرط کی بنیاد پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں؟

کیا یہ طبعاً و نہیں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دی تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ضرور قربانی دی ہوگی؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟

نمبر ۳۷۔ جناب نے نامکمل جملہ تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی مانتا ہے“ اس کے بعد ایک اور جملے کی ضرورت ہے ”اور اس حدیث شریک الکوفی کو صحیح تسلیم کرتا ہے“ دونوں جملے جب تک ملا کر ایک جملہ معطوفہ نہ بنے اس وقت تک یہ جملہ صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ واقعہ ہے

لے ان بزرگوں کے اسمائے گرامی کو نہ ”حضرت“ کے لفظ سے شرف بخشا گیا نہ ”رضی اللہ عنہ“ نام کے بعد قوم ہے یہ صورت تفصیل معلوم نہیں کیوں اختیار فرمائی گئی؟ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

کہ بعضی لوگ جو اس حدیث غلط کو صحیح مانتے ہیں وہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری نہیں مانتے ہیں اور اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں وہ اسی قسم کی طبع زاد باتوں سے اپنے دل کو تسکین دے لیتے ہیں کہ حکم مخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو نہ تھا دوسرے لوگ بھی ضرور کرتے ہوں گے۔ چاہے کسی دوسرے صحابی کے ایسا کرنے کا کوئی ثبوت کبھی خواب میں بھی نظر نہ آئے۔

نمبر ۲۸۔ آن محترم نے ص ۶۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”نمبر ۶ میں کہا گیا ہے (یعنی اس حقیقت نے کہا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر صاحب استطاعت صحابی ہر سال قربانی کیا کرتے تھے۔ غفلتِ ناشدین کے زمانے میں بھی اور ان زمانوں کے بعد بھی الخ (میری عبارت نقل فرما کر جناب اوقاف فرماتے ہیں) کسی حدیث سے مزاحمت اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ جب حضورؐ نے اجماع کی تاکید فرمائی تھی تو سب اہل استطاعت ایسا کرتے ہوں گے۔ تو اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر ہے۔ اور ہمارے آباد و اجداد جن میں صدیقی شیوخ بھی ہیں، فاروقی بھی، عثمانی بھی ہیں، سید و علوی بھی۔ برابر ایک حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دوسرے صحابی بھی حضرت علی کی طرح کرتے ہوں گے۔“

یہ طریق استدلال اختیار فرما کر جناب نے مجھے اپنی طرف سے تقریباً مایوس کر دیا۔ کہاں اجماع کے حکم کی تائیدی حدیثیں جن کی مجموعی تعداد پر نظر ڈالنے سے اس حکم کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور وہ حکم بھی عام ہر صاحب استطاعت کو اور کہاں شریک بن عبد اللہ الکوفی نہیں قرأ القرآن یا حنظل کی من گھڑت ایک غریب بلکہ عجیب و غریب آحاد روایت! کہاں راجہ بھوج اور کہاں بھجواہ تیلی! دونوں کو ایک ترازو میں رکھ کر دونوں کا وزن برابر دکھانا آج جیسے علمائے دین سے بہت بعید ہے صحیح بخاری کتاب الاضاحی میں ہے ص ۲۳۲ قال یحییٰ بن سعید سمعت ابا امامۃ بن مہل قال کننا نسبق الاضاحیۃ بالمدينة وكان المسلمون یسمنون۔ پھر اسی باب میں ص ۲۳۳ کی پہلی سطر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پاک منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من ذبح قبل الصلوة فاتمأ بذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلوة فقد تم نكحه وامأ سنة المسلمين۔

جس سے صاف یہ ظاہر ہے کہ عہد نبوی ہی میں قربانی سنت المسلمین بن چکی تھی اور تمام مسلمانوں میں اس کا عام رواج قائم ہو چکا تھا۔ صرف مرد ہی نہیں عورتوں پر بھی قربانی اسی طرح فرض تھی جس طرح مردوں پر بلکہ عورتیں بھی کبھی اپنے ہاتھوں سے جانور ذبح کرتی تھیں۔ امام بخاری نے اسی صفحہ میں باب باندھا ہے من ذبح صحیۃ غیرہ واعان لاجل ابن عمر فی بدنتہ وامر ابو موسیٰ نباتہ اور یضیحان یا ید یکن۔ گو عنوان کے تحت عنوان کے مطابق کوئی حد نہ ذکر نہیں ہے۔ بجز اتنی بات کے کہ صحیح رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم عن نساۃ بالبقر۔ اگر عنوان باب کے مطابق اس کے معنی سمجھے تو سمجھنا ہو گا کہ ازدواج مطہرات نے اپنے مال سے جانور خرید لیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ذبح کر دیا تھا۔ واللہ اعلم باقی دو باتیں جو عنوان میں ہیں جن کا تعلق دو واقعوں سے ہے عنوان میں ان واقعوں کا ذکر ہوتا رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک وہ دونوں واقعے صحیح ہیں مگر روایت ان کی تشفی کے مطابق نہ ملی اس لئے حدیث نہیں لکھی یا مسودے میں درج نہ فرما سکے۔ البتہ حدیث میں ایسی بات نہ ذکر نہ ہو رہے جس کو عنوان سے کوئی مناسبت نہیں۔

بہر حال۔ پھر صفحہ ۸۲ میں ابو عبیدہ مولیٰ بن زہر سے ایسی حدیث بھی موجود ہے جس سے خلفائے راشدین کے زمانوں میں بھی عید الانحیہ کی قربانی کے عام رواج کا ثبوت مل رہا ہے۔ ایسی متعدد اول معمول بہا سنۃ متواترہ کے مقابلہ میں کوئی شیعوں کی ایک من گھڑت بالکل احاد روایت جس کے اکثر راوی مجروح اور ایک ایسا مجبول جس کا نام صرف اسی ایک سلسلہ روایت میں آتا ہے۔ آپ اس طرح پیش فرما رہے ہیں جس طرح دونوں مقابل کی چیزیں ہوں۔ مولانا نیری سلسلہ کا آپ سے مقابلہ سخت گستاخی، ائمہ حدیث کے مقابل میرا ناقص کا مقابلہ کاملین سے ہے۔ مگر ایک سنت متواترہ اور بیسیوں احادیث مشہورہ و متعارفہ و معمول بہا کے مقابل ایک ایسی احاد موضوع روایت کا پیش کرنا برابر کا جوڑ سمجھا جائے، تعجب ہی تعجب ہے۔

اضحیہ کا حکم اور تاکید ی حکم لمن لویضم فلا یقرب مصلانا او کما قال، اور صرف حضرت علیؑ سے یہ کہہ دینا کہ تم میری طرف سے ہر سال قربانی کر دیا کیجیو، دونوں کو کس طرح برابر سمجھا جاتا ہے۔ اگر واقعی حضرت علیؑ کو یہ حکم ہوا بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی دوسرا بھی یہ سمجھ لے کہ میں بھی یہ کر سکتا

سکتے ہوں۔ اگر روایت میں یہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عام مخاطبت کے ساتھ کہا کہ جس کو موقع ہو جس کو گنجی لٹن ہو میری طرف سے بھی قربانی دے دے اور اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ قربانی دیا کرتے تھے تو یہ گمان کیا جاسکتا تھا کہ دوسروں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرور قربانی کی ہوگی۔ سب نے نہیں تو اکثروں نے یا کم سے کم بعضوں نے۔ مگر جب روایت میں عام مخاطبت نہیں ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ واحد متکلم امرتی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب روایت تو مذی فرما رہے ہیں اور حسب روایت ابوداد اوصانی ان اضحیٰ عنہ کہہ رہے ہیں تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ممبر پر چڑھ کر خطبے میں بھی ایسا بیان فرماتے تو سننے والے یہ سمجھ سکتے کہ ہم لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں۔ اور اگر دوسرے لوگ بھی ایسا کرتے ہوتے تو اس حدیث کا رادی ضرور یہ بھی کہتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کم کر، ہم لوگ بھی ایسا کرنے لگے۔ رادی کو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت دکھانی مقصود تھی، اور اسی لئے یہ روایت اس نے گھڑی تھی۔

جناب مہد صاحبہ و تابعین و اتباع تابعین کا تو کوئی واقعہ اپنی تائید میں نہ پیش کر سکے۔ البتہ اپنے آباء و اجداد کا تعالٰیٰ پیش فرمایا ہے مگر غالباً آنحضرم اس کی بھی تدریج نہیں پیش فرما سکتے کہ کس وقت سے اور کتنی پشت اوپر سے جناب کے آباء و اجداد اس کے پابند چلے آئے ہیں۔ یہ یقیناً ہندوستان میں آنے کے بعد ہی سے اس کا سلسلہ شروع ہوا ہوگا۔ تیمور کے زمانے ہی سے شیعہ رسوم اور شیعہ حدیثیں اہل سنت میں فروج و متعارف ہونے لگی تھیں۔ پھر نذر جہاں کے زمانے میں یہاں تک کہ لکھنؤ کے نوابوں کے عہد میں تقریباً سارا یورپی شیعہ نہیں تو تفصیل ضرور تھا۔ آج تک کاوری کے مشائخ کو دیکھ لیجئے کس قدر تفصیلت میں غلو رکھتے ہیں۔

اور اس میں آپ ہی کے آباء و اجداد کی خصوصیت نہیں ہے۔ میرے آباء و اجداد جو جعفری زینبی ابا عن جد اور اہبات کے اعتبار سے زیادہ تر حسنی حسینی گذرے وہ بھی باوجود علم و فضل و ورع و تقویٰ کے اس قسم کے محدثات سے بالکل محفوظ نہ رہ سکے۔ مگر محترم! ہم لوگوں کو تو حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا کے مصداق بننے سے بہت بلند رہنا چاہیئے۔ ان لوگوں نے غور نہ کیا۔ بعض بدعات کو سنت سمجھ کر بہ نیت اتباع سنت کرتے رہے۔ اب ہم لوگ پاکستان جیسی ایک نئی اسلامی حکومت میں ہیں۔ جہاں اسلامی حکومت قائم کرنے کی فکر ہے، جس کے ذمہ دار آپ

ہی جیسے اکابر علمائے پاکستان ہیں، اگر یہاں کے اکابر علماء اپنے آباء و اجداد کے اتباع کو مرکزِ جد و جہد بنا کر ضعیف سے ضعیف اور موضوع سے موضوع حدیثوں کا سہارا ڈھونڈتے پھریں گے تو پھر حدیثوں کے ذخیروں میں کیا کیا کچھ نہیں ہے اہل بدعات و ابوا کو ہم لوگ راستہ دکھا دیں گے کہ جو کدہ ہے، ہو کئے جاؤ اور حدیثوں کے ذخیروں میں ڈھونڈ کر کوئی روایت ایسے موافق نکال لو اور پھر ہر بدعت کا نام سنت رکھ کر اس کو کئے جاؤ کہ آخر ہمارے آباء و اجداد اتنے زمانے سے کیوں کر رہے ہیں یقیناً قرونِ شہود لہذا اخیر میں بھی ان باتوں کا رواج ہو گا۔ ورنہ پھر یہ رواج قائم کس طرح ہو گیا؟ اگر حدیث کی کتابوں میں ذکر نہیں ہے تو بقول آنِ محترم کے ”^{۴۹} عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں“ تو پھر یہ قل، عرس، چہارم، چہلم، مولود، قیام اور قرونِ پر سجدہ اور چادرِ یلیدہ کا بچڑھاوا، دگاہوں پر مینیس یہ سب کی سب بدعات و مختزعات میں سنت ثابت ہو کر رہیں گے، اور اس کے ذمہ دار پھر معاف فرمائیے گا صرف آپ اور آپ جیسے بزرگانِ پاکستان ہی ہوں گے۔

مولانا میں بخدا اس عرض کرتا ہوں کہ آپ اگر ٹھنڈے دل سے غلو سے الگ اور خالی الذہن ہو کر مقابلہ کریں گے تو ^{۵۰}ما علیہ اباؤنا اور ما کان علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ رضی اللہ عنہم میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ (تقویٰ اور ثواب)

نمبر ۲۰۔ جناب نے اسی صفحہ ۷ میں بڑے تعجب کے ساتھ اس طرح ایک پیرنگراف شروع فرمایا ہے۔
 ”بکل شعرة حسنة ^{۵۱}بر عیب نکتہ لکھا گیا ہے کہ خالی خون بہانے اور گوشت کھانے کا ثواب نہ پہنچے گا۔ بلکہ تقویٰ پہنچے گا تو جب تک ایک شخص کا تقویٰ دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو، ثواب کیسے پہنچے گا؟ اور تقویٰ منتقل ہونے والی چیز نہیں، الخ“ (میرے اس مضمون کو جو قرآنی تصریحات پر مبنی ہے جناب نے ایک نکتہ عجیبہ قرار دے کر اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا ہے)

قلت ”نکتہ کسی کو معلوم ہونا چاہیے کہ تقویٰ صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ ہر عمل کے لئے شرط قبول ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔“

اقولے۔ یہ تو قربانی ہی کے متعلق وارد ہے مگر مورد کے مخصوص کے باوجود عموم حکم میرے نزدیک بھی مسلم ہے۔

قلت۔ اس دلیل کا تو حاصل یہ ہوا کہ کسی کی طرف سے حج بدل بھی صحیح نہ ہو۔

اقولے۔ بے شک رج بدل کو صحیح نہ ہونا چاہیے، اور ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس کی روایتیں قرآنی
 لفظوں میں صریح کے خلاف ہیں اس لئے ما مخالفہ فردودہ کے مطابق واجب الزد ہیں۔ اور پھر درایت بھی
 رج بدل کی کوئی روایت صحیح نہیں ٹھہرتی جس کی تفصیلی بحث میری کتاب القول الصواب فی ایصال الثواب
 میں درج ہے۔

قلمتہ۔ کیونکہ قبول رج کے لئے تقویٰ شرط ہے اور وہ منتقل نہیں ہو سکتا، تو اس کا رج دوسرے
 کے کام نہ آئے گا۔

اقولے۔ بالکل صحیح ہے ہرگز کام نہ آئے گا۔

قلمتہ۔ حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور ظاہر ہے کہ نیت بھی ہر شخص کے ساتھ ہے
 دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی، تو دوسرے کی طرف سے کوئی عمل بھی صحیح نہ ہوگا، نہ زندے کی
 طرف سے نہ مردے کی طرف سے کیونکہ ایک کا تقویٰ ایک کی نیت دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی،
 نہ صدقہ مالہ صحیح ہوگا نہ دعا پہنچے گی نہ رج بدل۔ (وہا کا انکار نہیں ہے)

اقولے، آپ نے جو کچھ فرمایا ہے طنزیہ اور الزام فرمایا ہے۔ مگر واقعے کے اعتبار سے اس کی
 بلوری عبارت کا ہر حرف صحیح ہے بجز ایک لفظ کے اور وہ ”نہ دعا“ کا لفظ ہے۔ اس اعتبار سے
 تو یہ بھی صحیح ہے کہ مردے کے پاس بطرح کسی عمل نیک کا ثواب جو کسی دوسرے نے اس کے لئے
 یا اس کی طرف سے کیا ہو، نہیں پہنچتا نہ وہ عمل پہنچتا یا نکل اسی طرح نہ کسی کی دعا کسی مردے کے
 پاس پہنچتی ہے، نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ مگر اس اعتبار سے صحیح نہیں کہ اگر کوئی مسلم کسی دوسرے
 مسلم کے لئے دعائے رحمت و مغفرت و ترقی و درجات آخرت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہے چاہے وہ
 مسلم مدعو مردہ ہو یا زندہ تو وہ دعا بارگاہ الہی میں پہنچتی ہے، اور اس کے مقبول ہونے کی امید
 قوی ہے جس طرح کسی زندہ کی بقائے صحت و شفا و ترقی دنیاوی کے لئے دعا بارگاہ الہی میں
 پہنچتی ہے اور اس کے مقبول ہونے کی امید کی جاسکتی ہے اگر اس قسم کی دعا کے بارگاہ الہی میں
 پہنچنے کا انکار مقصود ہے تو یہ انکار غلط ہے کیونکہ ایسی دعاؤں میں تقویٰ یا نیت کے انتقال کا ایک سے
 دوسرے کی طرف کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

قلمتہ۔ اور زندہ مردہ سب کے لئے یہی حکم ہوگا۔

اقولے۔ بالکل صحیح ہے۔

قلتہ۔ ولا قائلہ بہ۔

اقولے۔ نعم قد قال بہ اللہ عزوجل فی کلامہ المبین وقد قال بہ الرسول الامین صلی اللہ

علیہ و علی آلہ و صحبہ و خیار امتہ اجمعین وان لم یقل بہ احد من الفقہاء والمحدثین۔ ولا حاجۃ لمسلم بعد اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الی احد فی شیئی من امور الدین۔

قلتہ۔ آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ عمل بغیر تقویٰ و نیت کے قبول نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ قبول

کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اس کو پہنچے گا بھی یا نہیں؟ قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟

اقولے۔ اُس محترم کو اس کا تو اعتراف ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عمل بغیر تقویٰ کے قبول نہیں ہوتا

(آیت میں صرف تقویٰ ہی کا ذکر ہے نیت کا ذکر تو حدیث میں ہے)۔ اور جناب کو اس سے بھی یقیناً

انکار نہ ہو گا کہ تقویٰ منتقل نہیں ہو سکتا۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ تقویٰ تو زید ہی کے پاس رہ جائے اور تقویٰ

کا شرہ خالد کو مل جائے؟ (نیابت اور یدر لیت)

نمبر ۳۔ ”ایصالِ ثواب“ یعنی ثواب پہنچانا جس کو بخشنا کہتے ہیں، چاہے وہ صدقہ مالی کا ہو یا حج

کا یا کسی کارِ غیر کا اس کا تو کوئی ثبوت کتب صحاح کی مرویات سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس

وقت تک اس کا رواج نہیں ہوا تھا۔ ورنہ کچھ روایتیں اس کے متعلق بھی ضرور من جاتیں۔ جتنی روایتیں

بھی ان مجلدات میں ملتی ہیں ان میں نیابت اور بدلیت کا مفہوم ظاہر کیا گیا ہے، یعنی حج زید نے

کیا ہے خالد کی طرف سے خالد کی نیابت میں یا خالد کے بدلے میں۔ یہ تو ایصالِ ثواب ہی نہیں۔ مجازاً

اس کو ایصالِ ثواب کہا جائے تو یہ اور بات ہے تو اب اس نیابت یا بدلیت والے ایصالِ ثواب پر

دونوں آیتوں کی روشنی میں نگاہ ڈالی جائے۔ ینالہ التقویٰ منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین۔

پہلی آیت یہ بتا رہی ہے کہ جو کام تقویٰ سے خالی ہو وہ قبول ہی نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا کوئی ثواب

ملے یعنی اس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ (ترجمہ) ہاں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا قائل ہے چنے کلام مبین (قرآن مجید) میں۔

اور رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ فقہاء و محدثین میں سے کس نے ایسا نہ کہا ہو۔ جی

ہاں میں کسی مسلمان نے سے اللہ رسول کے قول کے بعد کسی دوسرے کے قول کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔

ہی نہیں ملتا۔ دوسری آیت یہ بتا رہی ہے کہ انہی لوگوں کا عمل قبول ہوتا ہے جو متقی ہیں، یعنی انہیں کہ ان کے عمل کا ثواب ملتا ہے جو متقی ہوں۔ ان دونوں آیتوں کے مفہوموں کے ملانے کے بعد یہ بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر عمل کا تقویٰ کے زیور ہونا ضروری ہے جب تک تقویٰ کے زیور اثر نہ ہو اس عمل کا کوئی ثواب نہیں۔ گویا اس عمل والے کا تقویٰ بارگاہ الہی میں پہنچ کر اس عمل کا ثواب اس کو دلوائے گا۔ اور اسی کو دلوائے گا جس کی طرف سے قبول ہوا ہے اور قبول ہوتا ہے تقویٰ۔ اور جس عمل کا جو تقویٰ قبول ہوا وہی تقویٰ اسی عمل کا اس کو ثواب دلوائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جس نے عید الاضحیہ کی نماز تو بڑے خشوع اور خضوع اور تقویٰ کے ساتھ پڑھی تھی مگر اس کی قربانی تقویٰ سے بالکل خالی تھی۔ پھر بھی نماز والا تقویٰ اس کی قربانی کو بھی قبول کر دے۔ ہر عمل نیک کا تقویٰ اسی عمل سے وابستہ ہے تو جس نے دوسرے کی طرف سے حج کیا تقویٰ کے ساتھ کیا یا بغیر تقویٰ کے؟ بصورتِ دوم تو مقبول ہی نہ ہوگا، اور جب مقبول ہی نہ ہوگا تو پھر ثواب کیا؟ بصورتِ اول وہ حج والا تقویٰ اسی کو اس حج کا ثواب دلوائے گا جس کے پاس سے یہ تقویٰ بارگاہ الہی میں پہنچا ہے کسی دوسرے کو نہیں دلواسکتا۔ اور چونکہ دوسرے میں اس عمل والا تقویٰ نہیں ہے، اس لئے دوسرے سے اللہ تعالیٰ قبول بھی نہیں فرمائے گا کیونکہ انما یتقبل اللہ من المستقین۔ اگر آپ فرمائیں کہ جس نے تقویٰ کے ساتھ حج کیا، اور اس کے حج والے تقویٰ کی وجہ سے اس کا حج مقبول ہو گیا اور اس کو اس حج کا ثواب مل گیا، تو اب یہ اس ثواب کو دوسرے کی نذر کر دینا چاہتا ہے دوسرے کو دے دینا چاہتا ہے۔ تو اول تو یہ کہ اس طرح ثواب نذر کرنے اور دینے کی کوئی روایت نیک صحاح میں نہیں قرآن کی آیت کیا مل سکتی ہے۔ دوم یہ کہ اس طرح بزعم خود اللہ کو دھوکہ دے کر اس کے قائم کئے ہوئے اصول توڑ دینے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ اسی کو ثواب کسی عمل کا دینا چاہتا ہے جس کے پاس اس عمل والا تقویٰ ہو اور آپ چاہتے ہیں کہ جس کے پاس اس عمل کا تقویٰ نہ ہو ہم اس کو اس عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ سے دلا دیں۔ یہ بیوقوفانِ مبدعہ و اکلام اللہ۔

نمبر ۲۰۔ جناب نے پوچھا ہے کہ ”قبول کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا دیا جائے تو اس کو پہنچے گا بھی یا نہیں قرآن نے یہ کہاں بتلایا ہے؟ جواب عرض ہے کہ قرآن نے کیا یہ بتلایا ہے کہ قبول کے بعد اگر کسی نیک عمل کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچا دے تو پہنچ جائے گا یا نہیں بلکہ قرآن نے بتا دیا ہے کہ ہر شخص کو

نہ اس کی سنی کام آئے گی۔ قرآن نے بتا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی کمائی میں گروہ ہے۔ قرآن نے بتا دیا ہے کہ ^{۸۵}من عمل صالحاً فلنفسه اس لئے کوئی شخص اپنے عمل نیک کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچا سکتا۔ لنفسه کا لفظ جو حصر کے ساتھ ہے بتا رہا ہے کہ لغیرہ نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳۲۔ جناب نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”اور حدیث نے بتا دیا ہے کہ ثواب منتقل ہو سکتا ہے ذامات ^{۸۶}المن آدم الفطع عمله الامن ثلاث من صدقة جاریہ او علم منقطع به او ولد صالح يدعوله۔

مولانا! اس حدیث نے انتقالِ ثواب کو کہاں ثابت کیا؟ صدقہ جاریہ خود اس کا اپنا عمل ہے مسجد بنانے والے تک نمازیوں کی نمازوں کا ثواب منتقل ہو کر نہیں پہنچتا، شاگرد دینی خدمت انجام دے رہا ہو تو اس شاگرد کی ان خدمتوں کا ثواب منتقل ہو کر استاد تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث نے تو انتقالِ ثواب کے ضمن میں امید کو بالکل جلا کر خاک کر دیا۔ اس حصر کے بعد تو حج بدل و صدقات مالہ عن المیت وغیرہ سب ختم ہو گئے۔ بلکہ یہ حدیث تو صاف بتا رہی ہے کہ اس میت ہی کے دل میں عمل کا سلسلہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہ جاتا ہے کیونکہ الفطع عملہ سے استثناء ہے اس لئے مستثنیات کے متعلق اس حدیث سے مالا یقطع من عملہ ثابت ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں صرف اعمال میت کے سلسلے کے انقطاع و عدم انقطاع کا ذکر ہے نہ کہ ثواب عمل غیر کا۔ اس حدیث سے عمل غیر کے ثواب کا میت تک پہنچنا تو بدرجہ اولیٰ ناممکن ثابت ہو رہا ہے مگر تعجب ہے کہ لوگ اس کو ایصالِ ثواب کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں۔

نمبر ۳۳۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”تو کیا جس حدیث میں لفظ اوصانی یا اوصانا آجائے اس سے صحابی کا وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ثابت ہوگا؟

عرض یہ ہے کہ کسی صحابی نے اپنے وصی رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی رسول ہونے کا دعویٰ تھا اور تمام شیعوں کا یہ ایمان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس لئے جس حدیث کے راوی شیعی ہوں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی بات کے بطور وصیت کہنے کا ذکر ہو تو یہ ضرور سمجھا جائے گا کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے کے لئے ان شیعی راویوں

نے گھڑی ہے مگر کسی اور صحابی یا جماعت صحابہ کے متعلق اگر وصیت کا لفظ کسی حدیث میں ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف وصیت کے لفظ سے وہ صحابی یا جماعت وصی سمجھی جائے اور وہ حدیث صرف اس وجہ سے موضوع قرار دی جائے۔ ان محترم خود عجیب و غریب استدلال پیش فرماتے ہیں، اور میرے واضح استدلال کو عجیب بتاتے ہیں۔ تعجب ہے۔

غیر ۳۴۔ جناب فرماتے ہیں ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ابو داؤد اور ترمذی میں آپ کے اقرار سے موجود ہے۔ ان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی ہے۔ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے ابو داؤد نے سکوت کیا ہے اس لئے یہ حدیث غریب حسن سے کم نہیں۔“

جناب نے بھی اپنے تہمیدی مقدمات کا حوالہ دیا ہے۔ میں بھی اپنے تہمیدی مقدمات کا حوالہ دیتا ہوں کہ میں اس کا جواب عرض کر چکا ہوں۔ جب بخاری و مسلم موضوعات سے خالی نہیں تو ترمذی و ابو داؤد کا کیا ذکر ہے۔

یہ کہنا کہ ان دونوں نے اپنی کتابوں میں کوئی حدیث موضوع نہیں لی ہے۔ عجیب بات فرمائی گئی ہے کیا ابن ماجہ نے جو دو ایک موضوع حدیث بقول آپ کے لی ہے تو جان بوجھ کے؟ یا حاکم حدیث کسی موضوع حدیث کو موضوع جان کر بغیر موضوع بتائے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھ دیا کرتے تھے؟ اگر ایسا کسی نے کیا ہے تو وہ محدث نہیں ہے بلکہ وضاعین و کذائین کا ایجنٹ ہے۔ اور چور کا بھائی گرہ کٹ ہے۔ ان بزرگوں کی کتابوں میں جو موضوع حدیثیں آگئی ہیں وہ نادانستہ آگئیں۔ ہرگز ان کو وہ موضوع نہ سمجھ سکے۔ یا کسی وضاع و کذاب محدث شاگرد یا وراق یا کاتب نے ان کے مجموعہ احادیث میں ان کے آخر وقت میں یا ان کی وفات کے بعد داخل کر دیں۔ جب کہ ایک جماعت کا یہی کام تھا۔ میری ایک کتاب ہے اَلْبُرْهَانُ فِي الْوَرَقَيْنِ وَ كِتَابُ الْاَحَادِيثِ۔ اس میں کم و بیش ڈیڑھ سو کاتبین و وراقین کے مختصر حالات قلمبند ہیں جن میں اکثر اسی قسم کے تھے۔ یہ کتاب قلمی ہے چھپی نہیں ہے۔ اور اس میں ایک حرف بھی اپنا نہیں ہے۔ جو کچھ عام ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے میں نے نقل کر لیا ہے وہ کتاب القول في الصواب في مسئلة ابي۔ لے الثواب بھی قلمی ہی ہے جس کے متعدد نقلیں لوگوں نے لیں یہ کتاب مورخ نامتور نعمانی ایڈیٹر الفرقان کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس لئے ان کی ایک نقل ان کی خدمت میں بھی پہنچ دی گئی تھی۔ میں اپنے قلمی سو دستاویز نہیں دیتا مگر آپ جیسے عرصہ صاحب طلب

فرمائی تو مطلب کے خط اور اس کے وصول ہونے کے بعد دستی تخطی رسید مودتہ معہ وعدہ واپسی جلد از جلد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے لئے بھیج سکتا ہوں۔

مستدرک حاکم

نمبر ۲۔ ابو عبد اللہ الحاکم ابن البیع صاحب المستدرک کے بارے میں آپ امام ذہبی کی توثیق نقل فرماتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے مستدرک کی تلخیص فرمائی ہے۔ یہ تلخیص مستدرک کا مسد بہت اہم ہے اس کو درست چھوڑیئے۔ کام ہے امام ذہبی سے، تو دیکھئے وہ اپنی کتاب الضعفاء المعتمد میزان الاعتدال میں اور پھر ابن حجر لسان میزان میں خود کیا اوشاد فرماتے ہیں۔ امام ذہبی میزان الاعتدال نمبر ۳ ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں: ”الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ صاحب التصانیف امام صدوق لکن یصح فی مستدرک احادیثہ سابقہ ویکثر من ذلک فما ادری اخفیت علیہ فما هو ممن یجمل ذلک وان علم فخذہ خیانتہ عظیمۃ ثم ہو شیعی مشہور بذلک“ اتنا لکھ کر امام ذہبی لکھتے ہیں اور ابن حجر بھی اس کو نقل فرماتے ہیں کہ من غیر تعرض للشیخین مگر یہ نہیں سمجھے کہ وہ جس ماحول میں تھے اگر ایک لفظ بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں نامناسب استعمال کرتے تو معلوم نہیں ان کے سر مبارک کا کیا حال ہوتا۔ اور پھر ان کی کتاب دیکھتا ہی کون؟ اس لئے عدم تعرض للشیخین سے ان کی صفائی نہیں ہو سکتی۔ آگے چلیئے امام ذہبی لکھتے ہیں وقد قال ابن طاہر سألت أبا اسمعيل عبد الله الأنصاري عن الحاكم أبا عبد الله فقال إمامنا في الحديث سرافضي خبيث۔ اتنا لکھ کر امام ذہبی لکھتے ہیں۔ قلت اللہ یحب الانصاف ما الرجل يرافضي بله شيعی مگر ابن طاہر اور ابو اسمعيل عبد اللہ انصاری کون تھے؟ اس کو بھی خود امام ذہبی ہی کی زبان قلم سے سن لیجئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۳۵۴ سے ص ۳۶۱ تک شیخ الاسلام الحافظ الامام الزاہد ابو اسمعيل عبد اللہ بن محمد بن علی الأنصاری کا ترجمہ اور ان کے فضائل و مناقب کی تفصیل موجود ہے کوئی ہلکی سی جرح بھی کسی نے نہیں کی ہے کسی نے کبھی ان پر خارجی یا ناصبی یا ایاضی ہونے کا وہم بھی کیا۔ اور ان کے شاگرد رشید محمد بن طاہر کا ترجمہ وہی امام ذہبی میزان جلد ۳ ص ۱۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے صوفی تھے تصوف کے غلو میں مسلک سنت سے کچھ کھسکے ہوئے ضرور تھے جیسا کہ اکثر قلعے صوفیہ کا حال رہا ہے مگر امام ذہبی انہیں صدوق فی نفسہ ولہ حفظ ورحلۃ واسعة لکھتے ہیں اور پھر تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲ سے ص ۲۱ تک تفصیل کے

۹۳

ساتھ ان کے فضائل و مناقب ارقام فرماتے ہیں۔ شروع ہی اس طرح کرتے ہیں۔ محمد بن طاہر
 بن علی الحافظ العالم الجوال۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ قال السمعی سأل ابی الحسن
 النکری المفسر عن ابن طاہر فقال ما کان علی وجه الارض له نظیر۔ وقال ابو زکریا بن منذر
 کان ابن طاہر احدا الحفاظ حسن الاعتقاد جمیل الطريقة صدوقا عالمیا بالصیغ والسقیم
 کثیر التصانیف لازما ملائرو غیر ذلک۔ البتہ ان کے صوفیانہ خلوک و جبر سے ان کی روایت کو محدثین
 ضعیف قرار دیتے ہیں ہر حال یہ خارجی یا فاضلی نہ تھے۔ اس لئے ابن طاہر کی یہ روایت کا انہوں
 نے شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ الانصاری سے ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک کے بارے میں
 جو پوچھا تو شیخ الاسلام نے کہا کہ وہ امام الحدیث تدر ہے مگر رافضی خبیث ہے۔ یہ کسی نصب و
 خروج کی بنیاد پر نہ تھا اور نہ معاصرانہ چشمک کہہ سکتے ہیں اس لئے مگر شیخ الاسلام نے ہر چند حاکم کا وقت
 ضرور پایا تھا مگر حاکم کی وفات کے وقت شیخ الاسلام آٹھ تو برس سے زیادہ کی عمر نہیں رکھتے تھے اس
 لئے معاصرانہ چشمک نہیں ہو سکتی ہے البتہ شیخ الاسلام نے حاکم کے دیکھنے والوں کو ان کے تلامذہ کو
 ان کی تصنیفات کو ضرور دیکھا ہوگا اور بہت قریب سے دیکھا ہوگا اس لئے ان پر حاکم کی صحیح کیفیت
 منکشف ہو گئی۔ بخلاف امام ذہبی کے، جن کی پیدائش ابو عبد اللہ الحاکم کی وفات کے دو سو اڑھائی
 برس کے بعد ہوئی تھی جنہوں نے حاکم کے دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی نہیں دیکھی تھیں اتنی دور سے یہ
 حاکم کی صحیح حقیقت کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ اور خود امام ذہبی کے بیان میں جو تضاد ہے وہ
 صاف بتا رہا ہے کہ یہ حاکم کی حقیقت کو کسی قدر سمجھتے تھے جیسا کہ خود شروع ترجمہ میں لکھ گئے ہیں
 لکنہ یصح فی المستدرک احادیث ساقطہ و اکثر من ذلک فمادامی اُخفیت علیہ؟ فما هو
 ممن یجھل ذلک۔ والہ علم فہذہ خیانتہ عظیمہ۔ دو صورتیں بیان کریں۔ اُخفیت علیہ؟
 اس صورت کی نہیں پر تردید خود ہی کردی، کہ فما هو ممن یجھل ذلک اس لئے تخفیت علیہ والی صورت
 باقی نہ رہی تو لا محالہ وہی صورت باقی رہی جس کو انہوں نے خود فہذہ خیانتہ عظیمہ فرمایا۔ اور پھر
 حاکم کے توان عظیم ہونے کی وجہ خود وہی لکھ دی کہ تمہو شیعی مشہور بذلک یعنی ابو عبد اللہ الحاکم
 ایک مشہور شیعی تھے اور شیعوں کی فیانت قرآن و حدیث کے متعلق بھی مشہور و معروف ہے اس لئے
 ان سے یہ خیانت عظیمہ کوئی بعید اور غیر متوقع بات نہیں ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام ابو اسماعیل

عبداللہ الانصاری جیسے مشہور و معروف امام حدیث کا قول ان کے بارے میں خود ہی نقل کر دیا کہ انہوں نے حاکم کو امام حدیث کہنے کے باوجود رافضی خبیث کہا۔ اس کے بعد پھر جو صفائی پیش کی کہ مالرجس برافضی بل شیعہ۔ اس کی کیا حیثیت رہی۔ جناب والا خود ہی انصاف سے فرمائیں۔ امام ذہبی خود لکھتے ہیں کہ اللہ یحب الانصاف۔ اگر امام ذہبی زندہ ہوتے تو میں انہیں سے پوچھتا کہ برائے خدا بیان فرمائیے کہ انصاف آپ ہی کی تعریحات کی بدولت میرے ساتھ ہے یا آپ کے ساتھ؟ امام ذہبی نہیں ہیں تو ان محترم خود انصاف کے ساتھ ان کی طرف سے اس کا جواب دیں۔

شیعہ اور رافضی کا فرق

تحریر بہت طویل ہو چکی ہے اور ابھی بعض اہم باتوں کے بارے میں لکھنا باقی ہے اس لئے رافضی اور شیعہ کے فرق پر سدرست کچھ عرض کرنے کی اس کے سوا ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ فرق بھی شیعوں ہی کا نکالا ہوا ہے تاکہ وہ اپنی من گھڑت روایتوں کو کسی طرح دیکھ بھلے شیعہ بن کر شیخین رضی اللہ عنہما کے مناقب و فضائل ہی بیان کر کے، بلکہ کچھ حضرت عثمانؓ کے مناقب بھی پیش کر کے، سینوں میں پھیلا سکیں شیعوں کی اس چال کو محدثین اہل سنت نہ سمجھ سکے، اور انہوں نے بھی شیعوں کو قابل وثوق سمجھ لیا اور کسی کے بارے میں لکھ دیا کہ فیہ تشیع یسیر، کسی کے متعلق لکھ دیا کہ فیہ تشیع لا یضرب و غیر ذلک۔ مگر افسوس کہ محدثین اہل سنت نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کی روایتوں کے شہد میں کسی قسم کا زہر ملا ہوا ہے؟ مولانا آپ فرمائیں گے کہ اگلے محدثین کو تو ان کے شہد میں زہر نظر نہ آیا، اور تجھ کو نظر آگیا؟ تو میں عرض کروں گا کہ ذلک فضلہ اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ چالیس برس سے جس کا صرف یہی ایک کام ہو، جو جو وہ برس تک درس و تدریس کا مسلسل مشغلہ جاری رکھنے کے بعد صرف قرآن و حدیث ہی کے غور و غوض میں اپنا سارا وقت صرف کرتا رہا ہو، اور جس کا غور و غوض کسی فرو و دارانہ ذہنیت یا اجراء پرستی یا پیروی پرستی وغیرہ کے ماتحت نہ ہو بلکہ صرف حق کی تلاش میں ہو۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ^{۹۹}الذین جاہدوا فینا لنمھدینہم یعبیلنا کا وعدہ پورا نہ فرمائے۔ اتنا محض تحدیث نعمت توفیق کی حیثیت سے عرض کیا ہے ^{۱۰۰}ولاحذر اعوذ باللہ من شرور نفسی و من سیئات اعمالی و استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ بات یہ ہے کہ بعض زہرا یسے ہوتے ہیں جن کی سمیت آہستہ آہستہ اپنا کام کرتی ہے یہاں تک کہ وہ مسموم جیب بہت کافی متاثر ہو جاتا ہے تو اس وقت ^{۱۰۱}حق افاق کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو فلاں وقت میں زہر دیا گیا تھا۔

آج جو ان روایات کی بناء پر جسم اسلام مسموم ہو رہا ہے اہل حفاظت ہی اس کو محسوس کر رہے ہیں۔

نمبر ۷۶۔ شریک بن عبد اللہ الکوفی الشیعی کو آپ نے صحیح بخاری کا رادی ثابت کرنے کی جو کوشش

فرمائی ہے اور صحیح بخاری کے صفحات کے حوالے بھی نقل فرمائے ہیں۔ اور پھر رجال بخاری میں اس کے ذکر کا بھی

تذکرہ فرمایا ہے اور صرف امام بخاری ہی کا شیخ اس کو فی شیعہ کو نہیں قرار دیا بلکہ امام دارالبحرہ حضرت مالک

بن انس کا بھی اس کو شیخ بنا ڈالا! العظمۃ اللہ! کہاں ایک شیعہ کو فی، کہاں ایک امام اہل حدیثہ انفس

ہے کہ جناب محترم نے کوفہ و مدینہ کا فرق بھی محسوس فرمالینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ میں بااؤریند

جنگلاد کر کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا محدث کسی حدیث صحیح بخاری یا امام کی کسی حدیث کے

سلسلہ اسناد میں اس کو فی شیعہ ایسی شریک بن عبد اللہ کا نام نہیں دکھا سکتا۔ ولو کان بعضہم بعض ظہیر

ہاں امام بخاری نے اپنی بعض تعلیقات میں کہیں کہیں اس کا ذکر کر دیا ہے جیسا کہ بعض ائمہ رجال نے اس

کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اور امام مسلم نے بھی بشرط متابعت ہی اس کی حدیث لی ہے۔ بغیر متابعت نہیں

لی ہے اور امام مالک سے اور اس سے کیا واسطہ؟

اخانا المکرم دمولانا المحترم مجھ کو سخت تعجب ہے کہ آپ جیسا محدث فقیہ ایسی فاحش غلطیات کا

اتحاد دیری کے ساتھ دعویٰ کر جاتے! اور کتاب کے ایک نہیں متعدد حوالے بقید صفحہ نقل کر دے!

اتنا عرض کرنے کی جرأت محض برادرانہ خلوص کی بناء پر ہوئی۔ جناب والا اپنے پیش کردہ مقامات پر

پھر دوبارہ نظر فرمائیں۔ نظر کی چوک سے ایسی غلطی ہو سکتی ہے۔ ابن حجر جیسے امام الائمہ سے رجال کے

متعلق غلطی ہوئی ہے اور نہایت فاحش غلطی ہوئی ہے۔ حوالہ تک غلط دیا۔ اس طرح کے چوک سے آپ کے

علم و فضل پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔ اور آپ کی محبت آپ کا احترام جو میرے دلیں ہے اس میں کمی نہیں

آ سکتی۔ اور جناب سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ مجھ کو اپنا ایک چھوٹا بھائی ہی سمجھیں گے، اور اپنے لطف و

کرم سے مجھے عروم نہ ہونے دیں گے۔

تو عرض یہ ہے کہ شریک کی وجہ سے غلط فہمی کی بناء پر جو اہمیت اس حدیث موضوع کی سمجھی گئی

ہے وہ صحیح نہیں۔ ترمذی کی حدیث سے جو یہ پتا ملتا ہے کہ عزراہ کا مدار شریک ہی پر ہے۔ اس کے

یہ معنی نہیں ہیں کہ شریک سے اوپر جتنے رادی ہیں وہ سب ثقہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی نے یہ

نہیں لکھا ہے کہ تفرد بہ شریک۔ بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ لا تعرفہ الا من شریک۔ چونکہ ان کے شیخ

شریک ہی سے سُنی کے روایت کر رہے ہیں۔ ابوالحسن ہزارہ نا قابل اعتبار نہی، جس سے دنیائے احادیث میں صرف ہی ایک حدیث مروی ملتی ہے، اور جس کا نام بحیثیت راوی صرف اسی حدیث کے اسناد میں ملتا ہے، اگر شریک اس سے روایت نہ کرتے تو کوئی اس حدیث کو پوچھتا بھی نہیں۔ شریک ایک متعارف شخص تھے اگرچہ ان کی روایت اکابر محدثین کے نزدیک سند و حجت نہ تھی مگر متوسطین ان سے حدیثیں لیتے تھے۔ یکتب حدیثہ ولا یصحیح بہ کی حیثیت سے۔ اس لئے اس حدیث کی معرفت ایک حدیث کی حیثیت سے صرف شریک ہی کی بدولت ترمذی کو یاد دوسروں کو بھی ہوئی۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس حدیث میں غراب صرف شریک ہی غریب کی وجہ سے آئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ہے کہ ابوالحسن کی وجہ سے غریب مگر ہم لوگ اس کو جانتے ہیں شریک کی وجہ سے۔ اور اس کی دلیل، کہ غریب ہے ابوالحسن کی وجہ سے، یہی ہے کہ ابوالحسن خود اس حدیث سے زیادہ غریب ہے، کیونکہ شریک نے ابوالحسن کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، اور اس حدیث کے اسناد سے باہر اس شخص کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں کسی حیثیت سے اس کی صلاحیت نہیں (خصوصاً اس کے معنوں اور اس کے روایات کے جان پہچان لینے کے بعد) کوئی صاحب انصاف جو اتباع آباء و اجداد میں غلو نہ رکھتا ہو کبھی اس کو اس قابل بھی سمجھ سکے کہ اس کی نسبت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہونے کا گمان بھی کیا جاسکتا ہے۔

نمبر ۲۰۔ "بغرض حال" ہی کہہ کر یہی کسی موضوع حدیث کو صحیح ماننے کا، کسی آیت کے غلط مطلب کو صحیح تسلیم کر لینے کا یہی قائل نہیں۔ میں اس کو بھی ایک شیطانی دھوکہ سمجھتا ہوں اسی لئے میں نے اپنے جواب میں یہ پہلو نہیں اختیار کیا تھا۔ مگر مولانا خیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جواب جواب الجواب میں اس پہلو کو بھی لکھ دیا کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ ایک حکم خصوصی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا، اور وہ بھی خاص تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اگر عام حکم ہوتا تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ضرور کہتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی وفات کے بعد ان کے ورثاء بھی ان کے لئے قربانی کرتے۔ اسی طرح اگر مانا بھی لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زندہ و مردہ بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان کی طرف سے قربانی کی تھی تو یہ مخصوص ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ ورنہ خلفائے اشدیان بھی ایسا ضرور کرتے، اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے۔ کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے نبی

مردے کی طرف سے کبھی قربانی دی ہو۔ اس لئے اگر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام امت کی طرف سے قربانی کو بننے کا ہی مطلب اگر صحیح ہے کہ آپ نے مردوں کی طرف سے بھی قربانی کی تو ان دونوں کا تعلق خصوصاً نبویہ سے ہے۔ دوسرے کو اس کا حق نہیں۔ جناب والا نے ایسے زبردست استدلال کا جواب دیا کہ ”ہمت ہی عجیب ہے!۔ یہ قیاس کی کون سی قسم ہے؟ اور تخصیص کی کیا دلیل ہے؟“ ا۔ ن کے متعلق اسی قدر نگاہ اڑائی ہے کہ تعجب کا جواب تعجب ہی سے دیا جاسکتا ہے کہ ایسی بدیہی بات کے متعلق قیاس کی قسم پوچھی گئی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ قیاس منطقی ہے اور شکل اول سے ثابت ہے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک خالص دینی بحث کو منطقی رد اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں، اگر ارشاد ہو گا تو اس کے ہر پہلو کی شکل اول قائم کر کے پیش کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (بقول شریک) حکم یا وصیت جس کی دونوں کو اطلاع بھی نہیں وہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی ایک اور شخص بھی تو اس کی روایت کی شرکت نہیں بصیغہ واحد متکلم امری اور اوصافی فرماتے کا فعل بھی ثابت نہیں پھر بھی اس ماوریت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہ سمجھی جائے تو تعجب ہی تعجب ہے (دب)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے ہی طرف سے قربانی کو نہ کی وصیت کی، کسی دوسرے مردہ کی طرف سے قربانی کو نہیں کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کو نہ کی وصیت کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بعد قربانی کرنے کی وصیت حضرات حسین رضی اللہ عنہما کو نہ کی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تسلیم (رج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام امت کی طرف سے بھی اس میں شامل فرمایا مگر آپ نے نہ امت کو اس کی وصیت کی کہ کی طرف سے بھی قربانی کیا کرو نہ خلفائے راشدین نے وفاتِ نبویہ صحابی نے ایسا نہ کیا تو اس کو مخصوص بذات نبوی کیوں نہ سمجھا جائے؟

(د) جو کام حکم و وصیت کی وجہ سے کیا جائے، اور وہی کرے جس کو وصیت کی گئی تھی۔ جس نے حکم و وصیت نہیں کی تھی اس کی طرف سے کبھی نہیں کی گئی جیسا کہ حضرت علی رضی نے حضرت فاطمہ رضی کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی، اور نہ حسین رضی نے کبھی حضرت علی رضی کی طرف سے قربانی کی، تو ایسا کام ضرور حکم اور وصیت کے ساتھ مخصوص ہوگا اور ایسی وصیت کا حق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص سمجھا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے قرونِ مشہود لہا یا بخیر میں ایسی وصیت نہیں کی۔

(د) ایسا حکم یا ایسی وصیت خود حضرت علی رضی نے حضرات حسین رضی کو اپنے لئے نہیں کی نہ کبھی کسی صحابی نے اپنے لئے کی۔ اس لئے ایسا حکم اور ایسی وصیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھی جائے گی۔ کوئی دوسرا کسی کو ایسی وصیت نہیں کر سکتا۔

نمبر ۳۸۔ آن محترم نے آخر مراسلہ میں ایک نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں ایصالِ ثواب کے بعض پہلو یعنی صوم و صلوة عن الہیت کا ذکر ہے جس پر میں بقدر ضرورت اور عرض کر چکا ہوں۔ ولا اعادة فی

الاعادة۔ عبد الرزاق بن ہمام

جب من مات و علیہ صیاء صاہ عنہ ولیہ کی متفق علیہ حدیث کہ بقول آپ ہی کے جمہور فقہاء نے نہیں مانتا اور اکابر صحابہ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا کہ لَا یُصَلِّیْنَ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا یُصَوِّمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔ تو پھر وہ صحیحین کی متفق علیہ حدیث تو مد ہو گئی؟ باقی رہا اس میں یہ اضافہ کہ وَکَانَ اَنْ کُنْتَ فَاعْلَا تَصَدَّقْتَ عَنْهُ اَوْ اَهْدِیْتَ یہ میاں عبد الرزاق صاحب کا اضافہ طبع زاد ہے اسی شریک والی حدیث کی کھوکھلی دیوار پر پشتہ لگانے کے لئے۔ کیونکہ یہ میاں عبد الرزاق صاحب بھی شیعہ ہی ہیں۔ باوجود اس کے کہ محدثین میں ان کا کافی اثر و سرور ہے اور یہ بھی بن معین نے ان کے تشیع کا حال سن کر کہا کہ اگر یہ مرتد بھی ہو جائیں تو ہم ان کی حدیثیں ترک نہیں کریں گے۔ مگر خود ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سے ایسی باتیں سنیں جن سے ان کے تشیع کا پتہ ملا وغیرہ۔ حضرت علی رضی اور ان کے اہل بیت کے فضائل میں بعض ایسی حدیثیں روایت کرتے تھے اور اپنی کتاب میں بھی یہی جن کی کوئی متابعت نہیں ملتی اور پھر دوسروں کے مثالب میں بھی۔ امام نسائی جن پر خود قدرے تشیع کا اہرام بعضوں نے لگایا ہے ان کے متعلق ان کا قول ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔ قَالَ اَلْاِتِّہَا فِیْہِ لِنَظَرٍ لِّمَنْ کُتِبَ عَنْہُ بِاَخْرَاجِ کُتُبِہِ اَحَادِیْثُ مَنَاکِیْرُ۔ آگے چل کے لکھتے ہیں کہ قَالَ اَلْجَاسُ الْعَنْبَرِیُّ لِمَا قَدَّمَ مِنْ صِنَاعَاتِہِ تَحْشَمُتُ اَلْیَاسَ عِبْدُ الرِّزَاقِ وَ اَنَّهُ

کذاب و الواقعی صدق منہ - ابن حجر اتنا لکھ کر لکھتے ہیں کہ قرأت بخلف الذہبی عقب هذه الحکایة هذا میثی ما وافق العباس علیہ مسلم اس کے بعد ابن جریر امام ذہبی کا جواب گویا دیتے ہیں کہ هذا اقدام علی الانکار بغیر تثبت جحد ذکر الامام علی فی المدخل عن انفرہیانی اتہ قال حدثنا عباس العنبری عن زید بن ابیہر قال کان عبد الرزاق کذابا یسرق الحدیث۔ میاں عبد الرزاق صاحب کا تو یہ عالم ہے باقی ان کی حدیث کا علی شرط مسلم ہونا کوئی بعید از عقل نہیں۔ جبھی تو محدثین نے لکھ دیا ہے کہ کسی حدیث کا صحیح الاسناد ہونا اس کی صحت کے لئے کافی نہیں، جو جماعت جھوٹی حدیثیں بنا سکتی ہے وہ جھوٹے اسناد نہیں جوڑ سکتی؟ اور پھر جب ایسی کتابیں جو متداول تھیں ان میں ملاحظہ و غم نے اپنی من گھڑت حدیثیں داخل کر دی ہیں تو غریب عبد الرزاق کے مصنف کو ان کے تصرفات سے کون بچا سکتا تھا۔ جب امام احمد بن حنبل کے نام سے پوری سند ہی چھ جلدوں والی منسوب کر دی گئی اس طرح سند شافعی اور سند امام اعظم وغیرہ تو اگر ایک مصنف عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی کے نام سے بھی منسوب کر دی گئی ہو تو کیا یہ کچھ بعید ہے؟ مولانا اشعید بن الحجاج نے سفیان ثوری سے کہا تھا کَلَّمَا تَقَدَّمَ مَتَمُّ فِي الْحَدِيثِ تَأَخَّرَ تَمَعْنِ الْقُرْآنِ اصل قانون دین قرآن میں ہے۔ احادیث کی حیثیت نظر اڑی ہے۔ مگر افسوس کہ محدثین و فقہانے قرآن کو بطور بدرقہ ساتھ رکھ لیا ہے مگر وہ دین کا منبع صرف احادیث ہی کو سمجھے ہیں اور پھر حدیثوں کے ساتھ ان کو اتنا غلو ہوا کہ متقدمین نے تو بقول ابن حجر کَلَّمَا تَمَعْنِ الْقُرْآنِ عُلِقُوا جو جس سے ملا لے لیا۔ بعد والوں نے بھان میں شروع کی تو فرقہ بندی کے جذبے کے ماتحت اپنے مسلک کے مطابق ہر حدیث صحیح اور مخالف ہر حدیث غلط۔ جہاں غلط نہ کہہ سکے وہاں اس کی تادیل اٹھل پچھ کر دی جیسے مسلم و بخاری کی یہ حدیث جو ابھی آپ نے پیش کی میت کی طرف سے روزہ رکھنے کی کہ اس کی تخلیط کر نہیں سکتے کہ صحیحین کا بھرم جاتا ہے تو لگے لایعنی تادیل کر کے۔

مضمون بہت طویل ہو گیا۔ جس کا افسوس ہے جو کچھ لکھا قلم برداشتہ لکھا ہے۔ اتنا وقت کہاں کہ مسودہ کروں اور صاف کروں۔ امید ہے کوئی کلمہ خلاف شان قلم سے نکل گیا ہو تو اس کو معاف فرمایا جائے گا اور ذرا تحمل و سکون کے ساتھ خالی الذہن ہو کر اس کو پڑھا جائے گا۔
انہ امید الا اصلاح ما استطعت و کف بالہم شہیدا و هو ولی التوفیق و بنا و هو

المستعان و هليله النكلان و هو حسينا و صلى الله على سيدنا محمد و ازواجه و صحبه و
خيال امته و بارك و سلم و اخر جعدونا ان الحمد لله رب العالمين۔

آپ کا چھوٹا بھائی تمنا عادی جیسی پھلواری صابر غفرلہ

۳ فروری ۱۹۵۲ء آغاز باب کی ڈیوڑھی نمبر ۲

بی کے رائے لین ڈھاکہ

مکتبہ ہذا

مکرمی! مولانا تمنا صاحب! سلام مسنون۔

میں نے اپنے آخری خط میں چند مقدمات اسی غرض سے لکھے تھے کہ دیکھوں آپ کو مجھ سے اصولی اختلاف ہے یا فردی۔ سو معلوم ہو گیا کہ آپ کو اصولی اختلاف ہے اس صورت میں تکرار تحریرات بیکار ہے اصولی اختلاف کے ساتھ فروع میں گفتگو لا حاصل۔ اور اصولی اختلاف کا فیصلہ تحریر سے نہیں ہوا کرتا بالمشافہ سائلہ سے ہوتا ہے اس لئے میں جناب کی اس طویل تحریر کا جواب اطول یا مطول نہیں کرنا چاہتا۔ اگر جناب بالمشافہ گفتگو فرمانا چاہیں تو کوئی وقت مقرر فرمائیے اور چند علماء محققین کے سامنے نیابتی باتیں ہو جائیں یہ اس لئے ضروری ہے تاکہ علماء ہم دونوں کی باتیں سن کر حق و باطل کا فیصلہ فرما سکیں اس صورت میں آپ بھی کچھ علماء کے نام تجویز فرما کر بھیج دیں۔ میں بھی کچھ علماء کے نام تجویز کر کے آپ کو ارسال کر دوں گا اُسی جلسہ میں بخاری شریف بھی سامنے رکھ دوں گا اور جن مقامات کا میں نے حوالہ دیا ہے دکھلا دوں گا کہ وہاں شریک کی روایت بخاری میں ہیں یا نہیں۔ بغیر دیکھے آپ کی بلند آہنگ پکار بیکار ہے دین کا معاملہ ہے اس میں بے فائدہ بیخ و بکار کی ضرورت نہیں۔ سلسلہ مکاتبت کو بند کیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے آپ زبانی گفتگو نہ کرنا چاہیں اور اپنی آخری تحریر کا جواب تحریری ہی چاہیں تو گو میرے نزدیک ضروری ہے مگر آپ کی رحمت و محنت پر نظر کر کے میں اس طویل تحریر کا مختصر جواب ارسال کر دوں گا۔

ظفر احمد عثمانی

(۵ فروری ۱۹۵۲ء)

باسمہ تعالیٰ

مکتوب ۱۱

مولانا المکرم! دامت برکاتکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ گرامی مورخہ ۲۵ فروری ۱۳۵۲ء سے سرفراز ہوا۔ جو اب عرض ہے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میرے آپ کے درمیان اصول دین میں کوئی اختلاف نہیں۔ قرآن میں کو آپ بھی کامل و مکمل ہی مانتے ہیں، ناقص نہیں سمجھتے ہیں۔ سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سنت خلفائے راشدین کو آپ بھی میری ہی طرح حجت فی الدین اور واجب الاتباع تسلیم کرتے ہیں۔

ہر حدیث کو غالباً آپ بھی سنت نہیں مانتے۔ کیونکہ سنت مڑو کہ یعنی ماکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما فعلہ بھی حدیث کی صورت میں مروی ہو سکتی ہے مگر وہ سنت واجب الاتباع نہیں ہے بلکہ اس کا ترک سنت ہے اور ہر حدیث منسوب بہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ بھی صحیح نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ آپ جلالت میں کہ موضوعات کا ایک کافی ذخیرہ ہے جس کو وضاحتی و کلامی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ آپ بھی امام مالک و امام بخاری و امام مسلم اور ان کے شیوخ و شیوخ الشیعہ کو معصوم نہیں مانتے اور نہ اس کے قائل ہیں کہ ان میں سے کسی کے پاس وحی بھی آتی تھی یا فرشتے آکر ان کو صحیح و سقیم کی خبر دے دیتے تھے۔ آپ بھی احادیث مرویہ کو نقلی ہی جانتے ہوں گے۔

اس لئے ہمارے آپ کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ اصولی نہیں ہیں۔ درحقیقت فردی ہی ہیں۔ میرے آپ کے درمیان یہ فرق ضرور ہے کہ آپ دائرہ تقلید کے اندر رہ کر گفتگو فرماتے ہیں، اور میں اس دائرے میں محصور رہنا گوارا نہیں کر سکتا۔ میں ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اتباع کرتا ہوں مگر بالیسعات والذکر۔ یعنی ان کے دلائل کو سمجھ لو جھکر۔ اور جس مسئلے میں پایہ تحقیق تک نہیں پہنچا ہوں میں اس میں مردست امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا اتباع کرتا ہوں، چونکہ ان کے مسلک کو اقرب الی الحق پاتا ہوں۔ مگر ہر صورت کو دائرہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتا۔

ہر حال گزارش یہ ہے کہ میں زبانی کسی سے بھی دینی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ گفتگو نہیں کرتا، مگر یہ کہ اتفاقاً کسی محبت میں کسی سے کوئی بات پھر مڑ جائے۔ ایسی حالت میں اگر بات طے ہوتی نہیں دیکھی تو خاموشی اختیار کر لیتا ہوں کیونکہ زبانی گفتگو عموماً تلخی ہی پر ختم ہوا کرتی ہے اس لئے زبانی گفتگو سے قوی مجبور ہوں، مجھ کو اس سے معاف رکھا جائے۔ تحریر ایک پائیدار چیز ہے، بار بار ہر شخص اس کو پڑھ

اظہار عقیدہ فی المسائل

مکتوب ہوں

تفصیل زبانی نہیں

سکتا ہے، اور اپنے خیال پر نظر ثانی کر سکتا ہے۔

دو اتراتی۔ ایک نام نہانی ہے کچھ گفتگو چھوڑ گئی تھی۔ مگر زبانی باتیں تھیں جو تلخی پر منتہی ہو کر رہیں، آخر میں اُٹھ کر چلا آیا۔ اور انہیں جو اصرار تھا کہ جمع خلیٰ بالف لام مفید استعراق ہی ہوا کوتاہ ہے، عہد کے لئے یا جنس کا الف لام جمع کے صیغوں پر نہیں آتا۔ اس کے جواب میں قرآن میں سے چند مثالیں لکھ کر بھیج دیں۔ کچھ دنوں کے بعد جواب آیا، اور ایسا جواب جو میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر لکھا تھا کہ اس کا تحریری جواب آیا تو میں اس کی طرف مطلقاً التفات نہ کروں گا بس صرف زبانی، یہی گفتگو ہوئی چاہیے، فلاں فلاں کے سامنے یہ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ میرا بھی خیال یہاں کون ملے گا جو ہو گا وہ انہیں کا ہمنوا ہو گا۔ اور میں زبانی گفتگو نہیں کرتا۔ تحریر کی راہ انہوں نے بند ہی کر دی۔ تو پھر اس طرح ان کا جواب لا جواب ہو کر رہ گیا۔

غیبت ہے کہ آنجناب نے تحریر کی راہ بند نہیں فرمائی۔ ورنہ آپ کی طرف سے بھی مجھ کو مایوس ہی ہو جانا پڑتا۔ جناب سے بھی یہی گزارش ہے کہ موجودہ علماء میں سے زیادہ تر وہی ہیں جو آپ کے، بھیال ہیں۔ اور جو بعض کسی قدر آزاد خیال ہوں گے بھی تو میں یہ امید نہیں کرتا کہ وہ بدنامی کے خوف سے بھی آزاد ہوں گے۔ لومۃ المائم کی پرواہ نہ کرنے والے آجکل کتنے ہیں؟ آپ خود سمجھ سکتے ہیں اور بالفرض ہوں بھی تو چونکہ بالمشافہ گفتگو ہمیشہ تلخی پر ختم ہوا کرتی ہے اس لئے میں اس کے لئے تیار نہیں کہ آپ جیسے بزرگ بھائی سے تلخی پیدا کروں۔ جب میں آپ کو بڑا بھائی سمجھ چکا تو سمجھتا رہوں گا اور آپ سے بھی نزرگانہ شفقت کا امیدوار رہوں گا۔ اختلاف رائے اپنی جگہ پہلے اور آپس کی راہ و رسم محبت اپنی جگہ بدر۔

آخر نامہ گرامی میں وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اگر بالمشافہ گفتگو منظور نہ ہو تو اس طویل تحریر کا مختصر تحریری جواب ارسال کروں گا۔ تو مختصر ہوا مطلق، مگر تحریری ہی جواب مرحمت ہو۔ انکوئید اذا دعو فی۔

صحیح بخاری کے صفحات کے ساتھ سلسلہ اسناد جس میں شریک کا نام ہوا ارقام فرما دیا جائے۔ اگر صفحہ کی گنتی کے ساتھ سطر کی گنتی بھی لکھ دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

آخر میں پھر عرض کیا کہ میں اس کے تعلقات و رسم و راہ محبت پر نہیں
پرٹنا چاہیے۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا پھوٹا بھائی تمنا عادی غفرلہ

۶ فروری ۱۳۵۲ھ

مکتوب ۱۲۱

مکرمی مولانا تمنا دامت مکار کم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ مجھے افسوس
ہے کہ میں اب بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ آپ کو مجھ سے فردعی نہیں بلکہ اصولی اختلاف ہے جس کی ایک وجہ
کو تو آپ نے اس خط میں بھی تسلیم کر لیا ہے کہ آپ دائرہ تقلید میں محصور نہیں رہتے یعنی مجتہد
ہیں کہ کلام کرنا چاہتے ہیں تو پہلے مجھے یہ بتلادیا جائے کہ آپ میں شرائط اجتہاد موجود بھی ہیں؟
معاف کیا جائے میرے نزدیک تو آپ مجتہدین کے کلام کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر آپ کو
دعویٰ ہو تو اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سامنے مجتہدین کا کلام پیش کروں اور آپ اس کو حل فرمادیں
دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہدایہ ہی کے بہت سے مقام ایسے ہیں جن کو آپ بغیر شروح کے اعداد کے
حل نہیں کر سکتے۔ امام محمد بن حسنؒ کی جامع کبیر چھپ چکی ہے اس کے مقامات مشکلاہ حل بھی ہم
جیسوں اور آپ جیسوں کے بس کی بات نہیں۔ پھر دعویٰ اجتہاد کیا؟ علامہ سیوطیؒ کو بوجہ علوم اسلامیہ
میں کمال مہارت و حفظ احادیث و فقہیات کے گمان ہونے لگا تھا کہ میرے اندر اسباب اجتہاد موجود
ہیں۔ علماء عصر نے ان سے کہا کہ اور کچھ نہیں صرف قرآن و حدیث سے استنباط احکام کے اصول ہی اپنے
اجتہاد سے بیان کر دیجئے اند مجتہدین سابقین کے اصول مدونہ سے مدونہ لیجئے تو ہم آپ کو مجتہد
مان لیں گے۔ اس کے جواب میں ان کو ماننا پڑا کہ واقعی میں مجتہد بننے کے لائق نہیں ہوں پھر ہمارا اور
آپ کا درجہ کیا ہے کہ اپنے کو چند کتابوں کے مطالعہ اور التماسدہ ترجمہ و مطلب بیان کر کے مجتہد
سمجھ لیں۔ یہ تاثر اداوئے بیایدہ پچھو درد۔ بقیہ وجوہ پر میرے اس اجمالی جواب سے روشنی پڑ
جائے گی امید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل سے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر غور فرمائیں گے۔

”یہ سوال کہ میرے آپ کے در بیان یہ مراسلات محض دوستانہ و مخلصانہ ہیں یا مناظرانہ“ مشترک

سوال ہے۔ میرا تو مذاق یہ ہے ۷

خود چڑھ جاتے جنگ و جدل نیک و بد کیس دلم از صلحہا، ہم می رمد

اس کے بعد ہر راہ ہر نمبر کے متعلق کچھ عرض ہے۔

۱۔ الحمد للہ مجھے تو اپنے اکابر غایت درجہ متبع قرآن و سنت ہی نظر آئے بلکہ بخدا میں اسی دور میں اُن کی خاک پا ہی کو پا لوں تو میرے لئے سعادت عظمیٰ ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو ایسے اکابر میسر نہ آئے یا میرے آئے آپ نے ان کو نہ پہچانا اور اپنے کو اُن سے فوق جانا۔

۲۔ یہ قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت عربیہ جن کی پابندی آپ کے نزدیک فرض عین ہے محفوظ ہیں یا غیر محفوظ؟ ان میں تو وضاحتیں و کذاہیں اور ملحد تلامذہ کے الحاق و ادخال کا احتمال نہیں یا یہاں بھی کوئی احتمال ہے؟ اور ان کو محفوظ ماننے سے بھی قرآن کی صفت خصوصی پر محدود ہوگا؟

۳۔ اصول فقہ قرآن و حدیث، اسے فہم مراد کا طریقہ بتلاتے ہیں جیسا قواعد عربیہ صحیح عربی بولنے اور لکھنے کا قاعدہ بتلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس طرح قواعد عربیت کو اہل لسان ہی جانتے ہیں اسی طرح قرآن و حدیث سے استنباط و فہم کے طرق بھی مسلم اہل لسان و اہل فقہ ہی جان سکتے ہیں اس کو دماغی پیداوار قرار دینا تحکم باطل کے سوا کچھ نہیں۔ دنا یہ کہ ان اصول میں اہل سنت کے نزدیک یعنی باتوں میں اختلاف ہے تو ایسے اختلاف سے قواعد عربیت ہی کہاں معصوم ہیں و مان بھی تو کو فیس ابصرین و سیدو یہ و اخفش و کسائی کا اختلاف موجود ہے تو پھر ان کو بھی دماغی پیداوار کہیے کیا قرآن بدل گیا؟ یا اُس کی زبان بدل گئی؟ جو آج ائمہ اصول کے لئے طرق استنباط بدل جاتے؟ اگر آپ کی دیانت کسی ایسی بات کو باطل سمجھتی ہے جس کو ائمہ سلف نے صحیح کہا ہے تو آپ کو اپنی دیانت پر شبہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ کے پاس متقدمین علماء و متفہمین کے برابر نہ ذوق لسان عربی میں ہے نہ اُن کی مزاحمت و نبوت کی معرفت ہے نہ اُن جیسا اخلاص و ورع و تقویٰ ہے اور قرآن و حدیث کی فہم کے لئے سب سے زیادہ ان چیزوں کی ضرورت ہے، ان ہی سے علم حقیقی حاصل ہوتا ہے جس کے متعلق امام مالک کا ارشاد ہے۔ لیس العلم بکثرة الروایۃ دان العلم فوس یضعہ اللہ فی قلوب الرجال پہلے کوئی شخص ان ائمہ مجتہدین و محدثین کی برابر کام تو کرے پھر یہ بات زبان سے نکالے کہ میرے نزدیک اصول حدیث میں بھی کسی قدر محدود اثبات کی ضرورت ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں صحیح حدیثوں کو قرآن میں اس کی شرح سمجھتا ہوں۔ جس سے فہم قرآن کا حدیث صحیح پر موقوف ہونا معلوم ہوا۔ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث وہ ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ اس سے صحیح حدیث کا قرآن پر موقوف ہونا ثابت ہوا۔ یہ دور نہیں تو کیا ہے؟

پھر یہ واضح نہ ہوا کہ حدیث کی بھی کوئی شرح ہے یا نہیں؟ یا حدیث کے متنازعہ آپ خود ہی ہیں کہ جس کو چاہیں قرآن کے موافق کہہ دیں جسے چاہیں خلاف کہہ دیں۔ اس کے لئے بھی کوئی اصول ہونا چاہیئے۔
۴۔ آپ نے عبارت النص و اقتضاء النص کو قطعی مان لیا مگر اشارة النص و دلالة النص کے بارہ میں کچھ نہیں فرمایا۔ ان دونوں نے کیا خطا کی تھی کیا فہم کلام میں ان کو دخل نہیں ہے؟

اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف ہو بھی نہیں سکتی بشرطیکہ موافقت اور مخالفت کا مدار اصول صحیح پر ہو بعض آپ کی رائے پر نہ ہو۔

۵۔ اور قرآن میں قطعیت کہاں سے آئی؟ کیا صرف ہماری اور آپ کی خوش اعتقادی سے یا تو اثر نقل و حفظ مشاہدے سے؟ شق ثانی پر اگر یہ تو اثر حدیث میں بھی پائی جملے تو قطعی کیوں نہ ہوگی؟

۶۔ قرآنی سیاق و سباق سے حدیث کی مطابقت و موافقت کے لئے کوئی اصول بھی ہے یا بعض آپ کی رائے ہی کافی ہے؟ تعامل صحابہ حدیث سے معلوم ہو گیا کسی اور ذریعہ سے؟ اور تعامل صحابہ قطعی ہے یا ظنی؟

۷۔ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس سے مراد کلام نفسی ہے یا لفظی؟ شق ثانی پر ہر وہ چیز بھی محفوظ ماننا پڑے گی جس پر کلام لفظی کی حفاظت موقوف ہو۔ مثلاً طریق تلاوت و قواعد و تجوید و تصحیح الفاظ و قواعد رسم خط و قواعد نحو و صرف و اصول ادب و عربیت و بلاغت و قواعد استنباط معانی وغیرہ۔ واحادیث رسول جن کو آپ نے قرآن کی شرح مانا اور ان سے قطع نظر کہ قرآن سے مسائل نکالنے کی کوشش کر الحاد و زندقہ و کفر صریح فرمایا ہے۔ تب بھی ان چیزوں کی حفاظت کے بغیر قرآن یعنی کلام لفظی کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے؟ تو وعدہ حفاظت قرآن میں ان سب اسباب کی حفاظت داخل ہے یا نہیں؟ پھر کیا ان کی حفاظت کو آپ قرآن مجید کی صفت خصوصی پر حملہ نہیں کریں گے۔ یا اس کا تتمہ و تکملہ فرمائیں گے؟ سے سخن شناس نہ دہرا خطا میں جا ست

۸۔ اس کا جواب میری گذشتہ تحریر کے حرف ح اور ت میں موجود ہے افسوس ہے کہ آپ غور نہیں

فرماتے۔ صحیحین کی حدیث پر تعلق یا بقول کے ساتھ امت اس حدیث کا منفع ہر نا محمدین کو بھی مسلم ہے اور اور مؤمنین کو بھی (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون) میں ساری امت کو بے ایمان اور تنہا آپ کو ایماندار تسلیم کرنے سے معذور ہوں۔ (یہ بھی مجھ میں اور آپ میں اصولی اختلاف ہے)

۹۔ تعامل صحابہ تو حجت شرعی ہے اور اجماع صحابہ و تعامل امت کے بارہ میں کیا ارشاد ہے بحدیث رسولؐ کیا وہ ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں کہہ دی ہو یا فرشتہ نے آپ سے بیان کی ہو؟ کیونکہ انسانوں میں تو کوئی ایسا نہ ملے گا جسے کسی نے شی برائہ کہا ہو۔ ہامنا احد الاراد اور مرد در حدیث (بخاری) اور نیز اور صحابہ میں بھی تو ایک دوسرے پر رد و کد موجود ہے۔

۱۰۔ جس کا آنکھیں بخاری و مسلم میں بھی موضوع حدیثیں دیکھ رہی ہیں وہ یقیناً بالغ نہیں بلکہ قاصر و نابالغ ہیں۔ (یہ بھی مجھ میں اور آپ میں اصولی اختلاف ہے)۔

۱۱۔ ترمذی میں موضوعات کی نشاندہی وہ کر سکتا ہے جو ترمذی کے درجہ کا محدث ہو ورنہ اس کی نشاندہی اُسی پر ہونا دی جائے گی۔ ملاحظہ ہو تحریر سابق کا حرف قر۔

۱۲۔ یہ محدثین متاخرین کا قول نہیں خود ایوان وادد کا قول ہے۔ ملاحظہ ہو حرف قر۔

۱۳۔ محدثین کے اصول تو معتزہ ہوتے اور جناب کے اصول؟ پھر قرآن کی براہِ قطعیت کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ امت کا قول مشہور اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری خود اولیت اور بعثیت کو واضح کر رہا ہے مگر آپ کی کہ نواہ مخواہ تسویہ اور مساوات کا الزام دہرتے ہیں۔

صحیح حدیث کا صحیح ہونا ویسا ہی ہے جیسا آپ کا مومن و مسلم ہونا اگر میں آپ کے ایمان و اسلام پر قسم نہ کھا سکوں تو کیا آپ مومن و مسلم نہ ہوں گے؟ مولانا اگر ثروت کا مدار قسم پر رکھا جائے گا تو نہ کوئی مسلمان مسلمان ثابت ہوگا نہ حلال حلال۔

۱۴۔ اس کا جواب نمبر ۱۱ میں ملاحظہ ہو۔

۱۵۔ اس کا جواب بھی نمبر ۳ و نمبر ۴ میں گذر چکا ہے۔ یہ بالغ نظر کو احادیث صحیحین کی کوئی حدیث بھی معارض قرآن نظر نہیں آسکتی جس کو نظر آئے اس کی نظر بالغ نہیں۔

۱۶۔ حدیث کی صحت باقی رکھنے کے لئے قرآن میں کوئی عالم متدین تاویل نہیں کرتا نہ مسلم آپ نے کن کو کون سے حدیث پر مبنی ہے براہیسی ہے تکی ایسی قسم سے نکل رہی ہیں۔

اگر آئمہ محدثین کی کتابوں میں جو اُن کے زمانہ سے اس وقت تک ہر زمانہ میں علماء کے درمیان متواتر و متداول چلی آ رہی ہیں، محدثانہ مذہب اور کاتبوں کے الحاد و ادخال کی تاویل کی جائے گی تو بددینوں کو خصوصاً و افاض کو قرآن میں بھی اس قسم کے احتمالات نکالنے کا موقع مل جائے گا۔ ورنہ کم از کم کتب لغت و قواعد عربیت میں تو ضرور موقع مل جائے گا۔ پھر آپ نہ صلوٰۃ کے معنی شرعی ثابت کر سکیں گے نہ زکوٰۃ اور صوم و حج و نکاح و طلاق وغیرہ کے۔ ایک محدث کہہ دے گا کہ اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنی فہم کے موافق یہ معانی لکھ دیئے ہیں۔ میرے نزدیک اس کے معنی دوسرے ہیں تو آپ کیا جواب دیں گے؟

۱۷۔ ان بزرگوں نے تو قلمی جولانیاں نہیں کی ہیں۔ امت کو علوم صحیحہ سے ہی روشناس کیلئے ہاں آپ کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں ۔
نازدار روئے بیا بدیچو درد
چوں نہ داری گرد بدخوئی مگر د

۱۸۔ شکر ہے آپ نے تسلیم کر لیا کہ روایتوں ہی کی مدد سے قرآنی مفہوم متعین ہو سکتا ہے تو پھر مسند کو حدیث کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وفدینہ بذبح عظیمہ میں قربانی کا ذکر صراحتاً نہیں، قربانی ایام مخصوصہ میں ہوتی ہے قرآن میں ایام کا ذکر نہیں۔ اور فدیہ جان عقیقہ کو بھی کہا جاتا ہے اس لئے احتمال ہے کہ قرآن میں فدیہ سے عقیقہ مراد ہو اور یہ بعد کی اصطلاح نہیں۔ عقیقہ، عقیترہ، اضمحہ ہدی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے جن میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا بعض کو منسوخ کیا اور بعض میں اصلاحات کیں۔

۱۹۔ آپ کو تسلیم ہے کہ حدیث سنۃ ابیکم ابراہیم کی سند میں ایک رافضی کذاب اور ایک منکر الحدیث موجود ہے مگر یہاں آپ کو الکذب قد یصدق کی بناء پر حدیث کو صحیح کہنے کی راہ مل گئی اور حدیث علی رضی اللہ عنہ شریک میں یہ راہ نہ ملی؟ رہا ایک کا قرآن کے موافق ہونا دوسری کا موافق نہ ہونا یہی تو ماہہ النزاع ہے میں اُس حدیث کو خلاف قرآن سمجھتا ہوں جس کو آپ باوجود رافضی کذاب کی روایت کے صحیح فرما رہے ہیں۔ اگر موافقت و مخالفت قرآن کا مدار میری اور آپ کی رائے پر ہوگا تو قربات کبھی ختم نہ ہوگی۔ ابن ماجہ کا داخل صحاح ہونا مختلف فیہ ہے اُس میں بعض موضوعات کا وجود مجھے تسلیم ہے جیسا کہ مسابقی میں گذر چکا اور مسند احمد کا صحاح سے خارج ہونا ظاہر ہے۔

۲۰۔ اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث سنۃ لیسکم ابراہیم آیت قرآن کی شرح ہے کیا کسی صحابی نے اس کو وَفَدْنِيْہُ بِذَرِيْعٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟ قربانی کی سنت قدیمہ اور سنت ابراہیمہ میں جو فرق بیان کیا گیا، محتاج دلیل ہے۔ درز طبع زاد حاشیہ ہے۔

۲۱۔ مطلب یہ تھا کہ اگر قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے تو انہوں نے ایک ہی بات تو نہ کی ہوگی سنت کے لئے تو مواہبت شرط ہے اگر ایک دفعہ زندہ کی طرف سے کی تھی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ خود خدا کی طرف سے کبھی بتیں کی کیونکہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

۲۲۔ اگر آپ نے حدیث کو عینی بدردہ کے طور پر ذکر کیا ہے تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ و فَدْنِيْہُ بِذَرِيْعٍ عَظِيْمٍ سے کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ اُس میں نہ ایام کا ذکر ہے نہ مہینہ کا تو قربانی کا ثبوت نہ ہوا۔ فدیہ کے لفظ سے عقیقہ کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ذابغ فرشتہ، جو حضرت ابراہیمؑ نہ ہوں۔ خواب میں ذریعہ ولد کو دیکھنا۔ بیداری میں ذریعہ حیوان کو مستلزم نہیں۔ ذریعہ عظیم کے لفظ سے حلال چوپایہ بھی بتیں معلوم ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ عظیم الجثہ واقعی مراد ہوں اگر یہ بھی مذکور ہوتا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اُس کا گوشت کھایا تو حلال جانور کا ثبوت ہو جاتا اب فرمائیے حدیث بدردہ ہی یا مدار مسئلہ وہی قرار پائی؟ اور سُنْدُ اُس کا جو حال ہے معلوم ہی ہے۔

۲۳۔ اس تمام تر تقریر کا ماحصل کچھ بھی نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ مَنْ لَمْ يُضَلِّ مِنْ اُمَّتِيْ زَنْدَہُ مردہ بے نمازیوں کو شامل ہے یا بتیں اسی طرح مَنْ لَمْ يُفْلِحْ مِنْ اُمَّتِيْ ہے اِیْ مَنْ لَمْ يَفْلَحْ وَكَانَ مِنْ شَانَةِ اَنْ يَفْلَحَ فِيْ حَيَاتِهِ۔ فرمائیے اب تقابل عدم ملک سے آپ کا مدعا کیونکر ثابت ہوا؟ مَنْ اٰمَنَ وَصَدَقَ مَنْ اٰمَنَ فِيْ لَفْظٍ مِنْ اُمَّتِيْ میں لفظ مَنْ اٰمَنَ بیکار نہیں کیونکہ اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو مَنْ اٰمَنَ بِيْ وَصَدَقَ قُلُوْبِيْ ظاہراً مؤمنین موجودین فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخاصم ہو جاتا گو عموم کا احتمال بھی رہتا لفظ مَنْ اٰمَنَ سے دوسرا احتمال قطع ہو گیا اور پوری امت کو شامل ہو گیا۔ لَمْ يَفْلَحْ حرف مَنْ کے تحت میں ماضی نہیں رہتا کیونکہ نَحَاۃ کی تصریح ہے کہ اسماء موصولہ میں معنی شرط موجود ہیں اور ماضی تحت الشرط ماضی نہیں رہتی۔ مَنْ اِطَاعَنِیْ فَقَدْ اِطَاعَ اللّٰہَ مَنْ اٰجَبَ لِقَاءَ اللّٰہِ اٰجَبَ اللّٰہُ لِقَاءَہُ وغیرہ بکثرت نظائر موجود ہیں۔

جب آپ ایک حدیث کو بلا سند لکھ کر حجت مان چکے تو اُسی حدیث کے دوسرے طریق کو ماننے سے

کیوں انکار ہے؟ پھر میں نے کتاب کا حوالہ دے دیا تھا جس سے حدیث کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔
 ۲۳۔ (مکرر) میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن سے آپ کچھ ثابت نہیں کر سکے۔ حدیث سنۃ الیکم ابراہیم
 کا آیت کی شرح ہونا عجاج دلیل ہے۔ دونوں کو ملا کر آپ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ محض طبع زاد منہ ہونے۔
 ذبح عظیم میں اضمحیرہ کوئی دلیل نہیں اور فدیہ جان سب سے زیادہ حقیقہ میں نمایاں ہے اور اُس وقت
 حضرت اسماعیل ؑ اپنے تھے جیسا ولما بلغ معه السعی سے معلوم ہو رہا ہے تو اس فدیہ کا حقیقہ پر محمول
 ہونا زیادہ ظاہر ہے۔

۲۵۔ قربانی کا ثواب ہونا تو آپ کو مسلم ہے اور حدیث علی رضی سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضور کی طرف
 سے قربانی کی جس کو آپ کسی طرح بھی موضوع ثابت نہیں کر سکتے۔ جبکہ ایک رافضی کذاب کی حدیث کو آپ موضوع
 نہیں کہتے۔ ثواب میرا یہ الزام آپ پر درست ہے کہ جب ایک ثواب کا کام حضور کی طرف سے ہو
 سکتا ہے تو دوسروں کی طرف سے کیوں نہ ہو سکے گا؟ آپ نے میرے کلام میں غور نہیں کیا۔ میں نے اس جگہ
 جو کچھ لکھا ہے خیری صاحب کے اس قول پر لکھا ہے کہ اگر حضرت علی رضی کی حدیث صحیح بھی ہو تو وہ قربانی مخصوص
 تھی الخ۔ جب مخاطب نے تسلیم کے بعد کلام کیا ہے تو اُسی تقدیر پر اس کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ جب
 تک تسلیم کے ساتھ کلام نہ تھا اُس وقت تک یہ ایہ طرز کلام بھی نہ تھا اس کو معاذرہ علی المطلوب دی کہیگا
 جو کلام قبل التسلیم و بعد التسلیم میں فرق نہیں کرتا۔

۲۶۔ درود و رحمت اور دعا سب کا مفہوم قریب ہی قریب ہے صرف فرق مراتب کے لئے اذیاداً بول اللہ
 صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے صلوة و سلام کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسروں کے واسطے رحمت و مغفرت کا
 وندہ حدیث میں اللہ صل علی ال ابی اوفی بھی موجود ہے (بخاری) حیرت ہے کہ آپ لفظی جھٹول
 سے خواہ مخواہ تحریر کو طویل کرتے جلتے ہیں۔

مراسلہ سابقہ کا تب کا نقل کردہ ہے کیا میرے قلم کو آپ نہیں پہچانتے؟ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان
 رضی اللہ عنہم کے نام سے حضرت اور رضی اللہ عنہم کا حذف میرا فعل نہیں۔ افسوس ہے کہ آپ فضول باتوں
 میں اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں اور میرا بھی۔ میں نمبر ۲۵ میں لکھ چکا ہوں کہ مخاطب نے بعد تسلیم محبت
 کلام کیا تھا اس لئے اُس کو اس شق پر الزام دیا گیا اب یہ اُن سے پوچھیے کہ تسلیم محبت کی صورت پر
 کلام کیوں کیا تھا؟

۲۷۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں اس لئے یہ ساری گفتگو بے فائدہ ہے۔
 ۲۸۔ واقعی آپ کو میری طرف سے مایوس ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ میں آپ کی طرح کسی حدیث کو عین اپنی رائے سے مخالف یا موافق قرآن کہہ کر صحیح یا موضوع نہیں کہہ سکتا۔ آپ کے نزدیک اپنی ذاتی رائے کے سوا موافقت و مخالفت قرآن کا کوئی معیار ہے تو بتائیے ورنہ میں دکھلا چکا ہوں کہ آپ جس حدیث کو قرآن کے موافق کہتے ہیں وہ موافق نہیں اور جس کو مخالف کہتے ہیں اُس کی مخالفت کو ثابت نہیں کر سکتے۔ وَلَا تَقْبَلُوا دَعْوَىٰ بَدِيعَتِهِ۔
 حدیث سنت ابیکم ابوالحسین کے سند میں رافضی کذاب کے ہوتے ہوئے آپ اُس کو صحیح کہہ رہے ہیں اور حدیث علی رضی میں صرف ابوالحسناء کی جہالت سے موضوع کا حکم لگا رہے ہیں یہ حکم نہیں تو اور کیا ہے؟۔ مجھے اس سے انکار کب ہے کہ صحابہ اکثر قربانی کرتے تھے مگر جن الفاظ سے آپ نے دعویٰ کیا ہے اس کا ثبوت کہاں؟
 ایک صحابی کے وکان المسلمون یُسَبِّحُونَ کہنے سے اُن ہی لوگوں کا حال معلوم ہو رہا ہے جو اُس کے اُس پاس ہوں گے سب کا احاطہ کہاں کر سکتا تھا؟ آپ کا یہ فرمانا کہ اگر واقعی حضرت علی رضی کو حکم ہوا بھی ہو ارغ علی سبیل التسلیم ہے یا نہیں؟ اگر علی رضی سبیل التسلیم ہے تو ایسا ہی جملہ خیری صاحب کی تحریر میں تھا اسی ہم میں نے کلام کیا تو آپ فوراً کہنے لگے کہ آپ کے مخاطب کو یہ تسلیم ہی کہاں ہے اور یہ تو مصادرہ علی المطلوب ہے ورنہ وغیرہ۔ جب آپ حدیث پر تسلیم کے بعد کلام کریں گے تو مجھے بھی اس شق پر کلام کرنے کا حق ہے پھر کہتا ہوں کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ یہ حکم حضرت علی رضی کے لئے مخصوص تھا تخصیص بلا دلیل ہے اگر تہنہ ان کا راوی ہونا دلیل تخصیص ہے تو ہر وہ حدیث جس کی ایک صحابی روایت کرے اُس صحابی کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو جائے گی حالانکہ بہت سی احادیث ایسی موجود ہیں جن کا راوی ایک ہی صحابی ہے اور صحابی نے اُس کو منبر پر چڑھ کر بھی بیان نہیں کیا مگر حکم عام ہے۔ ملاحظہ ہوں روایات

الوحدان والافراد۔

میرے آباء و اجداد و اکابر و مشائخ تو اسلام، ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج اور قربانی سب اپنے ساتھ مدینہ ہی سے لائے تھے۔ اگر نماز، روزہ، ہندوستان سے تیور کے زمانہ سے شروع کیا جوتا تو ممکن تھا کہ قربانی بھی ہندوستان سے شروع کی ہوتی جب سارا دین مدینہ سے لائے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ قربانی مدینہ سے نہ لائے ہوں۔ آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی یہ طرز گفتگو کیسی ہے؟

آپ کو نابارک ہو کہ آپ نے اپنے آباء و اجداد و اکابر کی طریقہ نبوی سے ہٹا ہوا پایا۔ الحمد للہ میں

نے تو اپنے آباء و اجداد ہی کے ذریعہ اسلام پایا اور اکابر و مشائخ ہی سے اتباع قرآن و سنت سیکھا اور محمد اللہ میرے اکابر کو ایک دنیا آج بھی دین کا آفتاب و ماہتاب مانتی ہے منہم حضرت الشیخ مولانا رشید احمد انگلو، شیخ مولانا الشیخ محمد قاسم الغافقوی و مولانا الشیخ خلیل احمد السہارنپوری المہاجر الممدنی و مولانا الشیخ حکیم الامتہ محمد اللہ محمد اشرف علی التہانوی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اولئک آبائی قمیٹی بمشاہدہ
اذا جمعتمنا یا جویر المجامع

حدیثوں کے ذخیروں سے اہل بدعت کو اپنے مطلب کی بات نکالنے کا میں نے موقع نہیں دیا۔ بلکہ آپ دے رہے ہیں کیونکہ میں نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ کسی حدیث کو اپنی رائے سے صحیح یا موضوع قرار دے دے یا تنہا اپنی رائے سے جس حدیث کو چاہے قرآن کے موافق کہے۔ اور اگر اس کا راوی کذاب و رافضی بھی ہو تو الکذب قد یصدق کا قاعدہ بیان کر دے جو چاہے آپ کی چشم کرشمہ ساز کرے اور جس کو چاہے قرآن کے خلاف کہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بدعت کی دال ہمارے یہاں نہیں لگی سکتی۔

۲۹۔ آپ اس وقت جو کچھ فرما رہے ہیں وہ اُس سے بھی عجیب تر ہے اب تک آپ کو زندہ کی طرف سے قربانی کا جواز مسلم تھا اور تسلیم کر چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے زندہ کی طرف سے قربانی کی تھی صرف مردوں کی طرف سے قربانی کے جواز میں کلام تھا۔ اب اس موضوع سے ہٹ کر زندوں کی طرف سے بھی قربانی و حج بدل و صدقہ وغیرہ کا انکار کرنے لگے بس ایک دعا کو دوسروں کے لئے نافع مانا گیا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ آپ اس سے بھی دست بردار ہو جائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص قربانی کر کے دعا کرے کہ اے اللہ اس عمل کا ثواب فلاں عزیز زندہ یا مردہ کو بخش دے یا حج بدل کر کے دعا کرے کہ اے اللہ اس حج بدل کا ثواب فلاں زندہ یا مردہ کو پہنچا دے تو اس دعا کی نافعیت کا آپ کسی دلیل سے انکار کریں گے؟ کیا کسی آیت یا حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی کو ثواب پہنچانے کی دعا نہ کی جائے؟ پھر مردہ کی طرف سے حج بدل یا قربانی کیوں ممنوع ہے؟ وہاں یہی تو ہوتا ہے کہ ایک شخص عمل کر کے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس کا ثواب فلاں کو دیدیا جائے۔ پس میں نے جو لکھا تھا کہ ”زندہ مردہ سب کے لئے یہی حکم ہوگا و لا قائل بہ“ اپنی جگہ رہے آپ اپنے مسلمات سے بھی ہٹنے لگیں تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟

۳۰، ۳۱، ۳۲۔ حیرت ہے کہ آپ تفسیر قرآن میں اپنی طرف سے جو چاہیں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہنا لہ
التقویٰ منکم۔ وانما یتقبل اللہ من المتقین سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ تقویٰ اس عمل کا ثواب دلائیگا؟
کیا تقویٰ اللہ تعالیٰ سے ثواب کا مطالبہ کرے گا؟ ہاں اللہ تعالیٰ صاحب التقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیں
گے اگر اب صاحب عمل یہ دعا کر دے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو بخش دیجئے آپ کس دلیل سے اس
دعا کو غیر مقبول قرار دیں گے؟ دعا کا نافع الغیر ہونا آپ کو مسلم ہے پھر اس دعا کا نافع ہونا کیوں مسلم نہیں؟
من ادعی الفرق فیئات بیان۔

اگر من عمل صالحا فلنفسہ وان لیس للانسان الا ما سعی کا وہی مفہوم ہے جو آپ نے سمجھا
تو کسی کی دعا سے بھی دوسرے کو نفع نہ ہونا چاہیے کیونکہ دعا اس کا عمل نہیں پھر اس کو نفع کیسے پہنچا؟
اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث کو آپ نے خواہ مخواہ اپنے دعا کے لئے مفید سمجھ
لیا میں پوچھتا ہوں کہ دو شخصوں نے مسجد و مدرسہ بنایا مگر ایک کی مسجد آباد ہوئی لوگوں نے اس میں
غنا پڑھی دوسری دیران ہی ایک کے مدرسہ میں تعلیم دین ہوتی رہی ایک کے مدرسہ میں گھوڑے بندھے۔
ایک شخص کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچا سلسلہ علم چلتا رہا دوسرے کے علم سے لوگوں کو نفع نہیں پہنچا
اس کی کتاب کو کسی نے منہ نہ لگایا اور شاگردوں نے دنیوی مشغلہ اختیار کر لیا۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟
برابر کہنا مکابروہ ہے۔ اگر دونوں میں فرق ہے تو درجہ فرق کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں گے تو یہ امر واضح
ہو جائے گا کہ دوسروں کے عمل سے بانی مسجد و معلم کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر کسی کی مسجد یا مدرسہ یا کتاب یا علم
سے دوسرے نفع حاصل نہ کریں تو اس کو پہلے کی برابر ثواب نہ ہوگا اسی لئے محدث میں علم کے ساتھ

یشفع بہ اور ولد کے ساتھ یدعو لہ کی قید بڑھائی گئی ہے۔ جب دوسرے کے انتفاع سے صاحب علم
کو نفع پہنچتا رہتا ہے حالانکہ انتفاع اس کا عمل نہیں بلکہ منتفع کا عمل ہے تو اس سے سیرامد عا ثبات
ہوتا ہے یا آپ کا؟ پھر دوسری حدیث میں من من سنۃ حسنۃ قلہ اجرا واجر من عمل بہا ان
انتقال ثواب کو مراد ثواب ثابت کو رہی ہے مگر آپ اس کو حاف اڑا گئے۔

۳۳۔ شیخہ حضرت علی رضا کو صرف مشہد خلافت میں وصی رسول اللہ مانتے ہیں قربانی وغیرہ میں نہیں
اس لئے حدیث علی رضی اللہ عنہ لفظ اوصافی سے قربانی کے ممنوع ہونے پر زور دینا دعویٰ سست گواہ
جست کا مصداق ہے۔

۳۴۔ تب میرے اور آپ کے درمیان اصول ہی میں اختلاف ہے تو فروغ میں گفتگو بیکار ہے۔
 ۳۵۔ امام ذہبی کی تلخیص مستدرک کا مستد آپ نے ”بہت اہم ہے“ کہہ کر صاف اُڑا دیا حالانکہ اسی سے امام ذہبی کے نزدیک حاکم کی جلالت شان ظاہر ہو جاتی۔ پھر آپ نے مستدرک حاکم کا مقدمہ بھی نہیں دیکھا، جس میں اس کے ماضی و ذاتین کے اقوال بیان کر کے حاکم کا ثقہ و عدل و امام و محبت ہونا واضح کر دیا گیا ہے۔ اور بر اُکس نے کس کو نہیں کہا؟ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما تذکرہ تاریخ الخطیب میں دیکھیے تو حاسدوں نے اُن کی نسبت اُس سے بھی زیادہ کہا ہے جو حاکم کی نسبت بعضوں نے کہا ہے۔ امام ذہبی کا اللہ بحسب الانصاف ما الرجلے برا فضی بن شیعہ کہنا صاف بتلانا ہے کہ رافضی ہونا جرح ہے شیعہ ہونا جرح نہیں۔ اور یہ فرق رافضیوں کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ محدثین کا بیان کردہ ہے کیونکہ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ و سفیان ثوری اور کوفہ کے بہت سے اجلہ محدثین کو متہم بالیشیعہ کر دیا ہے۔

۳۶۔ مجھے کوفہ اور مدینہ کا فرق معلوم ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ اہل کوفہ حج و زیارت مدینہ کو بھی جلتے تھے اسی طرح امام مالک کی ملاقات امام ابو حنیفہؒ سے ہوئی یوں ہی شریک بن عبد اللہ سے بھی ہو گئی ہوگی۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ امام مالک جیسا امام بھی جو غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتا شریک سے روایت کر رہا ہے۔ بخاری مدرکہ میں ہے گھر بنو نہیں ہے میں نے درس کے وقت ہی ان مقامات کو نوٹ کیا ہے اور طلبہ کو بتلا کر نوٹ کیا ہے۔ عزیز اجد حسین سلمہ کے پاس بخاری موجود ہوگی اس میں ان مقامات کو دیکھ لیا جائے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ البراء الخزاز سے دنیائے حدیث میں صرف یہی ایک حدیث نہیں ہے اُس کی اور بھی روایات ہیں اس لئے جس نے اس کو مچھول کہا ہے مرد بنو انہیں نہیں بلکہ مچھول الوصف ہے اور یہ کوئی جرح نہیں ایسے راوی بہت ہیں جن میں کسی سے جرح و تعدیل منقول نہیں اُن کو ثقہ ہی شمار کیا جاتا ہے اس نمبر کے بعد آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس میں خیری صاحب ہی کی باتوں کو دہرایا گیا ہے جن کا جواب پہلے دے چکا ہوں۔

اب اگر آپ میرے مقدمات مذکورہ تحریر سنا کر تسلیم فرمائیں تو اُخذہ قلم اٹھائیں ورنہ معاف فرمائیں کیونکہ اصولی اختلاف تحریر سے ختم نہیں ہو سکتا۔

گودل تو نہ چاہتا تھا کہ آپ کے سامنے فقہاء حنفیہ کا قول پیش کر دیں مگر چونکہ یہ آخری تحریر ہے اس لئے تبرعا اس پر تحریر کو ختم کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنی طرف سے نہیں بلکہ فقہاء سلف کے موافق لکھا ہے۔ بدائع میں امام محمد کی اصل یعنی مبسوط سے نقل کیا ہے و ذکر فی الاصل اذا اشتراك سبعة فی بدنة فمات احدهم قبل الذبح فرضی و رثته ان یذبح
عن المیت جائز استحسانا و القیاس۔ ان لا یجوز (نصیر و رة حصته لحما بالقطع عمل بالموت) وجہ الاستحسان ان الموت لا ینع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنه و یتج عنه و قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحی بکبشین احدهما عن نفسه و الآخر عن وعن لا یذبح من امته وان کان منہم من قدماء قبل ان یذبح فدل ان المیت یجوز ان یتقرّب عنه فاذا ذبح عنه صار نصیبہ للقربة فلا یمنع جواز ذبح الباقین اھ و مثله فی المبسوط للرخسی و معلوم ان محمدا اذا لم یدکر الاختلاف فی المسئلة کان قولا لثلاثة فانت عادتہ ذکر الاختلاف فی موقع الاختلاف و فی البزازیة عن الامام نصیر بن یحیی و محمد بن سلمة و محمد بن مقاتل و عصام بن یوسف و ابی مطیع جواز التفخیة عن المیت و ہولاء اصحاب الامام ابی یوسف و محمد بن الحسن او احدهما۔ و فی غنیة الالمی ان قوله من رخص فی التفخیة عن المیت مطابق للادلة و لادلیل لمن متعھا و قد ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینحی کبشین احدهما عن امته ممن شہد بالوحد و شہد له بالبلاغ و الآخر عن نفسه و اہل بیته و معارفہ ان کثیرا منہم قد کانوا ماتوا فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل فی ارضیة صلی اللہ علیہ وسلم الایاء و الاموات کلہم و الکبش الذی یقتی بہ عن امته کما کان للمایاء من امته كذلك کانہ الاموات من امته بلا تفرقة اھ۔

پس ہم کو تو امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی میں ہم بھی داخل تھے مولانا تمنا کو اختیار ہے کہ داخل ہوں یا نہ ہوں۔ ولیکن هذا آخر الکلام فی هذا الملر و الحمد للہ الملک العلما و صلی اللہ علی سیدنا محمد خیر الانام علی الدوام ان کی صلوات و ابھی سلام و ما علینا الا البلاغ۔

طغر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۳ فروری ۱۹۵۲ء مطابق ۲ جمادی الاول ۱۳۷۱ھ

مکتوب ۱۳
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الحمد لله رب العالمین وسلامہ علی المرسلین لاسیما علی خاتم النبیین
وعلیٰ ازواجہ وصحبہ اجمعین اللہم ادرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا
الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اخوان المکرم مولانا المحترم دامت حسنتہم - دینیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امیر اسد گری
مورخ ۴ فروری ۱۳۵۲ء مجھ کو شب جمعہ ۲۵ جمادی الثانیہ یعنی ۲۲ فروری ۱۳۵۲ء کو مل گیا
تھا۔ ۱۸ دنوں کے بعد ہی یہی ۔ حامل نامہ عزیزم مولوی الجد حسین سلیم نے تائید کر کے دیا اس کی
نقل رکھ لینا بتائی۔ مگر ایک تو میں بریڈیو کے درس قرآن میں مصروف تھا۔ دوسرے شہر میں جو فتنہ
برپا تھا، اس کی وجہ سے دماغ سخت منتشر اور طبیعت بے حد کند رہی محض سرسری طور سے
پڑھ تو یا، مگر کچھ لکھنے کی طرف طبیعت متوجہ نہ ہو سکی۔ ۲۸ فروری کو میرا درس قرآن ختم ہوا
اور شہر میں بھی بفضلہ سکون ہو گیا تو جناب کا مراسلہ نکالا۔ پڑھتا جا رہا ہوں اور جواب لکھتا
جا رہا ہوں۔ اتنا دقت کہاں کہ مسودہ کروں اور صاف کروں قلم برداشتہ کاربن پیپر رکھ کر
لکھ رہا ہوں کاربن والے شئی پروف کوں سے روشنائی کا قلم پھیرا کر دو فرد تیار کرالوں گا۔ اب
اس میں جتنی دیر ہو انشاء اللہ یکم مارچ تک دونوں فردیں تیار ہو جائیں گی جن میں سے ایک فرد
آپ کی خدمت میں بھیج دی جائے گی۔ انشاء اللہ المستعان۔ مگر یہ ادب گذارش ہے کہ
یہ مراسلات میرے آپ کے درمیان خزان تعلقات و کدورت و طلال کے باعث نہ ہونے پائیں اس کی
کوشش جناب بھی ضرور فرمائیں۔

الاجوبۃ

نمبر ۱۔ اصول دین وہی ہیں جو قرآن میں ہیں تبصریح مذکور ہوں جناب نے اپنے اہل میرے
درمیان اصولی اختلافات میں سے ایک اختلاف جو میرا اقراری ہے یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں یعنی

منا غفرلہ دائرہ تقلید میں محصور نہیں، اور آپ یعنی مولانا ظفر احمد صاحب مقلد ہیں۔

مولانا! مجھ کو پورے قرآن میں "تقلید" کا لفظ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لئے میں اس لفظ کو خارج از دین سمجھتا ہوں۔ قرآن میں ۷۰ طاعت اور اتباع و اصطلاحیں قائم کی ہیں۔ میں بتوفیق تعالیٰ بولفضلہ اللہ اور اللہ کے رسول کا مطیع ہوں، اور قرآن و سنت ثابتہ صحیحہ اور ہمارے جہان و انہما سابقون الاولین رضی اللہ عنہم کا متبع۔ اسی پر زندہ ہوں اور اسی پر زندہ رہنا مقفی ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
اجتہاد ہر شخص پر حسب استطاعت فرض ہے

نمبر ۲۔ اجتہاد ایک فریضہ ہے جو ہر مسلم پر فرض ہے بلکہ بدایت اسی پر موقوف ہے۔ والذین جاهدوا فینا لنمجدینہم سبیلنا۔ اپنی اپنی بصاعت بھر ہر شخص کو اجتہاد کرنا چاہیے۔ دو عالموں کی رایوں میں اختلاف ہو تو ایک عاقل کو ضرور اجتہاد کرنا چاہیے کہ ان دونوں میں سے کون حق پر ہو سکتا ہے، اس کی دانستہ ہی کون قرآن و سنت سے زیادہ واقف ہے، کس کو وہ اللہ سے ڈرنے والا زیادہ پاتا ہے اور کس کی رائے پائیدار احتیاط کو لئے ہوئے ہے۔ اگر اس نے کسی کی بات صرف اس لئے مان لی کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا یا پیر یا استاد ہے یا اس سے رسم و راہ ہے تو میرے نزدیک وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اس لئے ہر عاقل پر ایثار و اشتباہات و برعل کو نا لازم ہے، اور اس کے لئے اس کو اجتہاد کرنا ہوگا۔ اگر اس اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو وہ غلطائے اجتہادی ہے، اور معاف ہے۔ اسی اعتبار سے میں بھی مجتہد ہوں، قرآن و سنت کے پیش نظر اسلاف کی رایوں پر غور کرتا ہوں جس کی رائے قرآن و سنت کے مطابق پاتا ہوں اس مسئلے میں اس کا اتباع کرتا ہوں۔

نمبر ۳۔ میں نہیں جانتا کہ اجتہاد کا بھی کوئی منصب تھا۔ جو لوگوں کو نبوت ختم ہونے کے بعد ملا کرتا تھا، اور اب وہ بھی ختم ہو گیا۔ یہ منصب بھی اختراعی تھا اور اس کے شرائط بھی اختراعی، اور اس کے آغاز و ختم کی داستان بھی اختراعی ^{۱۲} تھا انزل اللہ بھما من سلطان۔

نمبر ۴۔ علوم اسلامیہ میں ہدایت بہ مشاخر کہ اپنے مقدم ہی کے ذریعے حاصل ہوئی ہے۔ علامہ سیوطیؒ سے غلط مطالبہ کیا گیا تھا۔ کیا ائمہ اربعہؒ نے صرف قرآن و اقوال و افعال نبویہ سے دین کے اصول و فروع مستنبط فرمائے تھے؟ اگر ہاں تو اعلیٰ کے اجتہادات سے کوئی مدد نہیں لی تھی؟ مسلمانوں کو اسی تقلید نے جاہل بنا دیا کہ آج علوم عقلیہ و طیب و غیرہ میں بھی ان کا دار و مدار اسلاف

کے اقوال پر رہ گیا ہے۔ سب سے بڑا کمال اب ہی رہ گیا ہے کہ مقتدین کی کتابوں کو سمجھ لیتے ہیں اور پڑھا دیتے ہیں۔ ویسا لکھنے والے اب کہاں مل سکتے ہیں۔

اگر یہ مرض تقلید یورپ والوں میں ہوتا تو آج نہ ہوائی جہاز نظر آتا نہ بجلی نہ ریل نہ موٹر نہ توپ نہ بندوق اور نہ ایم بم۔ علامہ طنطاوی نے بڑا کمال دکھایا کہ دیکھو قرآن میں یہ ساری چیزیں اور سارے فلسفے جو یورپ کے مایہ ناز ہیں موجود ہیں۔ اور یورپ والے ہنستے ہیں کہ تمہارے قرآن میں سب تھا مگر تمہیں کبھی نظر نہ آیا۔ جب ہم نے نکال دکھایا تو اب تمہیں سب نظر آنے لگا۔ پھر بھی ایک چیز بھی تم بنا نہیں سکتے۔ مگر تقلید کے مریض مسلمان اپنے اسلاف کی تقلید سے بھگے تو لگے یورپ کی تقلید کو نہ کیونکہ اجتہاد کی تو صلاحیت ہی یہ کھو بیٹھتی ہے۔

نمبر ۵۔ ہدایہ اور جامع کبیر کے بعض مقامات میں آپ میرا امتحان ضرور لے سکتے ہیں۔ مگر گستاخی معاف۔ مجھ میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں یک طرفہ امتحان اگر ہو تو ٹوٹے سے بڑے عالم کا ایک طالب العلم بھی لے سکتا ہے۔ اس سے جانبیں کا مبلغ علم تو کسی کو معلوم نہ ہو سکے گا اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایک طرف سے ہدایہ اور جامع کبیر پیش ہو اور دوسری طرف سے قرآن مجید کی صرف ایک آیت اور صحیح بخاری کی صرف ایک حدیث۔ مگر یہ معرکہ ایسی جماعت کساستے ہو جو بالکل غیر جانبدار ہو یعنی انگریزی تعلیم یافتہ جماعت جن کو عربی تو حرمہ دونوں فریق سمجھا دیں یا نکھوا دیں۔ اس کے بعد اعتراض و جواب کا موقع فریقین کو دیا جائے۔ اُس غیر جانبدار جماعت کی تشفی جس کے بیان سے ہو جائے۔ اور وہ جماعت جس کے حق میں فیصلہ کرے۔ علماء کی اکثریت تو آپ کے ہم خیالوں کی ہوگی۔ اس لئے علماء سے اس کی توقع نہیں کہ وہ غیر جانبدار رہ کر فیصلہ کریں گے۔ مگر وہ بھی موجود رہیں لیکن خاموش رہیں اور فیصلے پر اثر انداز نہ ہوں۔

یہ میں نے مجبوراً لکھا ہے ورنہ ایسے معنوں کے لئے میں کبھی پہل نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ نے پہنچ کر دیا تو پھر میرا کچھ نہ لکھنا۔ گریز بہر ولالت کرتا۔ ہر حال میں اس کے لئے ہر طرح بعونہ تعالے آمادہ ہوں۔ یہیں میدان ہیں چوگاں ہیں گئے ۱۲۷

نمبر ۶۔ بحوالہ نمبر ۱ اکابر میرے ہوں یا آپ کے تلت امتہ قد خلت لھما کسبت و لکم ما کسبتہم ولا تشلون عھا کا تو یعملون۔ تو جب ان کے اعمال مجھے یا آپ سے پوچھے ہی نہیں جائیں گے تو بھر وہ تتبع سنت تھے یا نہیں اس کی بحث ہی فضول ہے، اگر تھے تو اپنے لئے، نہ تھے تو وہ جانبیں اور

ایمان و جہنم

اکابر

دور محشر جانے۔ میں ان کی خاک پائی تلاش ہی نہیں۔ اور ہو تو کیوں ہو؟ اور کس لئے ہو؟
 میں لکھ چکا ہوں کہ میرا بھی ایک دور آپ ہی جیسا گزر چکا ہے جب اکابر پرستی کا سودا میرے سر
 میں بھی سایا ہوا تھا اس وقت میں بھی یہی کہتا تھا کہ کاش اپنے آباء و اجداد کی خاک پا کر بھی پالیتا آپ
 کو اگر اب تک اپنے اکابر کی خاک پا ہی سرمایہ نجات معلوم ہوتی ہے تو آپ اس کی تلاش فرماتے رہیں۔
 مجھے کیا۔ میں نے کیسے اکابر پائے اور آپ نے کیسے؟ یہ بحث اور اس کا مقابلہ تو اس وقت مناسب
 تھا جبکہ میں بھی آباء پرستی کی کئے سے سرشار نہ ہوتا۔ میں تو اب اس سے تو بہ کر نکلا ہوں۔ اس لئے آپ کے لئے
 مناسب نہیں کہ میرے خیالات معلوم کر لینے کے بعد اکابر کا ذکر چھیڑیں۔

نمبر ۲۔ ہر فرقہ اپنے کو اور اپنے اکابر کو متبع قرآن سنت ہی پاتا اور جانتا ہے کہ یہ آپ کے لئے مخصوص نہیں۔
 حدیث کے شرح قرآن جو کا صحیح مطلب جناب نے نمبر ۳ کے اوائل میں لکھا ہے کہ ”آپ فرماتے ہیں
 کہ میں بھی صحیح حدیثوں کو قرآن میں کی شرح سمجھتا ہوں جس سے ہم قرآن کا حدیث صحیح پر موقوف
 ہونا معلوم ہوا“ بالکل غلط۔ ہرگز معلوم نہ ہوا۔ شرح جامی کا فائدہ کی شرح ہے۔ تو کیا شرح جامعہ
 کا فائدہ سمجھنا موقوف نہیں؟ آپ اپنے غلط مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کسی کسی خوف
 نقل باتیں فرماتے ہیں۔ حدیث صحیحہ۔ عدم مخالفت قرآن پر ضرور موقوف ہے اور دینی تعلیم و
 ہر حدیث کی صحت مطابقت قرآن پر موقوف ہے مگر ہم قرآن حدیثوں پر موقوف نہیں اور دینی تعلیم و
 ہر حدیث نبوی کا مطابق قرآن ہونا ضروری ہے۔ مگر مطابق قرآن قرآن کا حدیث نبوی ہونا ضروری نہیں۔
 دونوں میں لزوم ہے ملازمت نہیں۔ دوسرے کہتے ہیں توقف الشی علی نفسه کو تو زبان بالکل نہیں۔
 یہ میں کیونکر کہوں کہ آپ دور کے معنی نہیں جانتے۔ البتہ آپ مجھے جان بوجھ کے مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔
 دینی مناظروں میں تو یہ آپ کے لئے زیبا نہیں۔

نمبر ۳۔ قواعد عربیہ و اصول ادب و لغت کا تعلق صرف قرآن و حدیث ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ پوری زبان سے
 ہے۔ آج بھی ان فنون کی خدمت کے لئے ہزاروں عیسائی مصر اور یسروت وغیرہ ملک عربہ میں ہیں۔
 اپنی مادری زبان کی خدمت ہر عاقل کا فرض ہے اس لئے ان فنون میں غلط الحاق و ادخال کر کے اور
 الفاظ کے غلط معنی لکھ کر یا غلط قواعد بنا کر کوئی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اور جن لوگوں نے ایسا کیا
 وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بعض اہل لغت سے جو کچھ غلطیاں ہو گئیں تو دوسروں نے تعاقب کیا اور اس کی
 اصلاح کی۔ لسان العرب کی اصلاح جس شاندار طریقے سے ہوئی آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ پھر بھی

ابن خلدون فرماتے ہیں

قرآن و حدیث پر موقوف نہیں

قواعد عربیہ و اصول ادب کا فرق

ان کتابوں کی صحت استقرائی ہے، غلطی وصحت کا پتہ اشعار عرب سے اور دوسری کتابوں سے بھی بن سکتا ہے۔ غرض کوئی بھی عقیدہ کسی کتاب کو محفوظ عن الخطاء نہیں مانتا۔ میری ایک قلمی کتاب ہے المتقد من الفضل فی تفسیر رائی الکمالہ۔ میں نے اس میں کلام کے معانی جو لسان العرب میں لکھے ہیں سب پر بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ بالکل صحیح تو کوئی معنی لکھا ہی نہیں بعض معانی قریب الی الصحۃ ہیں، مگر زیادہ غلط ہی معنی لکھے ہیں اور بعض معنی تو ایسے لکھے کہ قرآن میں دو جگہ میں سے کسی جگہ بھی چسپاں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے معانی لغات وقواعد صرف ونحو فنون ادبیہ کے کسی مسئلہ کی بھی غلطی وصحت محض عقیدے پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کے طروق استعمال و اسناد پر مبنی ہے۔ بخلاف حدیث کے، کہ وہ کسی بدعت کو سنت ثابت کرنے کے لئے کسی غلط عقیدے کو صحیح ٹھہرانے کے لئے، کسی کے غلط مناقب، کسی کے غلط مثالب پھیلانے کے لئے وضع کی جاسکتی ہے اور کی گئی۔ آپ موضوعات لغات و موضوعات قواعد ادبیہ کا کوئی چھوٹا سا ایک جزو کا رسالہ بھی نہیں کر سکتے، میں اور احادیث موضوعہ کے دفاتر و مجلدات دنیا میں موجود ہیں۔ مگر پھر بھی حدیثوں کی غلطی وصحت محض ظنی ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موضوعات کے دفاتر میں بعض صحیح حدیثیں بھی آگئی ہوں اور صحیح میں کچھ موضوع حدیثیں بھی ہوں۔ حدیثوں کے اسناد اور لغات وقواعد کے اسناد یکساں مفید یقین نہیں ہو سکتے۔ اس لئے لغات کی کسی کتاب کو یا قواعد کی کسی کتاب کو صحیح مان لینے سے قرآن مجید کی صفت خصوصی پر مطلق حرف نہیں آ سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ مراح یا قاسوس میں فلاں لفظ کے معنی غلط لکھے ہیں تو سنئے والا اس سے پوچھے گا کہ پھر اس لغت کے صحیح معنی کیا ہیں؟ اور اس کی سند پوچھے گا۔ نہ کہ سنئے والے کہنے والے کو ملحد و بے دین وغیرہ بنانے لگیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ کافیر میں یہ قاعدہ نحو یہ غلط لکھا ہے تو سنئے والے سند پوچھیں گے اور یہ پوچھیں گے کہ پھر صحیح قاعدہ کیا ہے یہ نہ ہو گا کہ لوگ اس کو کافر و ملحد بنانے لگیں۔ بخلاف حدیث کے۔ کہ یہ بلاد میں محض اعتقاداً مان لیا گیا ہے کہ فلاں کتاب میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے جس کے لئے کوئی دلیل اس کے صواب میں دی جاسکتی کہ فلاں نے یہی لکھا ہے اور فلاں نے یہ لکھا ہے اور سب سے بڑی دلیل تلقی امت ہے حالانکہ تلقی امت اکثر بدعات کے متعلق اس قدر ہے کہ آج شاید مسلمانوں کے ایک کو وہ گھر دس میں سے ایک ہی گھر ایسا ہو گا جس میں عورت مرد کو چاکر کر دئی، ماما اور مراہتی رط کے اور رطیاں سب کے سب پابند صوم و صلوٰۃ ہوں مگر جہلم، جہازم، سہ ماہی، شمشاہی،

رسی، تن، عرس، گیارہویں شریف اور حرم مناجات کے لئے تقریباً سویدیں سے ننانوے گھر کے لوگ بیٹھ گئے۔ بتائیے تلقی امت ان بدعات کی کیا صحاح کی تلقی امت سے کم ہے؟ ان بدعات میں علوم ہی مبتلا نہیں، میں بڑے بڑے بخت علماء بھی اسی طرح مبتلا ہیں۔

اب میں بخیال اختصار فاضل باتوں سے قطع نظر کرتا ہوں ضروری باتوں کا جواب عرض کرتا ہوں۔

نمبر ۹۔ عبارة النص و اقتضاء النص کا قطعی ہونا ظاہر ہے۔ اشارۃ و دلالت کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اس لئے میں نے ان دونوں کو قطعی نہیں کہا۔ یعنی جو مسئلہ اشارۃ النص و دلالت النص سے نکالا جائے وہ اس حد تک قطعی الصحت نہیں جس حد تک عبارة و اقتضاء سے جو مسئلہ ثابت ہو رہا ہو وہ قطعی الصحت ہے۔ البتہ کسی حدیث صحیح سے کسی ایسے مسئلے کی تائید ہو رہی ہو، جو قرآن کی دلالت النص یا اشارۃ النص سے نکل رہا ہو۔ تو پھر وہ بھی قطعی الصحت ہے۔ حدیث کی تو عبارة النص ہی ملتی ہے اس لئے اس کی دلالت النص و اشارۃ النص کے ضعف کا کیا پوچھنا ہے؟

نمبر ۱۰۔ جناب نے کسی معصومیت کے ساتھ حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

”نمبر ۵۔ اور قرآن میں قطعیت کہاں سے آئی؟ کیا صرف ہماری اور آپ کی خوش اعتقادی سے؟ یا تو اثر نقل و حفظ و مشاہدہ سے؟ شق ثانی پر اگر یہ تو اثر حدیث میں بھی پایا جائے تو قطعی کیوں نہ ہو گی؟“

غفلت ہے کہ آپ نے اگر پایا جائے فرمایا ہے۔ اگر آپ یہ لکھ دیتے کہ ”پایا جا رہا ہے“ تو میں عالم خیال میں آپ کا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتا اور کچھ جواب نہ دیتا۔ کسی حدیث میں آپ قرآن میں یا تو اثر لفظاً و معنی نہیں دکھا سکتے قرآن جیسا تو کیا، اس کا آدھا بھی۔ بے دے کہ تعامل متواتر ایک چیز ہے جس میں قرآن مجید کے بعد تو اثر دکھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً پانچ وقت کی نمازیں اور ہر وقت کی تعداد رکعات، رمضان کے تیس روزے وغیرہ۔ ورنہ حدیثیں جو کسی بھی کتاب میں منقول ہوں ان کو تو اثر کی نعمت کہاں نصیب؟

نمبر ۱۱۔ تعامل صحابہ حدیث سے بھی معلوم ہو گا اور قرآن بھی اہم چیزوں کے تعامل کو کسی نہ کسی طرح بتا دے گا۔ جس حدیث سے تعامل صحابہ کا پتہ ملے گا وہ حدیث مطابقت قرآن سے قطعیت حاصل کرے گی۔

میں بھی غلط و باطل کی آمیزش ناممکن ہے ایسا نہیں ہے۔ جو شخص ایسا سمجھے وہ منطقی ہے۔

نمبر ۱۲۔ میرے مراسلہ مورخہ ۲ فروری ۱۳۵۸ء کے نمبر ۸ کا جواب آپ نے اپنے نمبر ۱۱ میں ہی دیا ہے کہ ”اس کا جواب میری گذشتہ تحریر (مورخہ ۲۸ دینے والا) سب کے سب کے صرف حق اور حق میں موجود ہے۔ انکس ہے کہ آپ غور نہیں فرماتے۔“

یہ عبارت پڑھ کر میں نے اپنا مراسلہ بھی پڑھا اور آپ کا بھی۔ آپ کے حق و حق میں نہیں پورے مراسلے میں کہیں بھی میری اس بات کا جواب نہیں ہے کہ ”امام بخاری نے سنا زید سے زید نے سنا بکر سے“ یا ”سنا خالد سے۔ اور خالد نے سنا فلان صحابی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے تھے۔ اب زید، بکر، خالد کے معصوم عن الخطاء ہونے پر ایمان بالانقیاب کس طرح لایا جاسکتا ہے۔ الخ“ آپ غور فرمائیے کہ آپ نے اس کا جواب کہاں دیا رجال کی جرح و تعدیل سے قطع نظر کر لینے کے بعد۔ اگر روایت سید کے سبب تھیں جن جب بھی وہ محفوظ عن الخطاء تو نہیں ہیں۔

جناب نے رسائل ابوالفضل بدیع الزمان، ہمدانی میں یہ دو شعر ضرور ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

سمع نصیحة ناصح جمع النصیحة والمقنة

ایاک واحذر ان شکو ن من الثقات علی ثقة

۱۳۵

اس کے بعد بدیع ہمدانی تحریر فرماتے ہیں صدق الشاعر و اجاد و للثقات خیانتہ فی

بعض الاوقات هذا العین تریث السواب شرابا۔ و هذه الاذن تسمعت الخطا صوابا۔

فلسن بمعذور ان وثقت بمعذور الخ۔ جلال الدین سیوطی الاقتراح فی اصول النسخ میں تنہا حدیث کو

عربیت میں حجت نہیں تسلیم کرتے جس کی وجہ لکھتے ہیں کہ قد اولئہ الاعاجم فقد مواد آخروا

و بدلو الفاظ و غیروا الخ۔ اور صحاح یا کم سے کم صحیحین کی بھی حدیثوں کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔

اور ظاہر ہے کہ تقدیم و تاخیر الفاظ سے مفہوم کہاں سے کہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور تبدل و تغیر سے

تو معنی تک بدل سکتے ہیں۔ روایات کا مجرد ہونا تو علاوہ بڑا ہی ہے۔ آپ نے جو کچھ حق اور حق میں لکھا

ہے وہ صرف جرح و تعدیل سے متعلق لکھا ہے، وہ بھی ایسا جس سے آپ خود اپنے کو یا اپنے تلامذہ

یا پیغمبروں کو اس سے مطمئن کر لیں تو کر لیں ورنہ ایک خالی الذہن دیانت دار اس سے مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔

محدثین کا تو یہ ماننا ہوا اصول ہے کہ الجرح مقدم علی التعدیل یہ کہہ کر ملجے اللہ راہ میں صاف

من لسان الوری تکلیف ہو ان کی جگہ ہو قصد رکھا ہے کیونکہ یہاں وہ راوی مجرد مراد ہے۔ امام ابو حنیفہ پر بھی جرح ہوئی ہے اور غلام پر بھی۔ اس شریک والا احتساب پر بھی کسی نے کچھ کہلے تو اس کا خیال کیوں کیا جائے گا؟ یہ کہہ کر مالا نہیں جاسکتا اس کا شافی جواب مولانا خیری سلمہ نے اپنے اواخر مضمون میں دے دیا ہے۔

نمبر ۱۱۔ آپ نے اپنے نمبر ۱۲ میں میرے نمبر ۱۳ کا جواب یہ لکھا ہے کہ نمبر ۱۱ میں گزر چکا ہے۔ مگر میں بھی آپ کے نمبر کا جواب اسی مراسلے کے نمبر ۱۲ میں عرض کر چکا۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

نمبر ۱۵۔ آپ اپنے نمبر ۱۵ میں میرے نمبر ۱۱ کا جواب لکھتے ہیں کہ نمبر ۱۱ و نمبر ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ بالغ نظر کو احادیث صحیحین میں کوئی حدیث بھی معارض قرآن نظر نہیں آسکتی۔ جس کو نظر آئے اس کی نظر بالغ نہیں۔ آخر کے جملے پر یہ شبہ یاد آگئی کہ کسی نے ایک حبش سے نکاح کیا۔ مگر کہا کرتا تھا کہ میری بیوی کالی نہیں ہے، جس کو وہ کالی نظر آتی ہے اس کی آنکھیں خود کالی ہیں۔ باقی رہا نمبر ۱۳، نمبر ۱۴۔ تو نمبر ۱۲ میں تو آپ نے صرف یہ پوچھا ہے کہ ”آپ نے عبارت النصف اور اقتضاء النصف کو تو قطعی مان لیا مگر اشارة النصف ودلالة النصف کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا... الخ“ اس کے سوا تو اور کوئی بات ہی اس نمبر میں نہیں۔ میرے نمبر ۱۱ کا جواب اس میں کہاں ہے؟ باقی رہا نمبر ۱۳ تو اس میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ اگلے ائمہ محدثین و مجتہدین ایسے تھے اور ویسے تھے تم ان کے مقابل کچھ نہیں۔ تمہیں کیا حق ہے ان کے سامنے زبان کھولنے کا۔ میں نے اس کا جواب دینا مناسب خیال نہیں کیا تھا اس لئے وہاں پر اس کے متعلق چپ رہ گیا اس موقع پر آپ نے پھر نمبر ۱۳ کا حوالہ دے دیا کہ اس میں میرے نمبر ۱۱ کا جواب ہے، حالانکہ میرے نمبر ۱۱ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے میرا نمبر ۱۱ اتولا جواب ہی رہا۔ مگر آپ کے نمبر ۱۱ کے متعلق گزارش یہ ہے کہ اگلے ائمہ محدثین و مجتہدین و مفسرین سنوا تک گنا جلتے تھے اور میں صرف دس تک گنا جانتا ہوں کیا وہ سے لے کر ۹۹ تک کے بارے میں وہ جو لکھ گئے ہیں اگر سب کے سب اس میں متفق اللفظ ہیں تو میں اس کو ضرور صحیح سمجھ لوں گا۔ اگر انہیں میں اختلافات ہیں تو یا یہ احتیاط اختیار کروں گا۔ اور اگر دس تک کے اندر وہ کچھ فرما گئے ہیں تو پھر غر میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں۔ سب نے سب اگر لکھ گئے ہوں کہ ۴۰ کے بعد۔ ۷۰ ہے تو مان لوں گا اس لئے کہ میں تو دس تک ہی گنا جانتا ہوں اور سب کے سب کہہ رہے ہیں کہ ۴۰ کے بعد ۷۰ ہے۔ پھر بھی یہ شک

بنا نظر ہوئے کا جواب ایک مثال سے
اگرے اتفاق سے اختلاف کی مثال

ہو گا کہ جب ۴ کے بعد ۵ اور ۵ کے بعد ۶ اور اُس کے بعد ۷ ہے تو پھر دہائی میں بھی ۴۰ کے بعد ۵ کی دہائی اور ۶ کی دہائی ہونی چاہیئے اُس کے بعد ۷ کی دہائی۔ مگر چرب رہوں گا کہ سب کہہ رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ دہائی میں اعداد کا نظام کچھ بدل گیا ہو۔ مگر کوئی صاحبِ یاس کے سبب بھی اگر دس کے اندر الٹ پلٹ کر گئے ہوں اور کچھ دیا ہو کہ ۴ کے بعد ۷ ہے تو میں اُس کو کبھی نہ مانوں گا۔ میں جو کچھ قرآن و حدیث کی سمجھ رکھتا ہوں وہ انہیں اسلاف رحمہم اللہ کے احسانات کا صدقہ ہے۔

شکراً للہ مسالیم محمد و جزا اہم عن خیر الجزاء میں نے جو کچھ سیکھا ہے انہیں سے سیکھا ہے۔

(لکاتبہ غفرلہ) سندۃ، سمت اسلام دال سفہ نہم

کہ خورم من نمک و بارز نمکداں شکتم

مگر یہود و نصاریٰ کی طرح اجارہ و رہبان کی جگہ اپنے اکابر کو رب نہیں بنا سکتا۔ میں اندھی تقلید کو شرک ہی سمجھتا ہوں۔ لیٹھلک من ھلک من ھلک عن بیتہ و یحییٰ من حی عن بیتہ دو چیزوں میں تعارض اور مطابقت و مخالفت ایسی چیز نہیں ہے جو دو زمین یا خور و زمین سے دیکھی جائے۔ ماں ایسا ہو سکتا ہے کہ دو متضاد چیزوں میں صرف مطابقت یا صرف تخالف و تضاد بہت خفی ہو تو بہت غور و غوض سے معلوم ہو سکے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا کہ تضاد و تخالف تو ظاہر و باہر ہے مگر اس ظاہر و باہر سے آنکھیں بند کر کے وہی تطابق کا خیال اپنے دماغ میں قائم کر لیا جائے یہ ویسا ہی ہے کہ

لکاتبہ غفرلہ۔ جو دست اہل تقویٰ میں گیا ساغر، تو سے ساقی

حقیقت کی نظر میں انگیں معلوم ہوتی ہے

باقی دمایہ موجودہ زمانہ۔ تو اس وقت

ماہم غنیمتیم و شماہم غنیمتید

لکاتبہ غفرلہ۔ قحط الرجال نے بھی کس کس کو سرغراز کیا

اب آپ شافعی ہیں اور ہم ابو حنیفہ

نمبر ۱۶۔ آپ نے نمبر ۱۳ میں ایک عجیب و غریب بات کہی ہے کہ ”صحیح حدیث کا صحیح ہونا ویسا ہی ہے جیسا آپ کا مومن و مسلم ہونا۔ اگر میں آپ کے مومن اور مسلم ہونے پر قسم نہ کھا سکوں تو کیا آپ مومن و مسلم

نہ ہوں گے؟“ اس طرز استدلال پر جتنی بھی حیرت کی جلنے لگے ہے۔ ایک شخص اپنے کو مومن و مسلم کہتا ہے، مومن و صلوٰۃ کا پابند ہے۔ قرآن مجید پڑھتا ہے، قرآن مجید کی تبلیغ و ترویج میں سارا وقت صرف کرتا ہے، تمام مسلمانوں سے اس کے اسلامی تعلقات ہیں، اسے دلائل واضحہ کے بعد بھی اگر ایسے شخص پر کوئی مسلم و مومن نہ ہونے کا شبہ کرے تو وہ صرف احمد رضا خان بریلوی یا ان کا کوئی چیلہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور خود اپنے متعلق تو ہر شخص اپنے مومن و مسلم ہونے کو اچھی طرح جانتا ہے، اور وہ اپنے متعلق تو ضرور قسم کھا سکتا ہے۔

مگر کیا کوئی حدیث اپنے بارے میں بزبان خود صحت کی مدعی ہے؟ اگر جامع حدیث نے ”حسن“ صحیح و صحیح
 لکھ دیا ہے تو آپ تو جاننے میں کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہکذا اخرج من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ محدثین نے حسن و صحت کے جو معیار اپنی عقل سے بنائے ہیں اس معیار کے مطابق ہے اس سے زیادہ اس کا کوئی مطلب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ایسی حدیثیں جو حدیثین ان کے احادیث
 معارض قرآن میں صحاح میں داخل ہو گئی ہیں، چونکہ ان کے معیار کے مطابق تھیں وہ درایت پر روایت کو ترجیح دیتے رہے۔ اور یہ ایک بہت بڑی اصولی غلطی تھی۔ ”صحیح حدیث کا صحیح ہونا“ بھی عجیب لفظ ہے۔ جب پہلے ہی کسی حدیث کو صحیح کہہ لیا اور مان لیا تو پھر اس کا صحیح ہونا چہ معنی دارد؟ مطابقت قرآن جو کسی حدیث کی صحت کا اصل معیار ہے اس سے بھی کسی حدیث کی صحت قطعی نہیں ہو سکتی۔ مخالفت قرآن سے کسی حدیث میں عدم صحت کا وصف قطعی طور سے ضرور پایا جاسکتا ہے۔ مگر مطابقت قرآن کے باوجود اور ثقاہت روایت کے باوجود کسی حدیث کی بھی صحت قطعی نہیں ہو سکتی یاں اس کا مضمون مطابقت قرآن کی وجہ سے قطعی الصحۃ ہو گا۔ مگر اس کا حدیث رسولؐ ہونا قریب اپنے القطعیہ ہو سکتا ہے، مگر بالامکان الحاقاً۔

لَا تَقُولُوا لِمَنْ آتَاكُمُ السَّلَامُ لَسْتَ مُؤْمِنًا اس لئے آپ ایک پابند مومن و صلوٰۃ مسلمان کو جو آپ کو بھی مسلمان سمجھتا ہو، اعدا آپ کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو مومن نہیں ہے۔

یعنی نہ اس کا صحیح ہی ہونا ضروری ہے نہ اس کا غلط ہی ہونا ضروری ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو اور یہ بھی ممکن ہو کہ غلط ہو۔ منہ غفرلہ

مگر ایک ایسی حدیث جو محدثین کے اصول فخر سے رو سے تو حسن صحیح ہے اور بالفرض صحاح وغیر صحاح کی ساری کتب احادیث میں مروی ہے اور اس کے روایت بھی سب کے سب ثقافت ہی نظر آ رہے ہیں جن میں سے کسی پر بھی کوئی جرح منقول نہیں، لیکن اگر اس حدیث کا مضمون قرآن کی نص صریح سے مخالفت صریح رکھتا ہے تو ایسی حدیث کو ہر ایماندار مسلمان کے لئے رد کر دینا ہی لازم و واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اگلے محدثین نے ایسی مخالف قرآن حدیث کو کیوں لکھ لیا، کیوں رد نہ کیا؟
 میں اس سوال کے جواب کا ذمہ دار نہیں۔ تھلک امة قدخلت بها ما کسبت و نلک ما کسبتہم و لا تسئلون عما کا فوالی عملون۔

اگر میں اس حدیث کو مخالف قرآن پاتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے بھی صرف اگلے محدثین کی سطوت سے مرعوب ہو کر اپنے دل کو سمجھا لوں کہ یہ مخالفت جو مجھ کو نظر آ رہی ہے یہ میرے فہم کا قصور ہے جب اگلے محدثین اس کو مخالف قرآن نہیں سمجھے تو یہ ہرگز مخالف قرآن نہیں ہے اور قرآن کی اس نص صریح کا اتباع نہ کروں بلکہ اس حدیث کا اتباع کروں، تو یقیناً مجھ سے قیامت میں پرچھا جائے گا۔
 کہ تو نے کتاب اللہ کی سطوت سے محدثین کی سطوت زیادہ محسوس کی، تو نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور محدثین کا اتباع کیا، اور تھلک امة قدخلت الایۃ کی آیت بھی تجھے یاد نہ آئی تو میں کیا جواب دوں گا؟
 اور اگر ہم نے کتاب اللہ کا اتباع کیا، اور محدثین کے اجماع کی پرواہ نہ کی تو مجھ کو یقین ہے کہ میں عند اللہ ناجور ہوں گا۔ بشرطیکہ میں نے ہٹ دھرمی، بات کی تیج اور نئی اُجج کا خیال نہیں کیا ہے بلکہ میری نیت محض اتباع قرآن ابتغاء لمرضاۃ اللہ کی ہے۔ نیتوں کا حال وہی علیم بذات الصدور خوب جانتا ہے کہ میں نے اپنے آباء واجداد واساتذہ و پیران سلاسل و علمائے فرقہ سب سے دامن چھڑا کر جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا دامن پکڑ لیا ہے یہ میں نے کسی خاص دنیاوی غرض سے کیا ہے یا محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ ہے۔ یہ معاملہ میرا میرے رب کے ساتھ ہے آپ اس پر مجھے مجبور نہ کریں کہ میں کتاب اللہ کو چھوڑ دوں اور محدثین کی فنی روایات پر اپنے دین کا دار و مدار سمجھوں۔

یا لا یسمی فی الصغری العذری معذرة منی الیلث ولوا انصفت لمد تلثم

نمبر ۱۔ ائمہ محدثین کی کتابوں میں الحاق وادخال کا ذکر اور الحاق وادخال کرنے والوں کی جماعت کا

وہ جواب جو اہل حدیث کے لئے مفید ہو سکتا ہے

اس لئے گرامی کتب رجال میں مذکور ہیں۔ اس موضوع پر میں نے متعدد رسالے لکھے ہیں جو عربی میں ہیں اور قلمی مسودے ہیں۔ طوالت کا ڈرنہ ہوتا تو انہیں رسالوں سے متعدد اوراق کا اور اضافہ کر سکتا۔ مگر درخانہ اگر کس است حریف نے اس است۔

لغات وقواعد عربیہ کی کتابوں میں کہیں کہیں غلطیاں اور غلط فہمیاں بتقاضائے بشریت ہو سکتی ہیں مگر ادخال والحق کا امکان نہیں۔ اس پر میں نمبر ۸ میں بتفصیل لکھ چکا ہوں۔ ولا افادۃ فی الاعادہ۔

آپ نے لکھا ہے ”حدیث کی صحت باقی رکھنے کے لئے قرآن میں کوئی عالم متدین تاویل نہیں کرتا“ مگر علامہ نے تاویلیں کی، میں اور کر رہے ہیں، اور اسی تاویل کو عین تہن سچھ رہے ہیں مثالیں آپ نے مانگی نہیں اس لئے مثال پیش نہیں کی۔ اور اگر پیش کر دیں تو پھر ایک نئی بحث اور چھڑ جائے، جس طرح قربانی کے ساتھ ایصال ثواب کی بحث بڑھ گئی۔ باقی رہے میرے اساتذہ تو سے گرما در خود عزیز داری ————— دشنام دہ بما در من میں آپ کا بھی احترام کرتا ہوں اور آپ میرے اساتذہ کے منہ آتے ہیں؟

اصل بحث

گذشتہ سات صفحے تو خارج از موضوع باتوں کے متعلق عرض کرنے میں صرف ہوئے۔ باوجود اس کے کہ متعدد قابل جواب باتوں سے صرف نظر کیا۔ اگر بالکل صرف نظر کر دیتا تو یہی سمجھا جاتا کہ کچھ جواب بن نہ پڑا۔ اس لئے مفید بھی ہے کہ حدیثوں کے متعلق ایک کو دوسرے کا نظریہ معلوم ہو گیا۔ اب پھر ان باتوں کو طویل نہ دیا جائے گا۔ ورنہ پھر اس موضوع کو موجودہ زیر بحث موضوع سے الگ کر کے مستقل طور سے ایک موضوع بحث قرار دیکر اس پر قلمی زور آزمائی کر لی جائے۔ قلمی زور آزمائی اس لئے کہا کہ واقعہ یہی ہے ورنہ نتیجہ معلوم ہے، کسی مقلد سے یہ توقع، کہ جس کا وہ مقلد ہے، اس کے خلاف وہ کسی بات کو بھی مان لے گا امید موہوم ہے۔

نکات اور مسائل رجال میں فرق

اصل موضوع بحث یعنی میت کی طرف سے قربانی کے متعلق آپ نے اس زیر جواب مراسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے متعلق اب عرض ہے۔

نمبر ۱ (جواب ۱۹) عقیقہ، عیتہ، اضمیہ اور ہڈی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے اس کے پہلے سے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے سے؟ میں نے جو اپنے مراسلہ مورخہ ۳ فروری ۱۹۵۲ء کے نمبر ۲۳ میں لکھا ہے کہ ”اضمیہ یا عقیقہ کی اصطلاح بعد کی ہے۔“ کیا اس سے میری مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی اصطلاح ہے؟ میری پوری عبارت تو یہ ہے کہ ”اضمیہ یا عقیقہ کی اصطلاح تو بعد کی ہے اس کو عہد ابراہیمیؑ میں تلاش کرنا عجیب بات ہے۔“ آپ اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں کہ ”عقیقہ، عیتہ، اضمیہ، ہڈی وغیرہ پہلے سے عرب میں رائج تھے۔“

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ رقوم کو دیکھیں میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی

مولانا میرا مطلب صاف ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہم السلام کے اس اشارہ و قربانی کی یادگار ان صورتوں میں بعد کو قائم کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے مناسب اوقات اور شرائط مقرر ہوئے۔ یہ کہنا کہ قربانی ایام مخصوصہ میں ہوتی ہے احمد رضا خاں صاحب یا ان کے حیلوں کی زبان سے بھلا لگتا ہے، آپ جیسے اہل علم سے بہت بعید ہے۔ یہ ایام مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مقرر ہوئے یا پہلے سے تھے؟ اگر عہد ابراہیمیؑ میں بقرعید کا ہیضہ قربانی کے لئے مقرر تھا تو پھر یہ کسی حکم الہیؑ ہی کے ماتحت مقرر ہوگا جو صحف ابراہیمیؑ میں مذکور ہوگا اور اس صورت میں یہ سنت ابراہیمیؑ نہ ہوگی۔ حدیث میں اس کو سنت ابراہیمیؑ کہنا غلط ہوگا، مگر اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ بقرعید کا ہیضہ پہلے سے یعنی کم سے کم عہد ابراہیمیؑ سے مگر حضرت ابراہیمؑ کے خواب و واقعہ فدویہ ذبحِ عظیم سے پہلے و قربانی کے لئے مخصوص تھا اور اس وقت میں بھی لوگوں کا عقیقہ ہوا کرتا تھا جب تک آپ اس کا ثبوت نہ دیں اس وقت تک سنتہ ابراہیمیہ کے مطابق یہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہی کی سنت ہی جائے گی جس کو یقیناً ماہ وغیرہ کے فیود کے ساتھ اسلام میں رائج کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ اگر قربانی کرتے تو بقرعید ہی میں کرتے یہ کسی قدر لایعنی بات ہے۔ بقرعید کی تعیین جب بعد کو ہوئی تو حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں بقرعید کی تعیین کا خیال پیدا کرنا چہ معنی دارد؟ یہ کہنا کہ ”ہو سکتا ہے کہ قرآن میں فدویہ سے مراد عقیقہ ہو“ کیا یہ طبعِ زاد حاشیہ نہیں ہے؟

اور یہ میں لکھ چکا کہ یہ اصطلاح حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے وقت کی نہیں ہے ان کے بعد کہ ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام و حطے نبینا۔

نہوا۔ یہ میری صاف دلی کی دلیل ہے کہ میں نے لکھ دیا کہ سنة ابیکم ابراہیم والی حدیث کا ایک راوی شیعہ کذاب ہیں نے یہ سمجھ کر نہیں لکھا تھا کہ آپ کو اس سے بجا از فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا مگر آپ کے نزدیک تو تلقی امت وہ بھی متاخرین امت کی تلقی حجت شرعی ہے یہ حدیث ایسی ہے جو ہر خطبے میں بقرعید کے دن تقریباً ہر ملک میں صدیوں سے پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے ضرور صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کو تلقی امت کئی صدیوں سے حاصل ہے۔

صحاب محترم نے خود خدا جانے کتنے مرتبہ اس حدیث کو بقرعید کے خطبے میں پڑھا ہوگا اور سنا ہوگا۔ مگر جب میں نے اس کو ثبوت میں پیش کیا تو پہلے تو اس حدیث کے باقی ٹکڑے سے لیک غلط استدلال کر کے میرے صحیح استدلال کی تغلیط کے لئے کوشش فرمائی گئی۔ مگر اس کوشش کی ذبیحہ انجائی مولانا بخیری سلمہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کر دی۔ تو اس کو صحاح سے خارج بہتقی کی روایت قرار دے کر سرے سے اس حدیث ہی کو ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعی فرمائی گئی۔ جب بتا دیا گیا کہ یہ بہتقی کی روایت تو بقول آپ کے ہے ہی مگر صحاح سے بالکل خارج نہیں ہے سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور پھر اس کے علاوہ ابن ماجہ سے، مقدم امام احمد سے بھی ان کے مسند میں مروی ہے ثواب فرمایا جاتا ہے کہ ابن ماجہ کو بعض لوگ صحاح سے خارج قرار دیتے ہیں حالانکہ خود ہی اپنے مراسلہ مورخہ ۲۸ ربيع الاول ۱۳۸۷ھ میں اس کو صحاح میں شمار فرمایا ہے۔ البتہ اس میں دو ایک موضوع حدیث ہونے کا ذکر کیا ہے تو محدثین نے تو اس کی صرف فضل قزوین والی حدیث کو موضوع قرار دیا ہے مگر اس کے باوجود اکثریت ان ہی لوگوں کی ہے جو اس کو صحاح میں داخل کرتے ہیں، بہر حال اس کو صحاح سے خارج نہیں کہا جاسکتا۔ مسند احمد صحاح سے خارج ہستی مگر بہتقی کی روایت سے تو امام احمد کی روایت ضرور قوی ہے اور مسند احمد کا درجہ صحاح سے کم ہے قطعی اور عبداللہ بن احمد کے اضافوں کی وجہ سے ورنہ جو حدیثیں خاص امام احمد سے مروی ہیں وہ صحیحین نہیں تو تسائی والو داؤد سے تو کم نہیں سمجھی جاتیں۔ اور یہ روایت خاص امام احمد سے ہے اور بقول آپ کے ابن ماجہ کی ”دو ایک حدیث ہی موضوع ہے“ اور بقول آپ کے حسب مراسلہ

مورخ ۲۰ ربيع الاول بقیہ حدیثیں صحیح ہیں۔ اور اب چونکہ ابن ماجہ کی روایت پیش کر دی تو حسب تحریر مراسلہ زیر نظر اس میں ”بعض موضوعات کا وجود ہے۔“ پہلے مراسلہ میں اس کا صحاح میں داخل ہونا مختلف فیہ نہ تھا۔ اب جبکہ اس کی سند میں نے پیش کی تو پھر اس کو صحاح میں داخل ہونے سے اغماض ساہو رہا ہے۔ اور چند لوگوں نے جو موطا کو صحاح میں داخل کرنے کے لئے اس غریب کو چھانٹنا چاہا ہے ان کا سہارا پکڑا جا رہا ہے۔ جناب کا یہ فرمانا کہ ”ابن ماجہ میں موضوعات کا وجود مجھے تسلیم جیسا تحریر سابق میں گذر چکا۔“ یہ بھی عملی تامل ہے کیونکہ تحریر سابق میں ہے کہ ”ابن ماجہ میں ایک دو حدیث موضوع آگئی جس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے۔“ یہاں موضوعات کا ذکر نہیں ہے دو ایک موضوع حدیث جس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے اس دو ایک میں یہ سنتہ ایکم والی حدیث بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو بیان فرمائیے اور ان محدث صاحب کا اور ان کی کتاب کا بحوالہ صفحہ پتہ بتائیے جنہوں نے اس پر نشان دے دیا ہے۔ اور اگر اس پر کسی نے موضوعیت کا نشان نہیں لگایا ہے تو یقیناً تمام محدثین کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اور آپ کے بیان سابق کے مطابق اس حدیث کو آپ کے نزدیک بھی صحیح ہی ہونا چاہیئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کو صحیح نہ سمجھیں۔ موجودہ بحث میں آپ اس کی صحت کا اعتراف نہ فرمائیے یہ ادبیات ہے۔ میرا یہ دستور نہیں کہ میں دینی مناظروں میں کسی ایسی بات کہ جس کو میں حق یا باطل سمجھتا ہوں مجھ سے پوچھا جائے یا بے پیچھے بھی کوئی موقع آجائے تو اس کو ظاہر نہ کر دوں، یا اس کے خلاف یا مشتبہ طور سے بیان کر دوں میرے نزدیک دین میں تقیہ و کتمان و مدافعت بالکل حرام ہے۔ آپ صحاح میں ابن ماجہ کا ذکر صراحتہ فرما چکے، اس میں دو ایک موضوع حدیث کے وجود کا ذکر کیا بھی تو یہ کھ دیا کہ اس پر محدثین نے نشان دے دیا ہے۔ اس کے بعد خود آپ نے لکھ دیا کہ ”لَقِیْتُهُ صَحیحٌ، یٰسَ“ ”یا حسن“۔ اس کے بعد ”اور کچھ ضعیف بھی، یٰسَ“ لکھنے کے بعد خود اس کسر کا۔ جبریل فرمایا کہ حدیث ضعیف کے متعلق محدثین اور فقہاء کی تصریح ہے کہ تعدد طرق سے ضعف منہج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی صحابی یا مجتہد کے فتویٰ کے موافقت سے بھی۔“ اس کے بعد اس سنتہ ایکم والی حدیث کر دیکھیے۔ ابن ماجہ میں یہ حدیث ان نشان زدہ حدیثوں میں سے ہے جن پر محدثین نے نشان وضع لگایا ہے تو اس کا ثبوت دیجئے۔ ورنہ اس کا اعتراف فرمائیے کہ یہ ”بقید صحیح ہیں“ میں سے ہے یا ”حسن“ ہے۔ اگر آپ اس کو ضعیف

قرار دیتے ہیں تو پھر سند امام احمد سے اس کی تائید ثابت ہو رہی ہے۔ تعدد طرق بھی ہے۔ کوئی خاص نیا حکم تو اس حدیث میں ایسا ہے نہیں، کہ مجتہدین کا فتویٰ دیکھا جائے مگر حدیثوں سے اکابر علماء کا اس حدیث کو اپنے خطبہ عید الاضحیہ میں بیان کرنا اور قربانی کو سنت ابراہیمیٰ قرار دینا اس کی دلیل ہے کہ اس حدیث کی صحت کو سمجھنے نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے اُس کے سنت ابراہیمیٰ ہونے پر تو اترے۔

نمبر ۲۰۔ آپ نے ۱۸ ربیع الاول ۱۸۸۷ء کے مراسلے میں اس حدیث کو قرآن کے خلاف بھی قرار دیا تھا۔ جس کا شافی جواب میں نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲ فروری میں دے دیا اور اس کو ثابت کر دیا کہ یہ حدیث قرآن میں ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی شرح ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں اپنے نمبر ۲۱ میں کہ ”اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث سنۃ ابیکم ابراہیم آیت قرآن کی شرح ہے یا کسی صحابی نے اس کو قدینہ بنیج عظیم کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟“

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی صحابی نے کوئی تفسیر لکھی ہوئی تو وہ ضرور اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو لکھتے اور آپ کو کیا حق ہے یہ کہنے کا کسی صحابی نے اس حدیث کو اس آیت کی شرح میں نہیں لکھا ہے۔ آپ کا اصول قطعی تو یہ ہے کہ ”عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اس لئے آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ صحابی نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو اس آیت کی شرح قرار دیا ہوگا۔ جیسی تو ساری امت قربانی کے سنت ابراہیمیٰ ہونے پر سلف سے لے کر خلف تک اجماع رکھتی چلی آ رہی ہے۔

نمبر ۲۱۔ آپ نے فرمایا ہے کہ ”قربانی کی سنت قدیمہ اور سنت ابراہیمیٰ ہونے میں جو فرق بیان کیا ہے محتاج دلیل ہے، ورنہ طبع زاد اور حاشیہ“ میں نے ایک بدیہی بات بیان کی ہے جس کو ہر صاحب عقل تسلیم سننے ہی تسلیم کرے، مگر دلیل بھی اسی میں موجود ہے۔ میں نے بے دلیل نہیں بیان کیا ہے۔ آپ میری عبارت کو پھر بڑھ جائیئے۔

نمبر ۲۲۔ آپ نمبر ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ”اگر قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے تو انہوں نے ایک ہی بار تو نہ کی ہوگی سنت کے لئے تو مواظبت شرط ہے۔ اگر ایک دفعہ زندہ کی طرف سے کی تھی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ مردوں کی طرف سے کبھی نہیں کی کیونکہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے۔“
جواباً عرض ہے کہ اگر سنت کے لئے مواظبت شرط ہے تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے

پھر دوسرے اور تیسرے سال قربانی نہیں کی، اور مواظبت نہیں رکھی کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

اور یہ کیوں سمجھا جائے کہ پھر حضرت اسماعیل و حضرت اسحق و حضرت یعقوب علیہم السلام نے اس سنت کو قائم نہیں رکھا کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

باقی رہی مردے کی طرف سے قربانی، وہ معدوم محض لمحیکن شیئا مذکور ہے ورنہ حضرت جبرئیلؑ کی طرف سے حضرت میکائیلؑ کی طرف سے حضرت اسرافیلؑ کی طرف سے اور حضرت عزرائیلؑ کی طرف سے سب کی طرف سے قربانی کرنی چاہیے کیونکہ عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں۔

مولانا مجھ کو سخت تعجب ہے کہ آپ نے پہلے مراسلے میں بھی اس فقرے کو استدلال میں پیش فرمایا ہے اور یہاں بھی، مگر یہ نہیں خیال فرماتے کہ عدم ذکر اگر ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے تو ذکر وجود کا مستلزم کیوں سمجھا جائے گا؟

حضرت ابراہیمؑ نے ذمے کی طرف سے قربانی کی اس کا ثبوت ایک مرتبہ کے تعلق تو موجود ہے۔ قرآن میں مواظبت کا ذکر نہیں ہے، ایک حدیث سنت ابراہیم جو فرمائی گئی، اس سے معلوم ہو گیا کہ پھر انہوں نے ہر سال اس سنت کو قائم رکھا، اور جب انہوں نے قائم رکھا تو ان کے صاحبزادے اور پوتے پر پڑتے اور متبعین نے جو ان کی سنت کے پابند تھے ان سمجھوں نے ضرور اس سنت کو قائم رکھا ہو گا۔ ان قرآن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مواظبت اس سنت پر کہیں مذکور نہیں ہے تو عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے۔ اور وجود قرآن سے ثابت ہے۔ جہاں وجود قرآن سے ثابت ہے وہاں تو آپ دلیل اور ثبوت آیت یا حدیث سے طلب فرماتے ہیں، اور جہاں جہاں وجود کا وہم و گمان بھی نہیں وہاں آپ کے لئے ”عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں“ کی نص قطعی ”ذکر وجود“ کو مجسم آپ کے سامنے لاکر کھڑا کر دیتی ہے! ان هذا من اعاجیب الذم!

آپ جو ”عدم ذکر ذکر عدم کو مستلزم نہیں“ کی نص قطعی کو ہر جگہ پیش کر دیا کرتے ہیں، اور اس سے ”ذکر وجود“ ثابت فرماتے ہیں، اگر اس طرح اہل بدعات بھی اپنی تمام بدعتوں کے بارے میں آپ کے سامنے اسی سے استدلال پیش کریں، اور ساری بدعتوں کا ذکر وجود صرف ان کے عدم ذکر

سے ثابت کریں تو کیا آپ مان لیں گے؟ امید ہے کہ اب آپ یہ ”نقص قطعی“ ہر جگہ بے سوچے سمجھے کبھی استعمال نہ فرمائیں گے۔ ورنہ دوسرا بھی آپ کے ہر طلب استدلال کے موقع پر اسی ”نقص قطعی“ کو آپ کے سامنے پیش کر دے گا اور کہے گا کہ ایں ہماں سنگ است کہ بوسرم زده بودی۔

بہر ۲۲۔ آپ نمبر ۲۲ میں تحریر کرتے ہیں کہ ”آپ و خدیجہ بذبح عظیمہ سے کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ نہ اس میں ایام کا ذکر ہے نہ ہمیں یہ کا۔ تو قربانی کا ثبوت نہ ہوا“ یعنی آپ کے نزدیک قربانی میں ایام نحر اور ماہ ذی الحجہ شرط لازمی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کو۔ جو قربانی کا حکم وحی ہوا تھا وہ کس جیسے اور کن دنوں میں ہوا تھا؟ اور بنی اسرائیل نے جو کہا تھا کہ **اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْثِرَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی يٰتٰنَا بِقُرْبٰنٍ تٰكْلُهٗ اَلنَّارُ**۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا **قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رِسَالٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّقْلِ**۔ تو وہ رسول جو آئے تھے اور انہوں نے ایسی قربانی کر کے پیش کی تھی۔ جس کو آگ کھا گئی وہ بھی کیا ایام نحر ہی کی کسی تاریخ اور ذی الحجہ ہی کے مہینے میں تھی؟ کیونکہ آپ کے نزدیک قربانی کے لئے یہ ازلی شرطیں ہیں قربانی جب سے فرض ہوئی ہے اسی وقت سے اس کو ماہ ذی الحجہ اور ایام نحر سے مقید و مشروط کر کے فرض کیا گیا تو اس کا ثبوت دیجئے کہ بائبل و قابیل نے قربانی اسی مہینے اور انہی دنوں میں دی تھی، اور بنی اسرائیل کے ان رسول نے بھی قربانی اسی مہینے اور انہیں دنوں میں پیش کی تھی اور اگر آپ اس کے لئے بھی وہی اپنی نفس قطعی ”عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں“ والی پیش کر دیں گے تو میری طرف سے بھی اسی نفس قطعی کو جواب میں قبول فرمائیے کہ خدیجہ بذبح عظیمہ کا واقعہ بقرعید ہی میں ایام نحر ہی میں ہوا ہو گا اگرچہ اس کا کہیں ذکر نہیں ہے کیونکہ عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں ہے۔

میرے محترم! مہینے اور ایام حضرت ابراہیمؑ کے بعد متعین ہوئے ہیں اور سنۃ ابیکم ابراہیم کے یہی معنی نہیں ہیں کہ اس پر مواظبت کر کے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت ہی میں مہینے اور دنوں کی تعین کے ساتھ ایک سنت قائم کر دی تھی، بلکہ اضافت سبب یہ بھی ہو سکتی ہے یعنی ایسی سنت تو حضرت ابراہیمؑ کی وجہ سے قائم ہوئی۔ مگر اس تاویل کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بہت زیادہ ممکن ہے کہ اس واقعہ مذکورہ فی القرآن کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے خود ان دنوں اور اس مہینے کو معین فرما کر قربانی کی یہ سنت آل ابراہیمؑ کے لئے قائم کر دی ہو۔ کیونکہ اسلام کے قبل سے عرب میں حج اور قربانی

کا رواج چلا آ رہا تھا جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ اور ہر وہ شخص جس کے کوئی بیٹا زندہ ہوتا تھا وہ قربانی کرتا تھا۔ کنوڑا، لاہلہ یا جس کے صرف بیٹیاں ہوتی تھیں وہ قربانی نہیں کرتا تھا چنانچہ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر اپنے بیٹے سفاح کے مرثیے میں کہتا ہے۔

لقد مت یا سفاح غرة شوال
وفي كل يوم النحر موتك يحكي

اس شاعر کا وہی ایک بیٹا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا، اس کی طرف سے یا امن کی وجہ سے یہ قربانی کیا کرتا تھا جب وہ بیٹا سفاح مر گیا تو اب لاہلہ کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتا۔ اُس کا وہ بیٹا تو ایک ہی شوال میں مرا تھا پہلی تاریخ کو مگر ہر سال قربانی کے دن اُس کی موت اس لاہلہ باپ کے لئے زندہ ہو کر اس کے بیٹے کا غم تازہ کر دیتی ہے کہ سب اہل اولاد قربانی کر رہے ہیں اور یہ بھی کبھی ہر سال قربانی کیا کرتا تھا، اب نہیں کرتا۔ تو یہ دستور اور رواج کدوئی الحجۃ ادا یا م نحر میں قربانی کی جائے بہت قدیم ہے۔ اس لئے بہت زیادہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہی نے اپنے وقت ہی میں یہ سنت قائم فرمادی ہو۔ ورنہ پھر بتانا چاہیے کہ جینے اور دنوں کی تعہد جو زمانہ جاہلیت سے چلی آ رہی ہے وہ کب سے ہے؟ اور یہ بھی بالکل قرین عقل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمعیلؑ کا یہ واقعہ ذی الحجہ کے جینے میں انہیں دنوں میں ہوا ہو۔ اس لئے بعد کہ یہ سنت جو قائم کی گئی تو وہی ہمینہ اور وہی دن باقی رکھے گئے۔ فدیہ اسمعیلی کا واقعہ تو یقیناً دن ہی کو ہوا ہو گا مگر جس رات حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا تھا، اور بیٹے سے استصواب کیا جہاں تک کہ نذیر تک لے کر پہنچے اس میں تین دن صرف ہوئے ہوں، اس لئے تین ایام نحر بعد کہ قرار دیئے گئے۔ یہ سب معاملات قرآن واضح سے ثابت ہو رہے ہیں مگر ہر بات کے لئے آیت یا روایت کا مطالبہ آپ دوسرے سے فرمائیں گے، اور قرآنی واضح کو طبع عزاد حاشیہ کہہ کر ٹال دیں گے اور خود مُردے کی طرف سے قربانی ثابت کرنے کے لئے، جس کا کوئی قرینہ نہیں، عدم ذکر، ذکر عدم کا مستند نہیں، کی نص قطعی پیش کر کے سمجھ لیں گے کہ دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کر کے اثبات دعویٰ کی ذمہ داری سے بالکل سبکدوش ہو گئے۔

افسوس کہ اس شاعر کے وقت میں شریک بن عبداللہ الکوفی صاحب نہ ہوئے، ورنہ وہ ضرور مردہ بیٹے کی طرف سے قربانی کر دینے کا مشورہ دے دیتے۔

نمبر ۲۳۔ اتنی تفصیلی خام فرسائی کے بعد ”فدیہ سے عقیقہ کا بھی احتمال“ اور ”یہ بھی احتمال کہ ذابرج فرشتہ ہو“، ”اور ذابرج ولد خواب میں اور ذابرج حیوان بیداری میں“ اب ان باتوں پر کچھ لکھنے کو جی نہیں بھاہتا مگر یہ احتمال دیکھ کر کہ ”ذابرج غنیم سے ہو سکتا ہے کہ عظیم الجثہ یا کھٹی مراد ہو۔ اس بحث کے خاتمہ بالآخر کی طرف سے تجھ کو بالکل مایوسی ہوگئی۔ اگر یہ بارہ صفحے نہ لکھ چکا ہوتا تو کچھ نہ لکھتا۔ اس طرح کے احتمالات میں بھی نکال سکتا ہوں۔ بلکہ آپ سے بہتر مثلاً وترکنا علیہ فی الاخرین سے یہ مراد لی جا سکتی ہے۔ وترکنا متبعیہ علی سنتہ فی الاخرین جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ہمیشہ کے لئے اس سنت کو قائم کر دیا جو سنت ابراہیم ہی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی ابتداء فرمائی اور ان کی صالح اولاد نے کچھ دنوں اس کو اسی طرح قائم رکھا۔ پھر لوگوں نے اس سنت ابراہیمی میں بدعتیں پیدا کر دیں یا اس کو چھوڑ دیا۔ مگر پھر مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہمیشہ کے لئے قائم فرما دیا۔ کوئی ضروری نہیں کہ ہر جگہ وترکنا علیہ فی الاخرین کے ایک ہی معنی ہوں کہیں وترکنا التناء علیہ فی الاخرین اگر مراد ہے تو کہیں وترکنا علی سنتہ فی الاخرین سے مراد ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب حدیث سنتہ ابیسیکھ ابراہیمہ اس معنی مراد کی طرف رہنمائی دہی کی کر رہی ہے۔ یہ پوچھنا کہ کس صحابی نے اس حدیث کو اس آیت یا آیت قدیمہ بذابرج عظیمہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے؟ عجیب سوال ہے! مشک آنت کہ خود مجوبید، نہ کہ عطار بگوید۔ حدیث کا مفہوم بتائے گا کہ یہ حدیث کس آیت کی شرح ہے؟ یا کوئی شخص بتائے گا؟ اگر کوئی شخص بتائے گا تو جب تک ایک کا مضمون دوسرے کے مطابق نہ ہو اس وقت تک کسی طرح کوئی حدیث کسی آیت کی شرح بھی جا سکتی ہے؟ نہ یہ ضروری ہے کہ کسی حدیث کا کسی آیت کی شرح ہونا کسی صحابی کے قول سے ثابت ہو، نہ یہ ضروری ہے کہ جو حدیث کسی آیت کی تفسیر میں یا شاہان نزول میں کسی کتاب میں بھی مروی ہو، وہ حدیث صحیح ہی ہو اور وہی شرح صحیح ہو اس آیت کی۔ بلکہ تفسیری روایتیں تو انہی فی حد تقریباً غلط اور موضوع، میں میری ایک مستقل کتاب تراجم المفسرین روایان حدیث و تفسیر کے حالات میں موجود ہے جس میں کئی سو روایان احادیث تفسیر کے ترجمے مذکور ہیں۔ اور آپ خود مسدّدی و کلبی و ضحاک و جویرد وغیرہم کے حالات سے بے خبر نہ ہوں گے اور یہی لوگ تفسیری حدیثوں کے امام ہیں۔ مولانا! میں کیا عرض کروں۔

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاہی میں۔

نمبر ۳۵۔ مولانا! آپ کے زہد و ورع سے یہ امید نہیں کہ آپ مجھے قصداً مغالطہ دینا چاہتے ہیں، اور آپ کے علم و فضل سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا کہ نادانستہ اس طرح کے استدلال آپ کے قلم سے نکل جاتے ہیں۔ مجھ کو سخت حیرت ہے کہ معاملہ کیا ہے؟ آپ من لہ یصل من امتی ^{۱۵۹} اور من لہ یصل من امتی دو مرکب ناقص ناقص تمام فقرے پیش کر کے دونوں کا تقابل دکھاتے ہیں اور من لہ یصل وکان من شانہ ان یصلی ومن لہ یصل وکان من شانہ ان یصلی کے ناقص فقرے دو مرکب ناقص پیش کر کے تقابل عدم و ملکہ کے دکھلونے دکھا کر آپ مجھے ہلا دے دے رہے ہیں! اگر آپ صرف تقابل عدم و ملکہ کی دو مثالیں پیش کر رہے ہیں اس سے قطع نظر کر کے کہ ان سے کوئی دعویٰ ثابت کریں تو بے شک یہ دو مثالیں تقابل عدم و ملکہ کی ہیں۔ لیکن اگر ان مثالوں سے کوئی دعویٰ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو جب تک پورا جملہ نہ کر پیش نہ کریں کیونکہ کوئی بات ثابت ہوگی۔ مثلاً جملے یوں ہوں من لہ یصل فلا یحضرن المسلمون جنان شہ ^{۱۶۱} اور من لہ یصل فلا یقرب من معالیہ ہوں کیا آپ ان جملوں میں غیر معالیٰ اور غیر مضیٰ مردوں کو بھی شامل سمجھیں گے؟ من لہ یصل میں فرعون و ہامان بھی داخل ہیں۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ فرعون و ہامان کے جنازے کی شرکت سے منع کیا جا رہا ہے؟ اسی طرح من لہ یصل میں وہ مصلین بھی سمجھے جاسکتے ہیں جو اس قول کے کہنے سے پہلے ہی مر چکے ہیں کیا ان کو بھی قرب مصطفیٰ سے ممانعت یہاں سمجھی جائے گی؟ کوئی کہے کہ کیا زندہ و مردہ برابر ہو سکتے ہیں تو کیا اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہاں برابر ہو سکتے ہیں کیونکہ جو آج مردہ ہے وہ بھی کبھی زندہ تھا۔ اور جب زندہ تھا تو اس زندہ کے برابر تھا۔ متعالمین میں جب تک اتحاد زمانی نہ ہو، بعض مواقع میں تقابل صحیح نہ ہوگا ^{۱۶۲}

میں نے پوچھا تھا من قتل قتیلاً قلہ سلبہ میں آپ بائیل و قابیل سے لے کر اس حدیث کے فرمانے کے قبل ملک کو تمام گذشتہ قاتلین و مقتولین کو داخل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ من امن باللہ وایومہ الآخر میں کیا وہ مردے بھی داخل ہیں جو مرنے کے بعد ایمان لائے؟ تو آپ نے کچھ جواب نہ دیا اسی طرح من قال لا الہ الا اللہ داخل الجنۃ میں کیا وہ مردے بھی داخل ہیں جو مرنے کے بعد اقرار تو حید کر دیں گے؟ آپ ان باتوں کا تو جواب نہیں دیتے اور ناقص فقرے لکھ کر مغالطہ دینا چاہتے ہیں؟

مجھ کو بھی آٹھ برس کی عمر سے یاد ہے کہ

پہلے چار جاماضی درآید معیش مستقبلہ بعد شرط و ہم جزا و ہم و عا و ہم صلہ

مگر میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ عمن لہ یعنی من امتی میں لہ یعنی ماضی ہی کے معنی میں یا مستقبل کے معنی میں؟ دونوں تو ہو نہیں سکتا۔ ایک ہی زمانہ آپ مراد لے سکتے ہیں۔ حال و استقبال کا اجتماع ممکن ہے، ماضی و مستقبل کا اجتماع آپ کس طرح جائز کہیں گے؟ جو آپ مردوں کو بھی داخل کریں گے، اور قیامت تک سارے پیدا ہونے والے مسلمانوں کو بھی داخل سمجھتے ہیں۔ بہر حال آپ شوق سے مستقبل کے معنی میں لیجئے۔ مگر اس سے مردوں کی طرف سے قربانی ثابت نہ ہو سکے گی جو آپ کا اصل دعویٰ ہے اور یہی اس وقت موضوع بحث ہے۔ زمانہ ماضی میں جنہیں صلاحیت تھی اور زمانہ ماضی میں جو قربانی نہ کر سکے ان کی طرف سے تو وہ قربانی نہ ہو سکی۔

غزل ۲۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے ”لہ یعنی حرف من کے تحت میں ماضی نہیں رہتا کیونکہ نجات کی تصریح ہے کہ اسماء موصولہ میں معنی شرط موجود ہیں، اور ماضی تحت الشرط ماضی نہیں رہتی۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء و غیرہ بکثرت نظر موجود ہیں۔“

اسم موصول اور شرط دونوں کے متعلق جناب نے مساحت فرمائی الذین ادتوا الکتب قرآن مجید میں بیسیوں جگہ ہے کیا یہ اوتوا۔ معنی یوتوا ہے اور آپ اسی کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کتاب دیئے جائیں گے؟ اور اذ قالہ ربک للملئکتہ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کیا یہاں قال یعنی یقول اور سجدوا۔ معنی یسجدون ہے؟ آپ شاید فرمائیں کہ اذا مستقبل کے لئے اور اذ ماضی کے لئے مخصوص ہے اور یہاں اذ ہے اس لئے ماضی یعنی مستقبل یہاں نہیں بن سکا۔ اور الذین کی بھی نہیں ہوتی من کی مثال دکھاؤ۔ تو لیجئے من کی مثال بھی حاضر ہے من قال سا نزل مثل ما انزل اللہ الایۃ میں کیا قال یعنی یقول ہے؟ اور فمنہم من امن به ومنہم

من صدعہ میں کیا آپ امن کو معنی یؤمن اور صد کو معنی یصد سمجھتے ہیں؟ مولانا میں نے نہیں ایک عرصہ تک ہے مگر ہزار مکتبہ باریک تر زموں بجا است۔ ماضی تو ماضی ہے، یہ کبھی مضارع پر آتا ہے اور پھر بھی مستقبل کے معنی میں وہ مضارع نہیں ہوتا۔ جیسے ومن الناس من یقول اٰمن باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین۔ یہاں من یقول میں یقول یعنی حال ہے

اور معنی ماضی اگر لیا جائے تو لیا جاسکتا ہے مگر معنی مستقبل نہیں لیا جاسکتا۔ ترجمہ کر کے دیکھ لیجئے
بے شک من ماضی کو معنی مستقبل بھی بنا دیتا ہے مگر جہاں صاف شرط کا مفہوم موجود ہو یا مقصود جملہ اس کا
متقاضی ہو ورنہ شرط و جزا میں بھی کبھی ماضی ہی کے معنی باقی رہتے ہیں۔ مثلاً دارالکفر سے فوج واپس آئے
اور خلیفہ اسلام سپہ سالار سے اس سفر کی رپورٹ پوچھے، وہ جواب میں کہے من قاتلنا قاتلناہ ومن سالمتنا
سالمتنا یہاں وہی ماضی کے معنی لئے جائیں گے مستقبل کے معنی نہیں لئے جاسکتے کیونکہ کہنے والا زمانہ
ماضی کا واقعہ بیان کر رہا ہے اور پوچھنے والے نے بھی زمانہ ماضی ہی کی رپورٹ پوچھی تھی۔

نمبر ۲۔ جناب تحریر فرماتے ہیں کہ ”من لم یعمل من امتی زندہ مردہ بے نمازیوں کو شامل ہے یا نہیں؟
اسی طرح من لم یفزع من امتی ہے۔ ای من لم یفزع وکان من شانہ ان یفعی فی حیاتہ۔ قرآن
اب تقابل عدم ملکہ سے آپ کا دعایہ کیونکر ثابت ہوا؟“
آپ کا علم و فضل مشہور و معروف ہے۔ اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ تقابل عدم و ملکہ سے
بالکل ناواقف ہیں۔ اس لئے زیادہ گمان اسی کا ہے کہ جان بوجھ کے مجھے مغالطہ دے رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي قَتَلْتَ مِصْبَةً ۖ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَلَمْ تَصِبْ إِلَّا عِظْمًا

مجھے درس سے فراغت حاصل کئے ہوئے ۴۷ برس ہو گئے ۱۳ سال تک ایک مدرسہ میں تدریس
کا مشغلہ بھی رہا مگر زیادہ تر حدیث و تفسیر اور کچھ ادب کی کتابیں پڑھاتا رہا۔ معقولات کے پڑھانے کا
بہت کم موقع ملا۔ پھر بھی وہ ۴۷ برس قبل کا اپنا پڑھایا ہوا اب تک بفضلہ تعالیٰ بہت کچھ یاد ہے۔ جناب
سے گزارش ہے کہ مدرسہ عالیہ کے کتب خانے میں شرح حکمت العین، شرح مواقف اور اس پر عبدالحکیم
سیالکوٹی کا حاشیہ ضرور ہوگا۔ میرے ساتھ یہاں یہ کتابیں نہیں ہیں ورنہ صفحات کی تعداد بھی کچھ دیتا۔
میں اپنے ساتھ معقولات کی کتابی گویا بالکل نہیں لایا۔ مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو کتاب بھی ہو تقابل عدم
و ملکہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ اب یاد نہیں ہے کہ شرح حکمت العین میں ہے یا
شرح مواقف میں ہے یا حاشیہ عبدالحکیم۔ مگر تقابل عدم و ملکہ کی یہ تعریف
انہیں کتابوں میں سے کسی کی عبارت تقریباً مجھے یاد ہی ہے کہ ان اعتباراً نسبت
المقابلین اے قابل الاموال وجودی واعتبر قبولہ لذلک الامر فی ذلک الوقت، فھما العدم والملكۃ

کا کو سب خانہ عدم الخیۃ عفا من شانہ الخیۃ فی ذلک الوقت۔ وذلک لا یقال للعرۃ لان
الخیۃ لیست من شانہا۔ مفہوم بالکل یہی ہے الفاظ کچھ ضرور بدل گئے ہوں گے اور پھر عقل بھی
چاہے ایک عالی ہی کی کیوں نہ ہو اتنی شہادت ضرور دے گی کہ اگر اتحاد زمانی ملحوظ نہ ہو تو پھر اجتماع

ضدیں واجتماع نقیضین سب جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ تجرید یا شرح تجرید میں ہے کہ تقابل عدم و ملکہ گویا تقابل سلب و ایجاب ہے باعتبار نسبت کے۔ اور یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی کی کسی کی طرف نسبت ایجابی آج کی جائے اور کل ہی اسی بات کی نسبت سلبی اسی شخص کی طرف کی جائے۔ تو کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی شخص کی طرف نسبت ایجابی اور اسی بات کی نسبت سلبی کر کے اجتماع ضدین دکھادیا گیا؟

مولانا! آپ نے ناتمامی جملے سے یا خود دھوکا کھایا، یا دھوکا دینا چاہا ہے۔ من لہ یصل من امتی تو صرف مبتدا ہے خبر بیان کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس جملے میں من یصل میں آغاز بعثت سے قیامت تک کے غیر مصلی مسلمان مراد ہیں یا صرف اسی وقت بالبعد کے۔ اچھا یوں سمجھئے، اگر آپ یوں فرماتے عام دسترخوان پکھو اگر کہ هذا الطعام لمن لہ یصل من امتی، تو کیا آپ اس کھانے میں بھی مُردوں کو اور قیامت تک پیدا ہونیوالے مسلمانوں کو حصہ دار سمجھتے؟ اور موجودہ مسلمان سب کھا جاتے تو آپ ان کھانے والوں کو خاٹن سمجھتے کہ انہوں نے مردہ مسلمانوں کا اور آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں کا حصہ بھی کھالیا؟ اب میں آپ کے پیش کردہ مصرعہ کو واپس کرتا ہوں کہ ^{الف} سخن شناس نہ دہلر اخطا اینجا است۔

نمبر ۲۔ آپ اپنے نمبر ۲۴ میں پھر مکرر لکھتے ہیں کہ ”آپ قرآن سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے“۔ جواباً عرض ہے کہ اگر آپ اپنی نصی قطعی ”عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم، نہیں“ سے سب کچھ ثابت کر سکتے ہیں، اور ثابت کر گئے۔ (حقیقہ کا جواب)

حضرت اسمعیلؑ کے واقعہ فدیہ کے وقت حقیقہ کا رواج جب تک آپ ثابت نہ کریں اس وقت تک آپ کا یہ فرمانا کہ وہ فدیہ حقیقہ تھا آپ کا طبع زاد اور حاشیہ ہے۔ اور اس فدیہ کو اضحیہ کی بنیاد کہنا میرا طبع زاد نہیں بلکہ اس حدیث کی بنیاد پر ہے اور اس فدیہ کے حقیقہ نہ ہونے کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ حقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن چاہیئے۔ اضحیہ کیلئے تعین ماہ و تاریخ ضروری ہے اور حقیقہ کے لئے دنوں کی کوئی تعین نہیں۔

جب بچہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے یا باپ کی جدوجہد میں شریک ہونے کی عمر کو پہنچ جائے۔ اس عمر میں حقیقہ نہیں ہوتا اور پھر حقیقہ میں بچے کا سر بھی مونڈا جاتا ہے اور یہاں سر نہیں مونڈا

نمبر ۳۰۔ بحوالہ نمبر ۲۸ میری مایوسی کی وجہ آپ نے تسلیم فرمائی۔ مگر وجہ جو آپ نے لکھی ہے وہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب اپنے اکابر اپنے آباء و اجداد کو مقلد نام ہیں۔ اپنے خاندانی روایات کے مطابق آیات و احادیث کو کھینچنا کرتے ہیں اور اس طرح سمجھ لیتے ہیں کہ ہم آیات و احادیث کا اتباع کرتے ہیں اور میں آباء و اجداد و شیوخ و اساتذہ کسی کا بھی مقلد نہیں۔ سب کی سنتا ہوں مگر قرآن مبین اور قرآن مبین کے مطابق احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھ کر انصاف اور دیانت سے غور کرتا ہوں فہدی اللہ الذین امنوا لہما یختلفوا فیہ من الحق باذنہ کے مطابق ہدایت الہی میری دستگیری فرماتی ہے اور والذین جاہدوا فینا لنمجدنہم مبلنا کا وعدہ اللہ میرے ساتھ پورا فرماتا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ اس لئے میری اور آپ کی رائے میں بون بعید ہے جس کو میں اتنا صاف طور سے پہلے نہیں سمجھا تھا۔

مسئلہ: ایلم کے اسناد میں صرف ایک رافضی ہے اور باقی سب آئمہ حدیث اور پھر اس کا مضمون بھی بالکل قرآن کی تفسیر کے مطابق متلفی امت اس کو اس قدر حاصل کہ صدیوں سے ہر ملک میں خطبہ عید الاضحیٰ میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے اور اسی حدیث کی بنیاد پر ساری دنیائے اسلام قربانی کو سنت ابراہیمی جانتی اور کہتی آئی ہے اس لئے سلسلہ اسناد میں صرف رافضی کذاب کے آجانے سے یہ حدیث اتنے دلائل صحت کے باوجود غلط نہیں کہی جاسکتی۔ بلکہ صحیح ہی تسلیم کی جائے گی اور ساری دنیا اس کو صحیح ہی تسلیم کئے ہوئے ہے اور یقیناً اس سے پہلے آپ بھی اس حدیث کو صحیح ہی سمجھتے تھے اور خدا جانے کئے مرتبہ عید الاضحیٰ کے خطبے میں پڑھی اور سنی ہوگی تو میں نے بھی اگر اس حدیث صحیح کو حجت و سند قرار دیا تو کیا غلطی کی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دالی حدیث کے اسناد میں تقریباً سب کے سب شیعہ، منکر اور باطل حدیثوں کے روایت کرنے والے متعدد، ترمذی جس کو محمد بن عبید المجاہد ابن الکوفی سے روایت کرتے ہیں یہ بھی شیعہ گو ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کے تشیع کا ذکر نہیں کیا ہے مگر لباس بہ کے سوا اور کچھ لکھا بھی نہیں ہے اور آپ لباس بہ سے ناواقف نہ ہوں گے۔ مگر شیخ حلی نے کتاب الرجال ص ۷۷ میں ان کو شیعہ قرار دیا ہے اور ثناء لکھا ہے۔ اور ابو داؤد اس کو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ شیعہ تھے یا نہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم مگر قرآن مجید کے

ساتھ ٹھٹھا برابر کرتے تھے۔ امام ذہبی اور ابن حجر دونوں کو اس کا اعتراف ہے کہ کان یصحفی القرآن اور پھر مثال میں ان کی کئی تصحیفیں بھی پیش کی ہیں مثلاً فخر بن یسجد بسورۃ باب جو سورہ حدید کے دوسرے رکوع میں ہے اس کو لیستور لہ باب پڑھتے تھے کوئی ٹوکتا تھا تو کہہ دیتے تھے کہ میں ناف کی قراءت کا پابند نہیں ہوں اور اسی طرح کئی مثالیں ان کی تحریف و تصحیف کی مذکور ہیں مگر چونکہ بخاری میں ان سے ۵۳ اور مسلم میں ۱۳۵ حدیثیں مروی ہیں اس لئے بڑے ثقہ سمجھے جاتے ہیں مگر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان سے بہت سے افراد و غرائب مروی ہیں۔ اور قرآن میں ان کی تصحیفوں کا ذکر کر کے امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ لعلہ تاب۔ کوئی صاحب انصاف غور کرے کہ جو شخص قرآن مجید میں تصحیف کرتا ہو، حدیثوں کے ساتھ اس کا کیا تبادلوں ہوگا۔ مگر زبان کون کھول سکتا ہے بخاری و مسلم جیسے دو دو امام حدیث ان سے روایت کر رہے ہیں غرض پورے سلسلہ اسناد میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کو نکتہ سکھ سے درست کہا جائے۔ لے دیکر ایک حکم بن قتیبہ میں مگر ان کو بھی تشیع نے مشتبہ کر دیا۔ یہ حالت اس کے راویوں کی ہے بضمون کے اعتبار سے قرآن میں ان کی نص صریح کے خلاف عقل و روایت کے خلاف، اور سنت متواترہ کے خلاف ایسی حالت میں اس حدیث کو غلط اور موضوع نہ کہنا درحقیقت اتباع سنت کو الٹی پھری سے ذبح کرنا ہے۔

نمبر ۳۲۔ میں نے کان المسلمون یسمعون ہی والی حدیث نقل نہیں کی ہے، اور پھر قربانی نہ کرنے پر تہدید بھی کی گئی ہے مگر ان باتوں کی تفصیل اس کو متائی جلے جو نہ جانتا ہو۔ تجاہل علانہ کیا جلے تو کیا جواب دیا جائے۔

نمبر ۳۳۔ علی سبیل التسلیم میں ”تسلیم“ پر الف لام عوضاً عن الحذف الیہ ہے۔ میری مراد علی سبیل تسلیمکم یعنی آپ کی تسلیم پر۔ وہ بھی اگر میں نے ایسا کہیں لکھا بھی ہے مگر میں نے تو یہ لفظ کہیں لکھا ہی نہیں ہے۔

جو لوگ اس حدیث کو صحیح مان رہے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو حکم و وصیت تو اگر کسی نے کسی کو حکم کیا ہو، وصیت کی ہو تو اس حدیث کے مطابق آپ کے نزدیک اس کو اُس کے مرنے کے بعد اُس کی طرف سے قربانی کر دینی چاہیے۔ بغیر حکم و وصیت کے تو یقیناً آپ کے

نزدیک بھی مردے کی طرف سے قربانی خلاف سنت ہی ہونی چاہیئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام وصیت تمام مسلمانوں کو اس حدیث میں مذکور نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی فرماتے ہیں کہ مجھ کو حکم دیا، مجھے وصیت کی۔ اس لئے یہ وصیت خصوصی ہوئی خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص حضرت علی رضی کو۔ اس سے ہر شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا مردے کی طرف سے قربانی کا جواز پھر بھی کسی طرح نہیں نکلتا۔ اور میں نے تو ”علی سبیل التسلیم“ کا لفظ لکھا بھی نہیں ہے یہ لفظ آپ نے میری عبارت میں اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔ آپ جیسی محترم سیتوں سے احقاق حق کے مناظروں میں یہ روش بہت افسوسناک ہے غرض مجھ پر خواہ مخواہ تسلیم کا اہتمام کو کے مصادره علی المطلوب کرنا اور پھر اس اہتمام کے ذریعے مصادره الزام سے اپنی برأت کرنا کہاں تک آپ کے لئے زیبا ہے آپ خود غور فرمائیں۔

نمبر ۲۵۔ فقط حضرت علی رضی کے لئے خصوصیت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خصوصیت۔ اور میرا دعویٰ ہرگز بلا دلیل نہیں۔ اگر دوسرے اس حکم اور وصیت میں حضرت علی رضی کے شریک ہوتے تو حضرت علی رضی کبھی امرنی اور اوصانی نہ فرماتے۔ بقول راوی حضرت علی رضی نے صیغہ واحد مشکلم دونوں روایتوں میں استعمال فرمایا ہے یہ ایک واضح دلیل ہے خصوصیت حضرت علی رضی کی۔ اس کے علاوہ اس کی تائید اس سے بھی ثابت ہے کہ اس حضرت علی رضی والی حدیث موضوع کے سوا اور کسی صحابی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قربانی کرنے کی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت کسی کتاب میں نہیں دکھائی جاسکتی۔ عدم ذکر، ذکر عدم کا مستلزم نہیں تو ذکر وجود کا بھی مستلزم نہیں حضرت علی رضی کا صرف واحد کا صیغہ استعمال فرمانا اس کی تائید کرتا ہے کہ کبھی کسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ اور پھر حضرت علی رضی نے حضرت فاطمہ زہرا رضی کی طرف سے کبھی قربانی نہیں کی نہ اپنے لئے کسی کو وصیت کی نہ ان کے لئے کسی نے کی۔ اور عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں تو ذکر وجود کا بھی مستلزم نہیں۔ اس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی دونوں کی خصوصیت اس روایت سے ثابت ہے جو شخص اس روایت موضوع کو صحیح تسلیم کرتا ہے اس کو ان دونوں خصوصیتوں کے ساتھ تسلیم کرنا چاہیئے ورنہ وہ اس حدیث کا سہارا بیکڑ کے صرف اپنے آباء و اجداد کی مختصر رسم کا متبع ہے حدیث کا متبع نہیں۔

”صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے خصوصیت سمجھنا جاہلوں ہی سے ہو سکتا ہے“
 میں نے کب یہ وجہ بتائی؟ آپ ایک من گھڑت وجہ اپنی طرف سے قائم کر کے اس کا جواب دیتے ہو جو وہ
 اس خصوصیت کے میں نے لکھے، چونکہ ان کا کوئی جواب نہ تھا: بحر عدم ذکر ذکر عدم کا مستلزم نہیں والی نص
 قطعی کے، اس لئے ایک وجہ اپنی طرف سے لکھ کر آپ میرے سر پر تھوپتے ہیں اور اس کا جواب پُر زور
 طریقے سے دے کر پوچھتے ہیں کہ ”آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی یہ طرز گفتگو کیسی ہے“۔ آپ کے آباؤ اجداد
 ہوں یا میرے آباؤ اجداد مدینے سے تو سب آئے اور اسلام، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ
 اور قربانی سب مدینے سے ضرور لائے تھے۔ بلکہ اتنا ہی لائے تھے اس کے علاوہ اگر کوئی چیز لائے تھے
 تو وہ قرآن اور سنت متواترہ تھی جس کو تعامل کہتے ہیں۔ مگر یہاں آنے کے بعد ان کے گلے رفتہ رفتہ
 اور کیا کیا چیزیں پڑتی گئیں، صوفیانہ اذکار و اشغال جو تابعین و تابعین تک مروج نہ تھے۔
 جنہیں حکمائے امت نے اس وقت نکالا تھا جب بُد زمانہ نبوت کی وجہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے
 اور صرف نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، تلاوت کتاب اللہ سے تزکیہ نفس ہو نہیں سکتا تھا یہ سب
 چیزیں اور پھر شادی بیاہ ولادت و موت و بعد از موت کی رسمیں مولود خوانی و قیام اور شب برات کے
 صلے پھر عرم کی عزاداری اور گیارہویں رجبی وغیرہ جو کم و بیش ہر خاندان میں مروج چلی آ رہی ہیں
 کیا یہ سادی کی سادی چیزیں مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ آئی تھیں؟ کچھ زمانہ تیمور سے کچھ اس سے
 پہلے سے کچھ اس کے بعد پیدا ہوئیں اور پھیلیں کم و بیش کو نسا خاندان ہے جس میں ان کی کچھ نہ کچھ
 باتیں نہ ہوں۔ اہل علم کا خاندان ذرا سنبھل سنبھل کر ان چیزوں میں مبتلا ہوا اور حیلہ ہائے شرعیہ
 و روایت کشی کر کے ذرا شستہ و صاف بدعات میں مبتلا ہوا اور عوام گندے طور سے چھنے۔ مگر
 تقریباً سب کے سب چھنے۔ اَلَا مَن رَّحِمَ رَبِّیْ۔ ہر شخص یہ دعوے کر سکتا ہے کہ وہ الامناء ہم
 اور ہمارے خاندان والے یا ہمارے فرقے والے ہی ہیں۔ مگر کس کا دعویٰ سچا ہے اور کس کا
 جھوٹا یہ خود ہی دیانت کے ساتھ ہر شخص اپنے اور اپنے اسلاف کے متعلق علو و پالائش سے الگ ہو
 کر سوچ لے اور سمجھ لے تو ذہن توفیق۔ ورنہ پھر اس کا فیصلہ قیامت ہی میں ہوگا۔ یہاں اس کے
 متعلق باہم جھگڑنا فضول ہے۔ بہر حال میری کوئی طرز تحریر ناگوار گذری ہے تو معافی کا طالب ہوں۔
 نمبر ۲۶۔ اگر میں صرف اپنے آباؤ اجداد ہی کو طریقہ نبوی سے ہٹا ہوا پاتا تو سمجھتا کہ میرے آباؤ اجداد

نالائق تھے اور دوسروں کے آباء و اجداد لائق، مگر گستاخی معاف، آپ نے جو اپنے عقائد و اعمال کا نمونہ ان تحریروں کے ذریعے پیش فرمایا ہے اور اس کو اپنے آباؤ اجداد کا طریقہ بتایا ہے تو یہ آپ کے آباؤ اجداد کو بھی تو اپنے آباؤ اجداد کا ہم مشرب و ہم مسلک ہی پاتا ہوں نامبارک تو اس کو ہونا چاہیئے جو اجداد پرستی کے مرض میں مبتلا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت دی ہے اور وہ اسی بصیرت کی بدولت ایچھے بُرے کی تمیز اپنے گھر اور اپنے خاندان میں بھی کرتا ہے اور دوسروں کے گھر اور دوسروں کے خاندان میں بھی، اس کو نامبارک سے کیا واسطہ۔ اس کے بعد اشخاص و افراد پر نکتہ چینی میں جائز نہیں سمجھتا۔ جس بزرگوں کے نام آپ نے گناے میں ان سب کو اپنے بزرگوں کی طرح بزرگ و محترم ہی سمجھتا ہوں رحمہم اللہ تعالیٰ و دعا ہے جو رحمت ہم و تجاوز عن ذلت ہم۔ مگر پھر عرض کروں گا کہ تھلث ائمہ قد خلعت لھما ما کسبت و لکم ما کسبتھم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔

نمبر ۳۔ حدیثوں کے ذخیرے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا اہل بدعت کو کون موقع دے رہا ہے، اس کا فیصلہ بھی اگر ہم لوگ بطور خود اپنے اپنے دل میں نہیں کر سکتے تو پھر قیامت ہی میں ہوگا۔ ایک بات ذہن میں آئی تھی جو کہدی۔ جانے دیجئے۔

نمبر ۴۔ قربانی میں دو فائدے ہیں ایک دنیاوی اور ایک دینی۔ دنیاوی فائدے بھی دو طرح کے ہیں بزرگ کی طرف سے قربانی کی جائے اس کی جان کا فدیہ، اور چھ لوگوں میں گوشت تقسیم ہو یا جنہیں کھال کی قیمت ملے ان کے لئے رزق و کفاف اور دینی فائدہ ثواب آخرت کا ہے۔ مگر فدیہ و ثواب کا فائدہ قربانی کرنے والے کے تقویٰ پر موقوف ہے۔ اگر کوئی کسی کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اس کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جاسکتا ہے مگر ثواب اسی کو ملے گا۔ جس نے قربانی کی ہے اور وہ جانور جس کی ملک تھا کیونکہ اسی کے تقویٰ کی بدولت وہ قربانی قبول ہوگی اسی لئے نابالغ بچوں کی طرف سے لوگ قربانی کرتے ہیں تو ان بچوں کی جان کا فدیہ تو ادا ہو جاتا ہے، مگر ثواب قربانی کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔ اور اسی لئے مردے کی طرف سے قربانی ایک فعل لایعنی اور بدعت ہے کہ اس کی جان کا فدیہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اور ثواب اس کو مل نہیں سکتا۔ کیونکہ ثواب تقویٰ پر موقوف ہے جب تک تقویٰ منتقل نہ ہو ثواب منتقل ہو نہیں سکتا اور تقویٰ منتقل ہونی بڑی چیز نہیں۔

تو زندہ کی طرف سے قربانی اگر اس کی طرف سے فدیہ دینے کی نیت سے ہے تو بالکل صحیح اور جائز ہی

نہیں بلکہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی امت موجودہ کی طرف سے قربانی کی تو اسی حیثیت سے جس کی تصریح میں لکھ چکا ہوں۔ میں اس کا انکار کس طرح کر سکتا تھا، اور کہاں کیا ہے؟ مگر جس زندہ کی طرف سے قربانی کی جائے اس کو ثواب پہنچانے کے لئے کسی کی نیت اگر ہو تو اسی سے مجھے انکار ضرور ہے۔ مان یہ ہو سکتا ہے کہ جانور ہی کسی کو دے دیا جائے کہ وہ اس کو اپنی طرف سے قربانی کرے گا یا گائے یا اونٹ میں ایک حصہ دیدیا جائے۔ قربانی سے پہلے تو جو نیکو جانور یا وہ حصہ اب اس کی ملک ہو گیا اور اس نے اپنے ملک کی قربانی کی اس لئے اس کی جان کا فدیہ بھی ادا ہوا اور اس کو ثواب بھی ملے گا۔ اور اس دینے والے کو دینے کا ثواب الگ سے ملے گا۔ مگر مردہ کے نام سے ہیہ بھی صحیح نہیں کہ مردوں کے لئے بھی یہی صورت اختیار کی جائے۔

باقی رہا زندہ کی طرف سے حج بدل اگر جائز ہے تو پھر نماز بدل و روزہ بدل و زکوٰۃ بدل بھی ہونا چاہیئے حج بدل کی روایتیں سب کی سب مخالف قرآن اور خلاف درایت اسلامیہ ہیں۔ جن پر پوری بحث میری کتاب القوال الصواب فی مسئلۃ ایصال الثواب میں منقول ہے۔ جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ یہی حال میت کی طرف سے یا کسی دوسرے زندہ کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا ہے دعائے رحمت و مغفرت اور ایصال ثواب اور کوئی عمل خیر نیا بندہ عن الغیر کی بحث میری اس کتاب میں مفصل ہے۔ فمن شاء فلی یرج الیہ میں اپنے مسلمات سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹا۔ شروع بحث سے جو کہتا آ رہا ہوں وہی اس وقت تک کہہ رہا ہوں۔ میں نے کب اور کہاں ان بدعات کے جواد کا اعتراف کیا ہے؟

نمبر ۳۹۔ بحوالہ نمبر ۳۳، نمبر ۳۴ آپ تحریر فرماتے ہیں ”ینالہ التقویٰ منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ تقویٰ اس عمل کا ثواب دوائے گا؟ کیا تقویٰ اللہ تعالیٰ سے

ملے نہ بالغ بچوں کی طرف سے قربانی یا صدقہ فطر سنوں ہے اس لئے کہ یہ چیزیں جانی فدیہ ہو جاتی ہیں مگر نابالغوں کی طرف سے نماز یا روزہ یا حج وغیرہ جائز نہیں کیونکہ کسی دوسری عبادت کا مقصد دنیا میں رہنمائی و فدیہ جان نہیں ہے بحر قربان اور صدقہ فطر کے اسی لئے ان میں نابالغ بچوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے مگر مردوں کو کبھی شامل نہیں کیا گیا اگر اس سے مردوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے تو یقیناً دوسروں کی طرف سے بھی قربانی و صدقہ فطر کا رواج از روئے سنت ہوتا۔

ثواب کا مطالبہ کرے گا؟

اس کے بعد آپ ہی فرماتے ہیں ”یا اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیں گے“ ازل تو جو الفاظ آپ نے میری طرف منسوب فرمائے وہ میرے الفاظ ہی نہیں۔ آپ نے میرے الفاظ کو مسخ کر کے نقل فرمایا ہے۔ میری عبارت یوں ہے ”ہر عمل کا تقویٰ کے زیر اثر ہونا ضروری ہے، جب تک تقویٰ کے زیر اثر نہ ہو، اس عمل کا کوئی ثواب نہیں۔ گویا اس عمل والے کا تقویٰ بادگاہ الہی میں پہنچ کر اس عمل کا ثواب اس کو دلائے گا“ آخر کی عبارت محض تمثیل میں نے پیش کی ہے ”گویا“ کا لفظ جس پر شاہد ہے۔ اصل تفسیر وہی ہے جو اس تمثیل سے پہلے مذکور ہے۔ آپ نے کلمہ تمثیل ”گویا“ کو اڑا دیا، اور باقی تمثیلی عبارت کو میری اصل بیان کردہ تفسیر قبیح و بیکر، اس پر ایک اور حاشیہ اپنی طرف سے چڑھا کر پیش کیا اور الزام دے دیا کہ آپ تفسیر قرآن میں جو چاہتے ہیں اضافہ کر دیتے ہیں۔ کیا یہی طریقہ ہے اہل علم کے خالصانہ مناظرے کا؟

آپ تو خود مکھ رہے ہیں کہ ”یا اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ کو اس کے عمل کا ثواب دیتے ہیں“ اس سے یہ بات ثابت ہوئی یا نہیں؟ کہ ثواب تقویٰ ہی کی بدولت ملتا ہے؟ میں نے دو آیتیں لکھی تھیں جس کے تحت میں یہ مضمون ہے، ینالہ التقویٰ منکم اور انما یتقبل اللہ من المتقین۔ بتلائیے آپ نے جو فرمایا وہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ آپ نے اپنے خیال میں صرف دوسری آیت کی تفسیر کی ہے مگر ایک غلط مفہوم پیدا کرنے کے لئے۔ یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ متیقن کے ہر عمل کا ثواب ملتا ہے چاہے اس عمل کو بذات خود تقویٰ سے کوئی سروکار ہو یا نہ ہو۔ اور میں کہتا ہوں کہ جو عمل تقویٰ کے ماتحت کیا جاتا ہے اسی کا ثواب ملتا ہے حقیقت کے اعتبار سے کمال ایک ہی ہے اس لئے کہ جو واقعی عند اللہ متقی ہیں ان کا ہر عمل تقویٰ ہی کے ماتحت ہوگا۔ یاں عرفی متقی کا یہ حال نہیں ہے۔ کتنے ظاہری زہد و تقویٰ تو بہت رکھتے ہیں مگر وہ شرک و بدعت میں بڑی طرح مبتلا ہیں۔ آپ ایسے لوگوں سے ناواقف نہ ہوں گے فاضل بریلوی کے زہد و تقویٰ و انفاق مال اور ان کی تصنیف و تالیف پھر حلقہ و مریدین و ستر شدین و تلامذہ سے آپ ناواقف نہیں۔ وہ اہل تقویٰ و داعین جو امام مسلم و امام بخاری و امام مالک رحمہ اللہ کے عہد میں بخوبی حدیث بنایا کرتے تھے اور اس کام کو لوجہ اللہ انجام دیتے تھے آپ ان سے بھی بے خبر نہیں۔ تو کیا ایسے عرفی متیقن کا بھی ہر عمل مقبول ہو، ہوگا، اور ان کو ان کے شرکیات و بدعات و اخراجات کا بھی ثواب

علا ہو گا؟ مولانا! جو واقعی عند اللہ متقی ہو گا اس کا کوئی کام تقویٰ کی ماتحتی سے باہر نہ ہو گا، اور تقویٰ کے تو معنی ہی یہی ہیں کہ ہر مشتبہ چیز سے انسان بچے۔ نہ یہ کہ اپنے آباء و اجداد کے مخترعات کا اتباع کرنے کے لئے موضوع و ضعیف روایات کا سہارا ڈھونڈنا پھرے۔

نہزم۔ مستدرک حاکم کا جو نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اور جو اس وقت میرے پاس موجود ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی مقدمہ نہیں ہے اس سے پہلے ایک قلمی نسخہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ میں تھا جہاں اس وقت میرے بھتیجے سیاحہ نشین ہیں مولانا شاہ صبیح الحق عمادی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ پہلے اسی کو دیکھا کرتا تھا۔ جب حیدر آباد دکن سے مطبوعہ نسخہ آگیا تو خانقاہ کی کتاب واپس کر دی۔ اس قلمی نسخے میں بھی کوئی مقدمہ نہ تھا۔ آپ بار بار اس کا ذکر فرماتے ہیں تو آپ کے پاس موجود ہو تو ایک ہفتے کے لئے مستعار لیج دیجئے کہ میں دیکھ لوں۔ المہ ابن خلکان وغیرہ نے اور پھر امام ذہبی و ابن حجر نے جو کچھ ان متفق لکھا، وہ ضرور دیکھا ہے۔ مگر مشکل آنست کہ خود ہوید، نہ کہ عطار بگوید، ان کی کتاب کے مطالعے سے ہر خالی الذہن جو پہلے سے ان کا عقیدت مند نہواں کے رخصی کا صاف پتہ لگا لے گا۔ میں نے امام ذہبی کے واللہ یجب الانصاف کی حقیقت خود انہیں کی تصریحات سے کھول دی ہے رافضی اور شیعی کا فرق اہل کوفہ کا گھڑا ہوا ہے جنہوں نے تقیہ و کتمان کر کے تسنن کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور تھے کچے رافضی جیسے اعمش اور ابواسحق السیسی وغیرہ۔ مگر ان کی روایتوں، ان کے شیوخ اور ان کے تلامذہ کے حالات پر نظر ڈالی جائے۔ ذرا خالی الذہن ہو کر، تو ان لوگوں کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ محدثین رحمہم اللہ کو حج احادیث کی دھن تھی اگر ان لوگوں کو پھوڑ دیتے تو یہ حمل بےیر ہی نہیں بلکہ حمل اباعیر دفاتر احادیث متفادہ و مخالفہ کہاں سے بیا ہو سکتے۔ یہ ابواسحق، اعمش، منصور اور زبید وغیرہم جو ان میں محدثی اہل الکوفہ کہے جاتے ہیں اور صحاح کی ہر کتاب جن کی روایتوں سے بھری ہے آپ دیکھئے کہ ان کے متعلق مغیرہ، معن اور ابن مبارک جیسے ائمہ حدیث لکھتے ہیں کہ **رَأَوْنَاهُمْ وَأَحَدُهُمْ أَحَدُ أَهْلِ الْكُوفَةِ** اور خاص کر اس کا ذمہ دار ابواسحق اور اعمش ہی کو قرار دیتے ہیں۔ قتادہ بن دعامہ کا ترجمہ دیکھئے تہذیب التہذیب میں قال علی بن المدینی **قُلْتُ لِيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ يَقُولُ إِنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مَسَافِي الْبِدْعَةِ يَدْعُو إِلَيْهَا**۔ قَالَ كَيْفَ تَنْصَعُ بَعْدَ ذَلِكَ، وَابْنُ أَبِي رَوَادٍ وَعُمَرُ بْنُ ذَرٍّ - وَذَكَرَ قَوْمًا - ثُمَّ قَالَ

يُنَجِّيْهِ اِنْ تَرَكْتُ هٰذَا الصُّرْبَ تَرَكْتُ نَاسًا جَحِيْمًا - وَقَالَ مُعْتَمِدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو
 اَلْعَلَاءُ كَانَ قَتَادَةَ وَعَمْرٍو بْنِ شُعَيْبٍ لَا يَغِيْثُ عَلَيْهَا شَيْءٌ يَّا خُذَانَ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ - وَقَالَ جَزِيْرٌ
 عَنْ مَغِيْرَةَ عَنْ الشَّعْبِيِّ قَتَادَةُ حَاطَبٌ اَثَلٌ - غرض یہ عالم تھا جمع احادیث کا موجب صحابہ کے راویوں
 کا یہ عالم ہے بخاری و مسلم کے شیوخ کا یہ حال ہے تو اب غریب حاکم کی اہمیت کیا ثابت فرما رہے ہیں
 نمبر ۱۴۔ جناب کے مقدمات مذکورہ تحریر سابقہ کو میں پہلے تسلیم کر لوں جب قلم اٹھا سکتا ہوں۔ یہ عجیب
 تحکم ہے۔ آپ کے مقدمات مذکورہ میں تحکات بلا بیئتہ کے سراہے کیا، کوئی آپ کا شاگرد یا مرید - ظہر
 بنے سجادہ رشتہ کن گرت ہر مغال گوید۔ کے قاعدہ مسلمہ کے ماتحت مرتلیم خم کر دے تو کر دے۔
 دوسرا شخص جب تک اس کا ایمان نہ قبول کرے کس طرح مان لے گا۔ آپ سنن ابی داؤد کو مرفوعاً
 سے بالکل پاک سمجھتے ہیں حالانکہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری نمبر ۱۹ ص ۲۶ میں سنن ابی داؤد کی ایک
 روایت کو جو مستدرک حاکم میں بھی ہے اور پھر بزار و ابن سعد و ابن جبران نے بھی جس کی روایت
 کہے جو اعمش سے مروی ہے۔ اس کو منکر اور بے اصل لکھا ہے۔ لکھتے ہیں نَعْلُ الْأَعْمَشِ
 أَخَذَ مِنْ غَيْرِ ثَبَاتٍ فَذَلِكَ فَصْلٌ ظَاهِرٌ سَنَدُهُ الصَّحِيحُ وَلَيْسَ لِلْحَدِيثِ عِنْدِي (أَصْلٌ)۔ اس
 سے ابوداؤد و مستدرک اور اعمش سب کی حقیقت کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ ابن حجر کو جزا دے خیر

کہ انہوں نے ایک واریں تیئوں کا کام تمام کر دیا۔

نمبر ۱۵۔ جناب نے اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلث سے بالکل انوکھا استدلال فرمایا
 ہے، اور میرے استدلال کی طرف مطلق توجہ نہیں فرمائی۔ میرا مطلب صاف ہے مسجد بنانے والے کو
 ثواب نمازیوں کے نماز پڑھنے کا بغیر ان نمازیوں کے ارادے اور علم کے خود بخود پہنچتا ہے۔ اسی طرح
 اس نے جو دوسروں کو علم دین سکھایا ہے اور ان شاگردوں سے عوام ہدایت کا فائدہ اٹھا رہے
 ہیں تو وہ تلامذہ اس کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے عوام کی ہدایت نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اپنا فرض
 ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح من سنن سنۃ حسنہ میں بھی ہے کہ کسی کی نکال ہوئی سنت حسنہ پر
 اگر لوگ عمل کر رہے ہیں تو اس نکالنے والے کو خود بخود ثواب پہنچ رہا ہے جیسے من سنن سنۃ
 میں ہے کہ کسی کی بُری سنت پر کوئی عمل کرے تو اس کے کرنے کی وجہ سے بھی اس موجب پر عذاب ہو گا
 مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی سنت سیر پر عمل کرنے والے اس موجب کو عذاب پہنچا رہے ہیں۔

ورنہ اگر من سن سنة حسنة سے ایصالِ ثواب ثابت ہو سکتا ہے تو من سن سنة سيئة سے ایصالِ عذاب بھی ضرور ثابت ہونا چاہیئے۔ میں نے من سن سنة والی سند سے جو صرف نظر کیا تھا تو آپ لکھتے ہیں ”من سن الخ“ تو انتقالِ ثواب کو مراحتہ ثابت کر رہی ہے مگر اس کو آپ صاف اڑا گئے۔ ”تو یہاں اب اُسی اُڑی ہوئی چیز کو حاضر لایا ہوں مگر قبولِ افتد ہے عرو شرف صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کیجئے تو صالحین کے لئے ایصالِ عذاب بھی فرمائیے۔ زنا کو کے، شراب پنی کے اس کا عذاب فرعون و امان کی دُوح کو پہنچایا جائے۔ کسی وجہ منصوص سے، چاہے وہ نفسِ ظنی ہی کیوں نہ ہو کسی کو کسی بات سے ثواب پہنچ جائے یہ اور بات ہے، اور خاص کر کے جب حصر کے ساتھ چند چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا ہو کہ مرنے کے بعد بس انہیں سے نفع پہنچ سکتا ہے اس پر قیاس کو کے بالا ارادہ ثواب پہنچانا جائز ہو جائے یہ عجیب بات ہے۔ کیا پہنچنے اور پہنچانے میں کوئی فرق نہیں ہے؟ کیا بالا ارادہ اور بالا ارادہ دونوں ایک ہی؟ یہ خلاف قیاس باتوں پر قیاس کس اصول سے جائز ہے؟

میں ایسی بحثوں میں فقہی سند لیتا ہی نہیں۔ مگر آپ نے خود مبسوط کی عبارت بدائع سے نقل فرمائی ہے جس میں جائز استحسانا کے بعد آپ خود نقل فرماتے ہیں۔ والقیاس ان لا یجوز ^{۱۹۱} جس کی وجہ بھی آپ ہی نقل فرماتے ہیں بانقطاع عطیہ بالموت باقی رہا یعوض ان یتصدق ^{۱۹۲} عنہ ولج عنہ الخ یہ سب مبنی بر روایت مکذوبہ اہل عجم ہیں۔ اس لئے کہ

”نخست اول چوں نہد عمار کج تاثر بامیر سد دیوار کج“ کے

مصدق ہیں۔ اور پھر آپ کی پیش کردہ حدیث الامن ثلاثہ بھی تو ایصالِ ثواب کے سارے مزموم طُرُق کی صاف صاف تردید کر رہی ہے ورنہ اس حدیث کا حصر ٹوٹ کر رہتا ہے۔

نمبر ۴۔ ابو الحسناء کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”اس کی اور بھی روایات ہیں“ جناب کے صرف اتنا کہہ دینے سے تو ہمیں مان سکتا ہوں کہ کوئی صاحبِ انصاف مان سکتا ہے۔ کوئی روایت تو نقل فرمائی ہوتی۔

مجھ کو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میرا ہر استقراء صحیح ہی ہے مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے اس سے اس حدیث موضوع کے سوا اور کوئی دوسری حدیث مروی نہیں ہے۔

البتہ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی کے علاوہ اور کسی کتاب میں بھی ہو یہ ممکن ہے۔ جیسے مسند علی میں بھی ہے۔ مگر ابوالحسن کا نام اس حدیث کے استاد کے سوا اور کسی حدیث کے سلسلہ اسناد میں نہیں مل سکتا والا فالتوا برہانکم ان کنتمہ صدقین۔

نمبر ۴۔ میں پھر کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی محدث شریک بن عبد اللہ الکوفی کی روایت بخاری کی کسی حدیث کے سلسلہ اسناد میں نہیں دکھا سکتا، اور امام مالکؒ نے اس شریک کو فی سہ ہرگز ہرگز کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

جناب مجھے کہتے ہیں کہ ”معلوم آپ نے حدیث کن لوگوں سے پڑھی ہے جو ایسی باتیں قلم سے نکل رہیں ہیں“ دیکھیے اپنا نمبر ۱۶ اس طرح آپ نے مجھ کو بھی جاہل قرار دیا اور میرے اساتذہ رحمہم اللہ کو بھی۔ مگر میں یہ ادب اگر صرف یہ پوچھوں کہ جناب نے کس طرح حدیث پڑھی ہے حدیثوں کے راویوں کو بھی نہیں پہچانتے؟ جو صحیح بخاری کے راویوں کو امام مالک کے راویوں کو اتنی رد و کد اور میرے بابر اصرار پر بھی نہ پہچان سکے، اس کو میں کیونکر سمجھوں کہ وہ علم حدیث سے باخبر ہے میں نے جو یہ لکھا کہ جناب محترم نے کوفہ و مدینہ کا فرق بھی محسوس نہیں فرمایا، ”تو آپ نے ”فرق“ کو ”فاصلہ“ کے معنی میں لے کر جواب میں لکھ دیا کہ ”کوفہ سے لوگ حج و زیارت کے لئے مدینہ کو بھی جاتے تھے اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ کی ملاقات امام ابو حنیفہؒ سے ہوئی، یونہی شریک سے بھی ہوگئی ہوگی“ مولانا میں نے فاصلہ نہیں لکھا تھا فرق لکھا تھا یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ شریک بن عبد اللہؒ دُعا تھے۔ ایک کوفی، جو نجفی اور قاضی تھے جن کی ولادت ۹۰ھ میں اور وفات ۱۷۰ھ میں تھی۔ ان کو منسوب بتشیع مفرطاً، غالی المذہب، سیئ الحفظ، کثیر الوہم، مشہور بالتدلیس صاحب التخلیط، ادلیس بالمیتن ولیس بالقوی وغیرہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے اور انہیں سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث مروی ہے۔

اور دوسرے شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر القزحی المدنی تھے جن کی وفات

۱۳۳ھ میں ہوئی تھی یعنی شریک کوفی سے ۲۳ برس پہلے۔ امام مالکؒ نے انہیں سے روایت کی ہے اور بخاری میں بھی حدیثوں کے سلسلہ اسناد میں انہیں کا نام آیا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک معمولی راوی ہیں مگر اس شریک کوفی شیعہ سے متقدم ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

اس لئے امام مالکؒ نے ان کی حدیث لے لی۔ جناب نے بخاری کے ابواب لکھے اور صفحوں کی تعداد بھی لکھی مگر خود یہ نہیں ملاحظہ فرمایا کہ راوی بخاری شریک کی ولدیت بخاری میں کیا لکھی ہوئی ہے۔ اسی تفریق کے لئے ترمذی دو دنوں کے ناموں میں فرق کر دیتے ہیں یعنی باوجود اس کے کہ دونوں ابن عبد اللہ ہیں، مگر شریک مدنی کو شریک بن ابی نضر حدیث لکھا کرتے ہیں۔ بخاری میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔ اکثر جگہ شریک بن ابی نضر تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ ورنہ اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے ہم عصروں سے روایت ہے تو اس سے بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کون شریک صاحب میں شریک اعظم ہیں یا شریک خورد۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۷ یا ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں ہے (اسی قبیل کے بعض اور بھی اقوال ہیں) اور شریک خورد کوئی شیعی کی پیدائش ۳۹ھ میں ہے۔ انہوں نے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صورت تک نہیں دیکھی ہوگی ان سے روایت کیا کریں گے۔ محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری نے بعض تعلیقات میں شریک کوئی کا ذکر بھی کیا ہے مگر میری نظر میں جو تعلیقات ہیں وہاں صرف ”شریک“ کا لفظ ہے، اور کوئی دلیل قطعی ایسی نہیں کہ وہاں پر شریک کوئی ہی کو مراد سمجھا جائے۔ مشغلہ تدریس پھوڑے ہوئے تین برس کے لگ بھگ ہو گئے ممکن ہے کسی تعلیق میں کوئی یا نجفی یا قاضی کا تصریح ہو یا ایسی کوئی اور دلیل ہو جس سے کسی تعلیق میں شریک کوئی کا نام آگیا ہو۔ تو میں اس کا اعتراف خود شروع سے کرتا رہا ہوں یقین ہے کہ اتنی تصریح کے بعد آنحضرت اب یہ نہ فرمائیں گے کہ شریک بن عبد اللہ الکوفی کی روایت بخاری میں ہے اور امام مالک نے اس سے روایت کی ہے اور اس دہم کی وجہ سے حدیث علی رضی اللہ عنہ کو جو اہمیت خواہ مخواہ دے رہے تھے اس کا پھر اعادہ نہیں فرمائیں گے۔

نمبر ۴۔ اس سلسلہ بحث میں ابوالحسناء کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کی روایت نسائی میں ہے جس پر مولانا فیری سلمہ نے تعاقب کیا۔ مگر آپ اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے اور خاموش ہو گئے۔
 ب۔ پھر ابوالحسناء کے بارے میں لکھا ہے کہ اس حدیث علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور بھی روایتیں اس سے ہیں، مگر کوئی ثبوت پیش نہیں فرمایا، اور نہ انشاء اللہ آپ کہیں اس کی کوئی اور حدیث دکھایں گے۔
 ج۔ جناب نے انکار فرمایا کہ سنۃ ابیکم ابراہیمہ والی حدیث صحاح میں نہیں ہے۔ حالانکہ ابن ماجہ میں موجود ہے جس کو آپ خود صحاح میں لکھ چکے ہیں۔ دو ایک موضوع حدیث جن پر محدثین کا نشان ہے ان کے سوا القدر اس کی سب حدیثوں کو آپ صریح مان چکے ہیں اور اس حدیث پر

محدثین نے موضوع ہونے کا نشان نہیں لگایا ہے۔ اس لئے اس کے صحیح ہونے کا آپ کو اعتراف کرنا چاہیے تھا۔

د۔ جناب نے شریک کوئی کو امام مالک کا شیخ بنایا۔ مگر اس کی کوئی سند نہیں پیش کی حالانکہ امام مالک کے شیخ جو تھے وہ شریک مدنی تھے۔

ک۔ جناب نے شریک کوئی کی روایتیں صحیح بخاری میں بزم خود پیش فرمائیں حالانکہ وہ سب شریک مدنی کی روایتیں ہیں۔

نمبر ۴۔ آخر میں عرض ہے کہ یہ میری آخری طویل تحریر ہے اسی کے بعد اگر آپ کچھ تحریر فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت مختصر جواباً عرض کروں گا اگر ضرورت سمجھوں گا۔ ورنہ جناب کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کف بنان کروں گا۔

نمبر ۳۔ آخر میں پھر یہ ادب عرض ہے کہ سبقت قلم سے سنی گسترانہ جملے جو قلم سے نکل گئے ہیں ان کو آپ معاف فرمائیں اور میرے آپ کے درمیان جو رشتہ محبت ہے اس کو ٹوٹنے نہ دیں گے اور آئندہ خاطر خاطر بد و بدبار طلال نہ آتے دیں گے۔ باللہ العظیم مجھ کو آپ سے محبت ہے، اور میں آپ سے محبت رکھنا چاہتا ہوں۔

نمبر ۲۔ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ اصولی بحث تحریر سے طے نہیں ہوتی۔ تو کیا تقریر سے طے ہو جائے گی؟ شاید آپ کی مراد ہو کہ نہ تحریر نہ تقریر، بلکہ شمشیر سے طے ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سے ایک فریق طے ہو سکتا ہے مگر بحث طے نہیں ہوتی بلکہ بحث اور بڑھ جاتا ہے۔ مولانا! بحث اگر اللہ کے لئے ہو تو تحریر سے بھی طے ہو سکتی ہے اور تقریر سے بھی۔ اور اگر ایجاد اجداد کے لئے ہے تو دنیا میں کبھی طے نہیں ہو سکتی۔ بس قیامت ہی کے دن طے ہو گا۔ البتہ تحریری بحث دوسروں کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور ایک پائیدار یاد گار لی جاتی ہے اور کسی فریق کو کچھ کہہ کر ٹکرنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے میں زبانی باتیں نہیں کرتا۔ فردعی بحث ہو یا اصولی جو کچھ ہو تحریر ہی ہو۔ طریق اسلم و اسلم ہے۔ والسلام مع الاکوام وانا وصیفکم القعیف تمنا العادی غفرلہ۔

مکتوب نمبر ۱۴ مکرئی! مولانا تمنا عادی صاحب! سلام مسنون۔

گرمی نامہ بصورت کتاب موصول ہوا۔ افسوس ہے کہ آپ میں اور مجھ میں اصولی اختلاف ہے۔ پھر تحریر میں تلخی بھی آنے لگی ہے اس لئے سلسلہ مکاتبت کو اس شعور پر ختم کرتا ہوں۔
گفتگو آئین درویشی نہ بود در نہ باتو ماجرا دادا شتیم
لکم دینکم ولی دین۔ والسلام۔

عفرا احمد عثمانی عفا عنہ

۱-۳-۵۲

مکتوب نمبر ۱۵

باسمہ تعالیٰ

مولانا المکرم داخان المحترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ ابتر (اس لئے کہ اس کی ابتداء بسم اللہ سے نہیں) ایک مختصر تر پُرزے پر ملا اور حسب توقع ملا۔ یعنی اس کے سوا میرے معروضہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا آپ کے پاس جواب ہی کیا تھا۔
جناب نے تحریر فرمایا ہے۔

گفتگو آئین درویشی نہ بود
اس کے جواب میں تین شعور رجستہ قلم سے نکل گئے، جو حسب ذیل ہیں۔
پیش ازین با بحث خواہداشتی
اسے کہ با من گفتگو نا داشتی
ابتداء گفتگو کہ دی تو خود
وین بساط گستردی تو خود

پہوں بحال گفتگو باقی نہاند

گفتگو آئین درویشی نہاند

۱۹۵۴ء

خاتمہ تحریر پر ردہ ابتر اس آیت کریمہ پر آپ نے کہا ہے ”لکم دینکم ولی دین“ مگر امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر لکھنے کے بعد کیا لکھا ہے۔ غالباً جناب کو اس کی خبر نہیں۔ امام ممدوح رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ جرت عادة الناس بان یتمثلوا
هذا الایة عند المتاركة وذلت غیر جائز۔ لانه تعالیٰ ما انزل القرآن لیتمثل به

لکم دینکم لکھنا جائز نہیں۔

۱۹۹ھ

بلے لیتد برفیہ شد یعمل بموجبه ۔

بہر حال میں آپ کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ نکم ما وجدتم علیہ اباہ کم ولحہ ما جاء

بہ نبینا الامین من عند رب العلمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ ازواجہ و صحبہ اجمعین

وبارک وسلم علیہ وعلیہم اسے یومہ الدین

مراسلات کا سلسلہ تو بفضلہ تعالیٰ وبتوفیقہ جس طرح ختم ہونا چاہیئے تھا اس طرح باحسن وجوہ
ختم ہو گیا۔ الحمد للہ مگر ایک بات رہ گئی اس لئے یہ تسمیہ کیوں لگا رہ جائے۔ یہ خیال کر کے اس کو
بھی عرض کر دیتا ہی مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جناب نے اپنے مراسلہ مورخہ جنوری ۱۳۵۲ء مطابق
جمادی الاول ۱۳۵۲ھ میں فردوق کا مشہور شعر تحریر فرمایا ہے۔ علمائے دیوبند و تھانہ بھون کا ذکر فرماتے

ہوئے کہ ۲۰

اولئک ابائی فحننی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریہ المجمع

آپ کے مراسلے کو پڑھ کر ایک قطع میرے ذہن میں بھی آ گیا تھا جس کو اس وقت آپ کے پاس
بھیجنا مناسب نہ تھا آج بھیج رہا ہوں۔

(۱)

ص ۲۰

أَلَا أَيُّهَا الْفَخِيرُ كُنْتَ بِفَاخِرٍ ۖ يَفْخَرُ مَوْلَايَاكَ الَّذِينَ تَصَدَّقُوا

(۲)

وَأَنْتَ بَابِنِ الَّذِينَ عَدَدْتَهُمْ ۖ فَهَلَا عَلَى آبَائِكَ الصِّدْقُ تَقْنَمُ

(۳)

وَرِثَتْ مِنَ الرِّغَارِ فخرًا كَلَالَةً ۖ فَتَفْخَرُ مِنْ ذَاكَ الثَّرَاثِ وَتَحْمِيْعُ

(१)

وَأَنْ مِّنْ شَيْءٍ الْقَوْمَ آبَاءُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : فَأَقَالُ الْفَخْرَ عَنِ الْفَاحِشِينَ قَنَازِحَ

(A)

فَلَوْلَا مِنَ الْأَسْلَافِ خَطْفَتُ نَسَبِهِ : عَلَى نَسَبِهِ الْأَخْلَاقُ لَمَّا تَجَشَّعُ

(4)

وَأَن لَّكَ آيَاتٌ شَدِيدَةٌ فَجِئْنِي بِهِنَّ

اصحاب عهد و حدی جمیعاً فاجتمع

آخر تحریر میں گستاخوں کی معافی مانگتا ہوں۔ میں نے پہل نہیں کی ہے۔ (ابتدا جناب ہی کی طرف سے)

ہوتی رہی۔ بہر حال میں تمنائی کا طالب ہوں۔ حج والعزہ عند کرام الناس مقبول

النفير الى الله تمت العبادى غفره - يوم ١٠ رجب ١٣٩٢ هـ

ضمیمہ

نوٹ: کتاب میں جن مقامات پر یہ نشان ”ھـ“ دیا ہوا ہے اس کا مطلب اس ضمیمہ میں دیکھا جائے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱	۵۴	۲۳	(فارسی شعر) و دراز جس کو میں نے ساہا سال تک اپنے دل و جان میں پوشیدہ رکھا تھا وہ میری آنکھوں سے دو قطرے کے گرنے نے طشت از بام کر دیا۔
۲	۵۵	۲۰	دیکھئے صفحہ ۱۶ سطر ۲۱ (تقریباً ۱۶۶۶)
۳	۵۸	۵	حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی مرحومہ والدہ کے لئے صدقہ کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے اپنی مرحومہ والدہ کے صدقہ کے لئے کتواں کھدوایا۔
۴	۶۱	۱۷	میری امت میں ان لوگوں کی طرف سے جو قربانی نہ کر سکیں۔
۵	۶۳	۱۴	اس کے ہر بال کے بدلے نیکی کا ثواب ہے۔
۶	۶۴	۱۰	وہ زمانہ جن کے اچھا ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے۔ ان زمانوں کے مسلمانوں کا عمل یعنی عہد نبویؐ، عہد صحابہؓ اور عہد تابعین (زمانہ حیات نبویؐ، صحابہ کرام کا زمانہ اور صحابہؓ کے شاگرد تابعین کا زمانہ)
۷	۶۶	۱	ہر بال کے بدلے نیکی۔
۸	۶۸	۱۴	ان کی حدیث کی سند نہیں لی جائے گی۔
۹	۶۸	۱۱	حدیثوں کو نقل کرتے ہوئے وہم میں مبتلا ہو کر بہت غلطیاں کرتے تھے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (تیسرا) اردو ترجمہ و تشریح
			حضرت علیؑ سے تنہا ایسی چیزیں روایت کیا کرتے ہیں جو ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں کی حدیثوں سے مشابہت نہیں رکھتیں اسی وجہ سے یہ ان لوگوں میں شمار کئے گئے ہیں جن کی سند نہیں لی جاسکتی۔
۱۰	۶۸	۱۶	محدثین کے نزدیک یہ مستین آدمی نہیں ہیں۔
۱۱	۶۸	۱۷	اعتبار سے ساقط ہیں۔ کنارے پھینکے ہوئے ہیں۔
۱۲	۷۱	۱	یہ ایک غریب قسم کی حدیث ہے۔ جسے ہم شریک کی حدیث کے سوا اور کسی حیثیت سے نہیں جانتے۔
۱۳	۷۵	۱۳	مردہ کی طرف سے قربانی۔
۱۴	۷۵	۶	(فارسی شعر) پس ہر وہ بات جس کو تم خود پسند نہیں کرتے دو سروں کیلئے بھی پسند نہ کرو۔
۱۵	۷۶	۷	(عربی شعر) جتنا حصہ صاف ہے وہ لے لو اور جتنا حصہ گدلا ہے اسے چھوڑ دو۔
۱۶	۷۶	۱۶	مردوں کی طرف سے مالی صدقات۔
۱۷	۷۶	۱۹	بھلائی کے حریص
۱۸	۷۶	۲۰	(عربی) سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگو! تم اپنے سے پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح کی حرکتیں کرو گے اور فرمایا کہ بنی اسرائیل ٹھیک حالت میں رہے یہاں تک کہ ان میں قیدیوں (لونڈی غلاموں) کی اولاد کی کثرت ہوگئی۔ جنہوں نے موجود پر غیر موجود کو قیام کرتا شروع کر دیا اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوئے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔
۱۹	۷۷	۱	(عربی) عہد صحابہؓ اور تابعینؒ کو جن کے زمانہ کی تعریف کی گئی ہے، انہیں میں رکھ کر۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۲۰	۷۷	۳	(عربی) دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔
۲۱	۷۷	۵	بدعت کی طرف پہنچانے والی۔
۲۲	۷۷	۹	اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے۔
۲۳	۷۷	۱۰	(عربی) وہ ایک جماعت تھی جو گنہگار تھی۔ انھیں اپنے کئے کی جو رائے تھی اور تمہیں اپنے کئے کی۔ اور تم سے ان کے افعال کے متعلق پوچھا بھی نہیں جائے گا۔ (قرآن ۲/۱۳۰)
۲۴	۷۷	۲۱	(عربی) اے وہ لوگو جو ایمان لائے، تم اپنی فکر کرو، اگر تم صحیح راہ پر چلے تو دوسرے کا غلط راستہ پر چلنا تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا (القرآن ۲/۱۳۰) میں تو اپنی استطاعت کے مطابق اصلاح کے لئے کوشاں ہوں اور یہ تو فتنہ بھی مجھے اللہ ہی نے عطا فرمائی ہے۔ (القرآن ۲/۱۳۱)
۲۵	۷۸	۱۲	(عربی) (بھلائی کے کام میں سبقت لے جانے والے) شروع میں کافی لوگ ہوں گے اور بعد میں تھوڑے لوگ ہوں گے (القرآن ۲/۱۳۱-۱۳۲)
۲۶	۷۸	۱۳	اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ (القرآن ۲/۱۳۲)
۲۷	۷۸	۷	(فارسی شعر) قیامت کے دن تم سے جو کچھ سختی کے ساتھ پوچھا جائے گا وہ ہم اب آپ سے ادب کے ساتھ پوچھ رہے ہیں۔
۲۸	۷۸	۱۷	(عربی) وہ چیز جس پر میں (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔
۲۹	۷۹	۶	(عربی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (القرآن ۲/۱۳۳)
۳۰	۷۹	۷	اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں پر نازل ہوا ہے اس کی آپ تشریح کر دیں۔ (القرآن ۲/۱۳۳)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۳۱	۸۰	۳	(عربی) کئی سندوں سے کوئی بات آئی ہو تو فوہ ہر سند میں کمزوری ہو، مگر بحیثیت مجموعی اسے صحیح سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر سند تو کمزور ہو لیکن اس روایت کی بنیاد پر کسی صحابی یا مجتہد نے فتویٰ دیا ہو تب بھی ضعیف روایت مستند سمجھی جائے گی۔
۳۲	۸۰	۷	(عربی) ایک ابن عباسؓ کی حدیث جس میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے (حج کے علاوہ بھی) دوسری وہ حدیث جس میں تین بار سرائے کی سرائے کے بعد جو تھی مرتبہ خلاف درزی کو نے پیر قتل کر دینے کا حکم ہے۔
۳۳	۸۰	۱۳	(عربی) اصول حدیث کی کتاب تدریب الراوی مؤلف علامہ سیوطی کے حوالے سے وہ عربی عبارت بھی ہے جس کا خلاصہ اس عبارت سے اوپر کی سطر میں خود مولانا عثمانی نے دیدیا ہے۔
۳۴	۸۰	۱۷	(عربی) یہاں بھی محدث منذری کی کتاب الترغیب والترہیب کے مقدمہ سے اور علامہ شوکانی کی نیل الاوطار سے اپنے خلاصہ کی تائید میں عبارت نقل کی ہے۔
۳۵	۸۱	۷۱	(عربی) یہاں بھی تدریب الراوی نسائی کی شرح زہر الربی اور ابن حجر کے حوالے سے اپنے اوپر والے جملے کی تائید میں عبارتیں دی گئی ہیں۔
۳۶	۸۲	۱۷	(عربی) یا رسولؐ قربانی کیا ہے؟ فرمایا تمہارے جدا مجددا ایمانیم کی سنت ہے۔
۳۷	۸۶	۶	(عربی) اور اس کا کوئی بھی فتائل نہیں ہے۔
۳۸	۸۶	۹	(عربی) جب آدمی مر جائے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین صورتوں کے۔ (۱) یا تو اس نے زندگی میں ایسا عمل کیا ہو جس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی جاری رہے یعنی صدقہ جاریہ۔ (۲) یا اس نے علم کی نشر و اشاعت کی ہو تو اس سے استفادہ کرنے والوں کو اس علم کی وجہ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			نیک طام کی جو توفیق ہوگی اس کے اجر میں یہ بھی شریک رہے گا۔
			(۳) یا مرنے والے کی تربیت سے صالح اولاد اس کے لئے جو دعا کریگی اس سے اس کو فائدہ ہوگا۔
۳۹	۸۸	۱	(عربی) جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے۔
۴۰	۸۸	۵	(عربی) کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے روزے رکھے اور اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو تم اس کی طرف سے کوئی صدقہ دو یا قربانی کرو۔
			یہ روایت مصنف عبد الرزاق میں ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے جبکہ زیلعی نے نصب الراية میں لکھا ہے۔ تیز بجیۃ النفوس شرح مختصر بخاری میں بھی ہے۔
۴۱	۹۱	۵	جس راہ پر میرے اکابر بزرگ ہیں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی راہ ہی سمجھتا رہا۔
۴۲	۹۱	۸	جس راہ پر میرے اکابر تھے اور جس راہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تھے ان دونوں کے درمیان جو طویل فاصلہ تھا اور ہے۔
۴۳	۹۱	۱۸	بزرگوں کی ایجاد کی ہوئی اور گھڑی ہوئی ہیں اور ہر فرقہ اپنی اپنی چیزوں میں مست ہے۔
۴۴	۹۱	۲۱	اللہ کی راہ میں ٹیڑھ پیدا کرنا۔
۴۵	۹۲	۱۸ تا ۲۱	اس آیت کی فارسی تفسیر کا ترجمہ
			اے وہ کہ جس کا کہنا یہ ہے کہ رسول کو صرف بلغ (پہنچانے) کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ اس چیز کو جو اس سے نازل ہے نہ مانے تو نہ کہیں حدیث نہ کہیں کہ قرآن کریم نے رسول کے لئے صرف پہنچانا لازم کیا ہے بحکم "ما ان علیک الا البلاغ" (پہنچاؤ) تہذا کام تو تشریح پہنچا دینا ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ ان آیات کی طرف بھی توجہ فرمائیں جن میں "بلغ" کے ساتھ لفظ "بین" کا بھی ذکر ہے یعنی "ما علی الرسول الا البلاغ المبین" (پہنچاؤ) جس کا مطلب یہ ہے کہ پہنچا دینا تو رسول پر فرض ہے ہی اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ وہ اس کو وضاحت کے ساتھ پہنچائے۔

ہوئی ہے لوگوں تک پہنچا دیتا ہے تو بس وہ اپنے فرائض سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ وہ نظر اٹھائے اور ان دوسری آیات کا بھی مطالعہ کرے جن میں بلاغ پہنچانے کو لفظ مبین (وضاحت) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر پہنچانے کا فرائض وضاحت کے ساتھ نہ ہو تو ایسا پہنچانا بیکار ہے جس طرح اگر جبریل کی بتی (گُل) روشن نہ ہو تو وہ مٹی (گُل) کی طرح بیکار ہے بغیر بیان (وضاحت) کے بلاغ مبین (وضاحت سے پہنچا دینے) کا فرائض ادا نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وضاحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے۔ ایسا بلاغ جو لوگوں کے ذہن میں ہوگا وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہی ہو سکتا ہے۔ اگر آپ اس کے معنی کو آشکارہ نہ کریں تو صرف الفاظ کے پہنچانے سے کیا فائدہ؟ یہ بھی یاد رکھو کہ جو وحی نازل ہوتی ہے وہ بیان ہوتی ہے۔ اور بیان مصطفیٰ سے داخل قرآن ہوتی ہے۔ اگر اس کے اصلی معنی آشکارہ نہ ہوں تو خالی اس پیغام کے پہنچانے (بلاغ) سے کیا فائدہ؟۔ اور اگر کوئی معیار نہ ہو اور شخص اپنی عقل کے مطابق سمجھنا چاہے تو حقیقت تک رسائی مشکل ہو جائے کیونکہ ہر شخص اپنی عقل کے مطابق ہی سمجھتا ہے۔ اغراض عقل کو گونا گونا گونا گوں اور ہر اکرتد ہیں اس لئے کہ عقل کو ہوس سے مفر ممکن ہی نہیں۔ جب ہوس عقل پر غالب آجاتی ہے تو درود قبول خواہشات کے طالع ہو جاتے ہیں۔ تم عقول میں سیکڑوں فرق دیکھو گے جو رد و قبول میں مختلف ہوں گے۔ لہذا جب ان کی عقل ہی ان کا آئین بن جائے گی تو دراصل ان کا دین بھی ان کی عقل خاں کا تراشیدہ ہی ہوگا۔ چنانچہ یہ شارعقول کے حسب تعدد ایک کتاب سے ہزاروں دین پیدا ہو جائیں گے بلکہ صبح و شام ہر شخص کے لئے ایک نیا دین وجود میں آتا رہے گا۔ اے (اپنی عقل اور رائے پر ناتر کرنے والے اپنے پیروں پر سرکشی کا آرا نہ چلا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کتاب کی تعلیم کے واسطے تھی اور ان کی تعلیم کے بغیر کتاب سے استفادہ گمراہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرمانے کے لئے آئے تھے ان کی تلقین کے بغیر ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ فہم پیغمبر معیاری ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس پر تشریح کے دروازے کھول دیتا ہے۔ رسول کو جو فہم حاصل ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کے سمجھانے سے ہی حاصل ہوتا ہے اس کا سارا علم تعلیم الہی ہی سے وجود میں آتا ہے۔ اگر رب قدیر کے مقصد کو سمجھنا تو فہم پیغمبر کو اس کی تعلیمات سے سمجھو۔ اس راستہ کو رہبر کے بغیر طے نہیں کرنا چاہیے۔

اور کسی جگہ پیغمبر کی ضرورت سے فارغ نہیں رہنا چاہیے پیغمبر کے اسوہ پر نظر ڈالو کتاب کی تعلیمات اسی میں ملیں گی۔ ایسی قرآن (قرآن کے معنی) اسی محل (اسوہ رسول) میں نہاں ہے۔ پیغمبر کا اسوہ شرح مفسر آن روح دین اور جانِ آسمان ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں پیغمبر بھیجتا ہے تاکہ مخلوق خدا کو سود و زیاں سے آگاہی بخشنے پیغمبر حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے اس لئے کسی دوسرے کی بات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وحی کو بھیجنے والا رسول سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ ان کی سنت کتاب کے علاوہ نہیں ہوتی جس طرح پھول کی خوشبو کو پھول سے جدا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ رسول کا قول و فعل قرآن میں کی شرح اور عین دین ہوتا ہے۔ ان کے قول (وحی) و فعل (اسوہ) دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اور نبی کے قول و فعل دونوں راستہ چلنے والوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے ہیں۔ تعلیم دین کس سلسلہ میں رسول کے قول و فعل رسول العالمین کی تعلیم سے سمجھتے ہیں لہذا تعلیم رب اقوال رب کیسے مختلف ہو سکتی ہے؟ البتہ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۴۶	۹۴	۴	یہ اصول فقہ کی اصطلاح ہے۔ عبارة النقص کے لفظی معنی ہیں "نقص کی وضاحت" مفہوم یہ ہے کہ کسی لفظ کا وہ مفہوم جو بغیر غور و فکر اور تامل کے فوراً سمجھ میں آئے۔ اور یہی مفہوم اس عبارت کا مقصد ہو۔ مثلاً سورہ نسا، کی یہ آیت ملاحظہ ہو "تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں۔ دو سے، تین سے، چار سے۔ اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو۔" (القرآن مجید) اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ نکاح کرنے کا۔ دو سے چار تک عورتوں سے۔ اور بے انصافی کے خدشے کی صورت میں صرف ایک سے۔ یہاں نکاح کا تذکرہ تو ضمنی ہے ورنہ اصل میں دو اور تین کا تذکرہ کرنا مقصود ہے اس اصل مقصد کو عبارة النقص کہتے ہیں۔
			اقتضار النقص کے لفظی معنی ہیں وہ معنی جس کا عبارت تقاضہ کر رہی ہو اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی عبارت کا اپنے الفاظ کے لغوی معنی سے زائد کسی ایسے معنی کا بتانا جس پر کلام کی صحت موقوف ہو۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ داسئل القریۃ السقی کثافہا۔ (القرآن مجید)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تفسیر
			حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ آپ کو اگر ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو "ہم جس بستی میں تھے اس بستی سے پوچھ لیجئے؟ ظاہر ہے یہ پوچھ گچھ اور گفتگو انسان سے ہو سکتی ہے نہ کہ درودِ یوار سے۔ اس لئے دراصل مطلب یہ ہے کہ اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے پہلا ہمارا قیام تھا۔ چونکہ اگرچہ عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، لیکن بغیر اس کے عبارت کا مفہوم ہی نہیں بنتا۔ یہ مفہوم لیسناس اس عبارت کا اقتضا ہے۔
۴۷	۹۴	۵	ارشادِ نبویؐ ہے کہ جو بات قرآن کریم کے خلاف ہو اسے رد کر دو۔
۴۸	۹۵	۹	غنّے لے یعنی عن فلاں عن فلاں، فلاں اس سے روایت کرتا ہے اور وہ فلاں ہے۔
۴۹	۹۵	۱۰	"جو رسول تم کو عطا کرے" اس پر تو سب کا ایمان ہے لیکن.....
			عثمان بن ابی شیبہ کوئی جو قرآن میں تحریف کرتا تھا، وہ چونکہ بخاری کا راوی اس لئے جو کچھ وہ کہے اس پر بھی ایمان لاؤ۔ یہ میں نہیں مان سکتا۔
۵۰	۹۶	۸	یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے اسی طرح نکلی تھی۔
۵۱	۹۶	۱۳	یہ آیت اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔
۵۲	۹۶	۱۸	باطل (کمی بیشی یا ادھر سے ادھر ہونا) قرآن مجید میں نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ (القرآن ۲۱/۲۲)
۵۳	۹۸	۸	(فارسی شعر) وہ لوگ جو اس راہ سے واقف ہیں وہ قاتل اور واقف کو خاطر میں کب لائیں گے۔ (قاتل اور واقف فارسی کے مشہور شعر ہیں)
			کیونکہ وہ خود ان حالات سے واقف ہے۔
۵۴	۹۸	۱۳	(عربی) اور ہم نے تمہیں یہ کیا اسے، بڑے ذبیحہ کا۔
۵۵	۹۸	۲۲	(عربی) تمہارے جد امجد ابراہیمؑ کی سنت ہے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۵۶	۱۰۰	۱	حدیث کو تلاوت نہ کی جانے والی وحی جو قرآن کے ساتھ قرآن کے مثل ہے۔
۵۷	۱۰۰	۸	ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے (القرآن ۲۲۱)
۵۸	۱۰۱	۱	(عربی) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں (القرآن ۲۲۱)
۵۹	۱۰۱	۲	(عربی) اے میرے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل فرمائیں۔
۶۰	۱۰۱	۳	(عربی) (۱) جب دونوں علماء حکم الہی کے سامنے جھک گئے۔
۶۱	۱۰۱		(ب) اور ابراہیمؑ نے اسمعیلؑ کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔
۶۲	۱۰۱	۶	(۱) تم نے خواب کی عملاً تصدیق کر دی۔
۶۳	۱۰۱		(ب) اور ہم نے اسے فدیہ کیا۔
۶۴	۱۰۱	۱۶	(عربی) اسے بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ (یہ جملہ فتویٰ پوچھنے کے بعد آخر میں لکھا جاتا ہے۔)
۶۵	۱۰۱	۲۰	(عربی) جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس مقتول کے سامان کا وہی مالک ہے۔
۶۶	۱۰۲	۱	(عربی) مسلمان، یہودی، عیسائی جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔ (القرآن ۲۶۱)
۶۷	۱۰۲	۲	(عربی) جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا سچا اقرار کیا تو وہ جنت میں داخل ہوا۔
۶۸	۱۰۲	۶	(۱) میرے صحابہ میں سے جس نے قربانی نہ کی ہو۔
۶۹	۱۰۲	۱۳	(۲) قربانی نہ کرنے والا۔
۷۰	۱۰۲	۱۸	(۳) جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی میری امت میں سے کسی نے۔
۷۱	۱۰۵	۲۰	(۴) یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہؓ بن سہیل سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مدینہ میں ہم اپنی ہونے والی قربانی کو کھلا کھلا کر ہوتا کیا کرتے تھے اور باقی مسلمان بھی اپنی اپنی قربانیوں کو کھلا کھلا کر مونٹا کیا کرتے تھے۔
۷۲	۱۰۵	۲۲	(عربی) جو شخص اپنی قربانی نماز عید سے قبل ذبح کرتا ہے وہ دراصل اپنے لئے

مکر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۷۳	۱۰۶	۳	ذبح کرتا ہے اور جو نماز عید کے بعد اپنی قربانی ذبح کرتا ہے وہ صحیح معنوں میں قربانی کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔
۷۴	۱۰۶	۵	باب اس شخص کے بیان میں جو دوسرے کی قربانی کا جانور ذبح کرے جیسا کہ ایک شخص نے قربانی کے جانور کو ذبح کرنے میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی مدد کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کریں۔
۷۵	۱۰۶	۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ جس کا قربانی کی صلاحیت رکھنے کے باوجود قربانی کرنے کا ارادہ نہ ہو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔
۷۶	۱۰۶	۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا۔
۷۷	۱۰۶	۲۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے قربانی کرنے کی مجھے وصیت کی۔ ہمارے لئے بس وہی کافی ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔
۷۸	۱۰۸	۷	(القرآن ۵۰)
۷۹	۱۰۸	۱۲	کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔ جس پر ہمارے آباؤ اجداد تھے اس میں اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ تھے اس میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔
۸۰	۱۰۸	۶	دیکھئے صفحہ ۶۶ کی سطر ۵ (ضمیمہ نمبر شمار ۶)
۸۱	۱۰۸	۱۳	دیکھئے صفحہ ۶۶ کی سطر ۱ (ضمیمہ نمبر شمار ۷)
۸۲	۱۰۸	۲۰	اللہ صرف متقیوں کی دعا قبول کرتا ہے۔
۸۳	۱۰۹	۲	جو قرآن مجید کے خلاف حدیث ہو اسے رد کر دو (قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
۸۴	۱۰۹	۸	تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ (حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
۸۵	۱۱۰	۱۸	اللہ کو نیکو اتقویٰ پہنچتا ہے (القرآن ۲۲) اور اللہ تعالیٰ متقین کے اعمال ہی قبول کرتا ہے (القرآن ۲۴)
۸۶	۱۱۱	۱۹	یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۸۵	۱۱۲	۲	جو شخص بھی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ (القرآن) (پاک)
۸۶	۱۱۲	۵	دیکھئے صفحہ ۸۶ سطر ۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۳۸)
۸۷	۱۱۲	۱۳	اس میت کے جس کے عمل کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔
۸۸	۱۱۳	۷	حاکم ابو عبد اللہ حافظ حدیث ہیں، بہت سی تصانیف والے ہیں، امام ہیں پتھے ہیں، لیکن اپنی کتاب "مسند رک" میں گری پرڑی احادیث کو اکثر صحیح قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے تو ہیں جن کو اس بات کی پہچان نہ ہو۔ لیکن اگر وہ جانتے بوجھتے یہ حرکت کرتے ہیں تو یہ حرکت اور بھی زبردست خیانت ہے۔ پھر وہ مشہور شیعہ بھی ہیں۔
۸۹	۱۱۳	۱۰	صدیق اکبرؓ و فاروقؓ اعظمؓ (شیخین) پر وہ تبرا نہیں کرتے۔
۹۰	۱۱۳	۱۴	ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری سے ابو عبد اللہ حاکم کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ فن حدیث میں اگرچہ امامت کا درجہ رکھتا ہے مگر ہے رافضی خبیث۔
۹۱	۱۱۳	۱۵	میں کہتا ہوں کہ اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے۔ حاکم رافضی نہیں ہے بلکہ شیعہ ہے۔
۹۲	۱۱۳	۲۴، ۲۵	اپنی ذات سے پتھے ہیں، حافظ ہیں، وسعت ہے اور طالب حدیث میں بڑے سفر کئے ہیں۔
۹۳	۱۱۵	۲۶	محمد بن طاہر بن علی حافظ الحدیث ہیں، عالم ہیں، علم کی تلاش میں ملک ملک پھرے ہیں۔ سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے مشہور حنفی فقیہ ابو الحسن کمرخی سے ابن طاہر کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ کثرہ ارض پر ان کی نظیر نہیں تھی اور ابو ذکریا بن منذر نے کہا کہ ابن طاہر حافظ حدیث میں سے ایک تھے۔ بہترین عقائد و خیالات کے

صفحہ	سطر	نمبر شمار
		حاصل تھے۔ خوبصورت طور طریقوں کے مالک تھے۔ نہایت سچے تھے۔ صحیح اور غلط کا امتیاز رکھنے والے عالم تھے۔ بہت سی تصانیف والے تھے۔ حدیث رسولؐ و آثار صحابہؓ کے نہایت پابند تھے وغیرہ ہوا۔
۱۱۵	۱۷	۹۴ دیکھئے صفحہ ۱۱۱ سطر ۸ (ضمیمہ نمبر ۸۸)
۱۱۵	۲۰	۹۵ دیکھئے صفحہ ۱۱۱ سطر ۸ (ضمیمہ نمبر ۸۸)
۱۱۶	۱۲	۹۶ اس میں شیعیت کا تھوڑا سا اثر ہے۔
۱۱۶	۱۲	۹۷ اس میں بے ضرر قسم کی شیعیت پائی جاتی ہے وغیرہ
۱۱۶	۱۵	۹۸ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔
۱۱۶	۱۹	۹۹ جو ہماری راہ کی تلاش میں کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنی طرف آنے کی راہیں دکھا دیتے ہیں۔ (القرآن ۲۹)
۱۱۶	۲۰	۱۰۰ اسے فخر یہ طور پر نہیں کہتا۔ اپنے نفس کی شرارت پر اور اپنے بُرے اعمال اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور اپنے ہر گناہ سے اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرتا اور مغفرت طلب کرتا ہوں۔
۱۱۷	۸	۱۰۱ خواہ وہ سب ایک دوسرے کے پشت پناہ بن جائیں۔
۱۱۷	۲۳	۱۰۲ اس حدیث کو بیان کرنے میں شریک اکیلا راوی ہے۔
۱۱۷	۲۳	۱۰۳ اس روایت کو ہم سوائے شریک کے اور کسی کے حوالے سے نہیں بھیجتے۔
۱۱۸	۵	۱۰۴ اس کی حدیث لکھ تو دی جائے گی مگر اسے قابل اعتماد نہیں سمجھا جائے گا۔
۱۱۹	۲۱	۱۰۵ تمہارے وہ بھائی جو ایمان لانے میں تم سے آگے جا چکے۔
۱۲۰	۵	۱۰۶ جن زمانوں کی بھلائی کی تعریف رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اسے دہرا۔ تم میں کوئی فائدہ نہیں۔
۱۲۰	۱۱	۱۰۷
۱۲۰	۱۲	۱۰۸ دیکھئے صفحہ ۸۸ سطر ۱ (ضمیمہ نمبر ۸۸)
۱۲۰	۱۲	۱۰۹ دیکھئے صفحہ ۸۸ سطر ۵ تا ۷ (ضمیمہ نمبر ۸۸)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۱۰	۱۳۰	۲۳	زمانی کہتے ہیں کہ جس نے عبدالرزاق سے ان کے آخری زمانہ میں کئی حدیث سنی اور لکھی ہو، اس نے بلاشبہ بہت سی ناپسندیدہ احادیث لکھی ہیں۔
۱۱۱	۱۳۰	۲۴	عباس غیری کہتے ہیں کہ جب عبدالرزاق صنعاء (یمن) سے آئے تو ان کے حلقہ میں داخل ہو گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ تو بہت جھوٹے شخص (کذاب) ہیں۔ اور واقدی جیسا مشہور زمانہ کذاب بھی ان کے مقابلہ میں سچا ہے۔
۱۱۲	۱۳۱	۱	میں نے اس تحریر کے بعد ذہبی کے قلم سے یہ عبارت لکھی دیکھی کہ ”یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی مسلمان عباس (غیری) کی تائید میں نہیں ہے“
۱۱۳	۱۳۱	۳	ذہبی کا یہ قول ”بلا تحقیق کسی چیز کا انکار کرنے کی مثال ہے۔ کیونکہ اسماعیل نے اپنی کتاب ”مُدخل“ میں فریبانی سے نقل کیا ہے کہ ہم سے عباس غیری نے زید بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عبدالرزاق بہت جھوٹا کذاب تھا اور حدیث کی چوری کرتا تھا۔
۱۱۴	۱۳۱	۱۳	جتنا تم لوگ حدیثوں میں آگے بڑھتے گئے، اسی قدر تم قرآن کریم سے پیچھے ہٹے پھرتے گئے۔
۱۱۵	۱۳۱	۱۶	پرانے محدثین جو کچھ بھی اور صحیح و غلط جیسی بھی روایت سننے تھے اسے ٹانگ لیتے تھے۔
۱۱۶	۱۳۱	۲۳	(عربی) میں تو اپنی استطاعت کے مطابق سوائے اصلاح کے اور کچھ نہیں چاہتا، میری اس بات پر اللہ گواہ ہے، وہی توفیق عنایت کرتا ہے، وہی ہمارا پروردگار ہے، وہ ہی ہمارا مددگار ہے۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہ ہی ہمارے لئے کافی ہے۔

صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۱۷	۱۲۳	۲۰۹
۱۱۸	۱۲۵	۲۰
	۱۲۹	۱۰
۱۱۹	۱۲۶	۲
۱۲۰	۱۲۷	۲۲
۱۲۱	۱۲۹	۱۳
	۱۲۹	۱۰
۱۲۲	۱۳۶	۱۸۵
۱۲۳	۱۳۸	۷
۱۲۴	۱۳۸	۱۳
۱۲۵	۱۳۸	۱۹
۱۲۶	۱۳۹	۲۰
۱۲۷	۱۳۹	۲۱
۱۲۸	۱۴۰	۱۶
۱۲۹	۱۴۲	۲
۱۳۰	۱۴۳	۷
۱۳۱	۱۴۳	۱۲
۱۳۲	۱۴۳	۱۳
۱۳۳	۱۴۳	۱

عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح

شریف آدمی جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔
 تازہ کو بھی درد کی طرح بھگتنا چاہیے۔ اور اگر تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے
 تو بد خوئی مت کرو۔ (فارسی)
 (فارسی) جنگ و جدل اور اچھائی و برائی کا کیا فائدہ ہے میرا دل تو
 صلح سے بھی گریزاں ہے۔
 (فارسی) یہ سارا مسئلہ تمہارے سخن شناس نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے
 (فارسی) تازہ کو بھی درد کی طرح بھگتنا چاہیے اور اگر تم اس حقیقت
 کو نہیں سمجھتے تو بد خوئی مت کرو۔
 اس عربی عبارت کا خلاصہ علامہ عثمان غامدی کے لکھے خط میں ملاحظہ کریں۔
 دیکھئے صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
 (عربی) دیکھو مشتبه (جس کی حقیقت معلوم نہ ہو) سے بچنا۔
 اللہ تعالیٰ نے ان ناسائید میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی (القرآن)
 (یہی میدان ہے اور یہی گیسند اور یہی بلا ہے۔
 (عربی) دیکھئے صفحہ ۷۷ سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۳)
 کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے خود اسی متنازعہ بات کو دلیل
 میں پیش کرتا۔
 امت کی طرف سے پسندیدگی۔
 (عربی) دیکھئے صفحہ ۹۶ سطر ۱۸ (ضمیمہ نمبر شمار ۵۲)
 (عربی) دیکھئے صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
 (فارسی) قرآن کے عروس معنی کی نقاب اس وقت اٹھتی ہے جب
 دل کے خلوت خاں کو شور و شغف سے پاک کر دیا جائے۔
 (عربی) چرب زبانی سے دھوکا دینے والا۔

نمبر شمارہ	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (قیمتیں) اردو ترجمہ و تشریح
۱۳۳	۱۴۴	۱۲	(عربی) ناصح کی یہ نصیحت سنو کہ ثقہ (قابل اعتماد) لوگوں پر اعتماد کرنے میں بھی احتیاط کرو۔
۱۳۵	۱۴۴	۱۴	شاعر نے سچ کہا اور پتہ کی بات کہی، کیونکہ بعض اوقات قابل اعتماد لوگ بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ غور کرو کیا ٹھیک ٹھاکہ لگا ہر لکے شراب کو متلاطم سمندر کی شکل میں نہیں دکھائی؟ اور کیا اچھے بھلے کان بجھ سے کچھ نہیں سنوا دیتے؟
۱۳۶	۱۴۴	۱۷	(عربی) حدیثیں عجیبوں (غیر عرب) کے ہاتھوں میں رہیں اس لئے انھوں نے ان کے الفاظ میں کمی بیشی کر دی اور عبارت کو آگے بچھے کر دیا۔
۱۳۷	۱۴۴	۲۳	(عربی) اگر کسی شخص کی تعریف بھی کی گئی ہو اور اس پر تنقید بھی کی گئی ہو تو اس پر کی گئی تنقید کو اہمیت دے کر پہلے اس پر غور کیا جائیگا
۱۳۸	۱۴۴	۲۳	(عربی) جب اللہ اور اس کا رسول، لوگوں کی تنقید سے نہیں بچے تو پھر وہ (راوی) کیسے بچ سکتا ہے۔
۱۳۹	۱۴۶	۶	(عربی) اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو نتیجہ خیز بنائے اور انھیں ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے
۱۴۰	۱۴۶	۸۷۷	(فارسی شعر) میں اپنے اسلاف کی طرح عزم و ہمت والا ہوں میں ایسا کمینہ نہیں ہوں کہ خود میں ٹمک کھاؤں اور ٹمک دانی کو توڑ دوں۔
۱۴۱	۱۴۶	۱۰	تاکہ جو ہلاک ہو تو دلیل کی بنا پر ہو، اور جو زندہ کامیاب ہو وہ بھی دلیل کی بنا پر ہو۔ (القرآن مجید)
۱۴۲	۱۴۶	۱۹	(فارسی شعر) اس قحط الرجال کے زمانہ میں ہم بھی غنیمت ہیں اور آپ بھی غنیمت ہیں۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۳۴	۱۳۷	۸	یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے یا نکل اسی طرح نکل تھی۔
۱۳۵	۱۳۷	۱۹	جو تھیں سلام کرے تم اسے (بلا تحقیق) غیر مسلم قرار نہ دو۔ (القرآن مجید)
۱۳۶	۱۳۸	۶	(عربی) دیکھئے صفحہ ۷۷، سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۳)
۱۳۷	۱۳۸	۱۶	(عربی) صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر
۱۳۸	۱۳۸	۲۲	حسینوں سے محبت کرنے پر مجھے ملامت کرنے والے اپنی نصیحت نہ سننے پر ناراض نہ ہو بلکہ میری معذرت قبول کر کیونکہ اگر تو انصاف سے کام لیتا تو میرے اس طرز عمل پر مجھے لامت کرنے سے باز رہتا۔
۱۳۹	۱۳۹	۳	(فارسی) اگر گھر میں کوئی بھی ہے تو بس یہی کافی ہے۔
۱۴۰	۱۳۹	۱۱	اگر تو اپنی ماں کی عزت کرتا ہے تو میری ماں کو بھی برا بھلا نہ کہہ۔ دیکھئے صفحہ ۸۰، سطر ۷ (ضمیمہ نمبر شمار ۷۷)
۱۴۱	۱۵۳	۱۳	کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اگر کسی چیز کے وجود کا انکار نہیں کیا ہاں سکتا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو کہ اس کے وجود کا ماننا بھی لازمی ہو گیا۔
۱۴۲	۱۵۵	۳	(فارسی) یہ وہی پتھر ہے جو تولد میرے سر پر مارا تھا۔
۱۴۳	۱۵۵	۸	(عربی) اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو آگ میں جلنے والی قربانی (کا حکم) لیکر نہ آئے۔ کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء کرام دلائل کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ تشریف لائے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، مگر تم نے تو انہیں بھی تسلیم نہیں کیا۔ (القرآن مجید ۳۸)
۱۴۴	۱۵۶	۴	(عربی شعر) اے میرے بیٹے سقاہ! تم کیم سوال کو مر کر ہم جدا تو

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			ہو گئے۔ لیکن ہر یوم ماخرا (قربانی کے دن) کو تمھاری موت پھر زندہ ہو جاتی ہے (تمھارے مرنے کا غم تازہ ہو جاتا ہے)
۱۵۵	۱۵۷	۶	(عربی) اور ہم نے ان کے بعد ان کی سنت کا اتبلا کر لے والی ایک جماعت چھوڑ دی۔ (القرآن ۳۳)
۱۵۶	۱۵۷	۱۱	(عربی) اور ہم نے اس کی تعریف و توصیف بعد کی نسلوں میں بھی نہ کی۔
۱۵۷	۱۵۷	۱۱	(عربی) اور ہم نے بعد والوں پر ان کی سنت لازم قرار دیدی۔
۱۵۸	۱۵۷	۱۲	(فارسی) مشک وہ ہے جو خود خوشبودے نہ کہ وہ جس کو عطار کچا (کہ یہ مشک ہے)
۱۵۹	۱۵۸	۳	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی — اور میری امت میں سے جس نے قربانی نہیں کی۔
۱۶۰	۱۵۸	۴	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی جبکہ اس کو پڑھنی چاہیے تھی۔ اور میری امت میں سے جس نے قربانی نہیں کی جبکہ قربانی اس کو کرنی چاہیے تھی۔
۱۶۱	۱۵۸	۱۰	(عربی) میری امت میں سے جس نے نماز نہیں پڑھی تو اس کے جنازہ میں مسلمان شامل نہ ہوں۔
	۱۵۸	۱۰	(عربی) میری امت میں سے جو استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ مسلمانوں کی عید گاہ میں نہ آئے۔
۱۶۲	۱۵۸	۱۸	(عربی) دیکھئے صفحہ ۱۰۱ سطر ۲۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۶۵)
۱۶۳	۱۵۹	۲	یہ شعر قواعد عربی سے متعلق ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ چار مقامات یعنی شرط، ہوا، دعا اور صلہ فہمی میں آئیں تو ان کے معنی مستقبل میں لے جاتے ہیں۔
۱۶۴	۱۵۹	۲۱	(فارسی) یہاں بال سے بھی زیادہ باریک ہزاروں نکتے موجود ہیں۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۶۵	۱۶۰	۱۲	اگر آپ یہ بات نہیں جانتے تو ایک مصیبت ہے۔ اور اگر جانتے ہو چھٹے انکار کرتے ہیں تو دوسری مصیبت ہے۔
۱۶۶	۱۶۰	۲۱	تقابل عدم و ملکہ کی تعریف جب کوئی چیز کسی جگہ ایک خاص وقت میں ہونی ضروری ہو، مگر نہ پائی جائے اسے عدم و ملکہ کہتے ہیں۔ تقابل عدم و ملکہ کی مثال جیسے خواہ سڑک کے جوان ہونے کے بعد بھی ان کی داڑھی موٹے نہیں نکلتی، حالانکہ اس عمر میں آنکلی چاہئے۔ اس کے برعکس عورتوں پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ کیونکہ داڑھی موٹے ہونا ان کی خصوصیت ہے ہی نہیں۔
۱۶۷	۱۶۱	۹	(عربی) میری امت کے جن لوگوں کو قربانی کا گوشت نہیں ملا ان کے لئے میری یہ دعوت ہے۔
۱۶۸	۱۶۱	۱۳	یہ سارا مسئلہ تمھارے سخن شناس نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے۔
۱۶۸	۱۶۲	۲۲	کیونکہ بلا شک و شبہ تمام شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے۔ یہ عربی ضرب المثل اس موقع پر بولی جاتی ہے جب کسی کے اکثر کام کسی ایک چیز سے پورے ہو جائیں۔ اس سے ملتی جلتی اردو میں یہ ضرب المثل ہے کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔
۱۶۹	۱۶۲	۱۲	اے اللہ صلوٰۃ بھیج ابی اوفیٰ اور ان کی آل پر۔
۱۷۰	۱۶۳	۶	پس جو لوگ ایمان لائے انھیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا آراء دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ (القرآن ۳۱:۲۱)
۱۷۱	۱۶۳	۷	دیکھئے صفحہ ۱۱۲ سطر ۱۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۹۹)
۱۷۲	۱۶۳	۲۰	ان سے کوئی حرج نہیں۔ گزرا رہے لائق ہیں۔
۱۷۳	۱۶۴	۲	پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ جس میں ایک

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			دروازہ ہوگا۔ (القرآن ۱۶۴)
			اس کو یہ جس طرح پڑھتا تھا اس کا ترجمہ ہوا۔ ”پھر ان کے درمیان ایک بلی حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا“
			ظاہر ہے یہ حرکت قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے ہے۔
۱۶۳	۱۶۳	۷	شاید انھوں نے تو یہ کہہ لی ہو۔
۱۶۵	۱۶۴	۱۸	سوائے اس کے جس پر سر پروردگار نے رحم فرمایا ہو (القرآن ۱۶۵)
۱۶۶	۱۶۴	۱۸	”سوائے اس کے“ میں جو مستثنیٰ کئے گئے ہیں ان کا مصداق ہم ہیں۔
۱۶۷	۱۶۷	۸	اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، ان کی نیکیوں کے اجر میں زیادہ سے زیادہ اضافہ فرمائے۔ اور ان کی لغزشوں کو درگزر فرمائے۔
۱۶۸	۱۶۷	۸	دیکھئے صفحہ ۱۷۷ سطر ۱۰ (ضمیمہ نمبر شمار ۲۲)
۱۶۹	۱۶۸	۱۷	دیکھئے صفحہ ۱۷۷ سطر ۱۸۔ (ضمیمہ نمبر شمار ۱۸)
۱۷۰	۱۷۰	۱۰	(فارسی) دیکھئے صفحہ ۱۷۷ سطر ۱۱ (ضمیمہ نمبر شمار ۱۵۸)
۱۷۱	۱۷۰	۱۶	ایک اونٹ کے برابر بوجھ بلکہ کئی اونٹوں کے برابر بوجھ
۱۷۲	۱۷۰	۱۸	کوئی محدثین کے نمایاں ترین حضرات۔
۱۷۳	۱۷۰	۲۰	ان لوگوں نے کونے والوں کی حدیثوں میں فساد پھیلایا ہے۔
۱۷۴	۱۷۰	۲۱	علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا کہ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ہر وہ اہم بدعتی شخص جو اپنے خیالات کا مبلغ ہو اس سے روایت لینا بند کر دو۔ تو یحییٰ بن سعید نے جواب دیا کہ اگر بیڑ عمل اختیار کیا جائے تو پھر تم قضاہ، ابن ابی زؤاد، عمر بن ذر، ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات کا ذکر کر کے کہا کہ پھر ان کے متعلق تمہارا طرز عمل کیا ہوگا؟ (یہ بھی تو بدعتی ہیں اور اپنے بدعتی خیالات کے مبلغ ہیں)۔ پھر بولے کہ اگر اس قسم کے بدعتی لوگوں سے تم نے

عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
			روایت یعنی ترک کردی تب تو بہت سارے راویوں کو چھوڑنا پڑا معتز بن سلیمان، ابو عمرو بن العلاء کا قول نقل کرتے ہیں کہ قتادہ اور عمرو بن شیبہ ہر ایک دوسرے غیرے شخص سے روایت کر لینے کے مریض ہیں۔ جبر بن خیرہ سے اور وہ شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ قتادہ کی مثال رات کو لکڑیاں چٹنے والوں کی سی ہے۔ (جو اندھیرا ہونے کی وجہ سے اچھی نظر ہر قسم کی لکڑیاں جمع کر لیتا ہے بلکہ بسا اوقات لکڑیوں کے گٹھے میں سانپ کو بھی اٹھا کر گھر لے آتا ہے)۔
۱۸۵	۱۷۱	۷	(فارسی) اگر تیرا پروردگار تجھ سے اپنے بھادہ (گدی) کو شراب میں ڈبو کر رنگین کرنے کے لئے کہے تو کر لے۔
۱۸۶	۱۷۱	۱۱	ہو سکتا ہے کہ عامش نے یہ روایت کسی ناقابل اعتماد شخص سے لی ہو مگر تہ لیس کر کے (دھوکا دے کر) اس کا اظہار نہ کیا ہو جس کی وجہ سے بظاہر سند بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال پیر نزدیک اس حدیث کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔
۱۸۷	۱۷۱	۱۵	دیکھتے صفحہ ۸۶ سطر ۹ (ضمیمہ نمبر شمار ۱۳۸)
۱۸۸	۱۷۱	۲۰	جو اچھی بات کی ابتدا کر جائے تو جو اس کے بعد اس اچھائی پر عمل کرے گا اس کا ثواب اسے بھی پہنچے گا۔
۱۸۹	۱۷۱	۲۱	اور جو برائی کی کوئی ابتدا کرے گا تو بعد میں آنے والوں کے گناہوں کا وبال اس پر بھی پڑے گا۔
۱۹۰	۱۷۲	۱۳	(عربی) صرف لوگوں کی سہولت کے لئے اس ایصال ثواب کو جانو قرار دیا ہے۔ (بدائع الصالح)
۱۹۱	۱۷۲	۱۳	(عربی) ورنہ اصول اور عقل کے رومے یہ ایصال ثواب جائز نہیں یونکہ موت کی وجہ سے مرنے والے کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا (ضمیمہ) اردو ترجمہ و تشریح
۱۹۲	۱۷۳	۱۳	البيت فخلا فخلا روايت کی رو سے کچھ لے کر نایا اس کے لئے قربانی کرنا جائز نہ رہا (فلاح)
۱۹۳	۱۷۲	۱۶	(فارسی) سہار جی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھے تو دیوار ٹریا تک بھی جائے تو ٹیڑھی ہی جائے گی۔
۱۹۴	۱۷۳	۳	ورد اگر آپ سچے ہیں تو دلیل پیش کیجئے۔
۱۹۵	۱۷۶	۱۳۳۳	(فارسی) گفتگو (بحث و تہمت) درویشوں کا دستور نہیں ہے ورد ہم بھی تم سے ان سارے مسائل پر اچھی طرح گفتگو کرتے۔
۱۹۶	۱۷۶	۱۸۵	ہماری تمہاری بات چیت تو رہتی ہی ہے اور تمہیں بحث و مباحثہ کی عادت ہے۔ اب گفتگو کی ابتدا تم نے خود کی ہے اور یہ بساط سخن تم ہی نے بچھائی ہے۔ اب جبکہ تم میں بحث کرنے کی طاقت نہیں رہی تو یہ کہتے ہو کہ گفتگو کرنا درویشوں کا طریقہ نہیں ہے۔
۱۹۷	۱۷۶	۱۹	تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (القرآن ۹۱)
۱۹۸	۱۷۶	۲۱	لوگوں کو عادت ہے کہ باہم ناراضگی کی حالت میں بات چیت محکم کرتے۔ ہوئے سورۃ کافرون کی اس آیت کو پرہیز کیا کرتے ہیں۔ مگر یہ طرز عمل ناجائز ہے کیونکہ قرآن مجید باہم جھگڑوں میں تنزیہ طور پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس پر غور و فکر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔
۱۹۹	۱۷۷	۲	(عربی) آپ اپنے آباؤ اجداد کے طرز عمل پر خوش رہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے امانت و ار اپنے نبی کے طرز عمل پر خوش ہوں۔ صلوة و سلام ہو ان پر، ان کی ازواج مطہرات پر ان کے صحابہ کرام پر قیامت کے دن تک۔
۲۰۰	۱۷۷	۱۰	(عربی شعر) اسے جبریر اگر تم لوگوں کے درمیان غفلت و ہر تری کا

نمبر شمار	صفحہ	سطر	عربی اور فارسی کا اضمیمہ اردو ترجمہ و تشریح
-----------	------	-----	---

مقابلہ کرانے کے لئے کوئی اجتماع کرو گے تو میرے ان آباؤ اجداد کی مثل کوئی دوسرا پیش نہیں کر سکو گے۔

۳-۱ ۱۴۷ ۱۳

(عربی اشعار کا ترجمہ)

(۱) گذشتہ بزرگوں پر فخر کرنے والے، مرے ہوؤں پر فخر کرنا کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔

(۲) پھر جن بزرگوں کا تم نے تذکرہ کیا ہے وہ تو حقیقت میں تمہارے آباؤ اجداد ہیں بھی نہیں۔ کیا تم اپنے حقیقی آباؤ اجداد پر قانع رہنا کافی نہیں سمجھتے؟

(۳) تم دوسروں کی بنیاد پر اور ان کی چھوٹی ہوئی میراث پر فخر کرتے ہو کیا یہ قابل شرم بات نہیں؟

(۴) دوسروں کے آباؤ اجداد کو مستعار لیکر فخر کرنا درحقیقت فخر کرنے والوں کے لئے ناپسندیدہ بات ہے۔

(۵) اگر تمہیں گذرے ہوئے حضرات پر فخر کرنے کا اسی قدر شوق تھا تو پھر متاخرین کے بجائے متقدمین پر جو واقعی اسلاف ہیں فخر کرتے (یعنی صحابہ کرام پر)

(۶) بہر حال اگر آپ اپنے مرنے والے آباؤ اجداد کو ایسا ہی زبردست سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ نے تذکرہ کیا ہے تو یو نہی ہی آپ ان سب کو مقابلے پر لائے

ہیں۔ انشاء اللہ ان سب کو (قرآن کریم کے دلائل سے) زیر کرنے کے لئے تیار ہوں۔